اردو

العواصم من القواصم

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ

نعماء السنۃ ○ گھرجاکھ، گوجرانوالہ

العواصم من القواصم

فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف
قاضی ابوبکر ابن العربیؒ

تعلیق
علامہ محب الدین خطیبؒ

ترجمہ
مولانا محمد سلیمان کیلانی

تحشیہ
خالد گھرجاکھی

ناشر
ادارہ احیاء السنۃ گھرجاکھ ضلع گوجرانوالہ

فہرست مضامین

(تمہید از خالد گھرجاکھی عفی عنہ)

نوٹ:۔ اعلام التاریخی اور اعلام الجغرافی اور مرجع الکتاب کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یہ کتاب اَلْعَوَاصِمُ مِنَ الْقَوَاصِمِ علامہ ابن العربی اندلسی کی ہے جو کہ دو جلدوں میں مکمل ہے اور یہ موجودہ رسالہ دراصل دوسری جلد کی ایک فصل ہے۔ جس کو اصل بڑی کتاب جلد دوم میں ص۹۸ سے ص۱۹۳ تک دیکھا جا سکتا ہے۔ اس فصل میں صحابہ کرام کے حالات بیان ہیں۔

علامہ ابن العربی نے اس کتاب کا نام العواصم من القواصم رکھا یعنی وہ چیزیں جو ایمان کو توڑ دیتی ہیں اور برباد کر دیتی ہیں اس سے محفوظ رکھنے والے حقائق۔ اسی وجہ سے موجودہ عربی میں عاصمہ پہاڑی کو کہتے ہیں

عواصم اور قواصم کا ترجمہ نہ تو سوال و جواب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اعتراض اور اس کا حل ہو سکتا ہے بلکہ قواصم قاصمہ کی جمع ہے توڑ دینے والی یعنی انسان کی ایسے کمر توڑ حادثہ اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں کیونکہ بعض اسلام دشمن لوگوں نے اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اور عاصمہ یعنی اس حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے عاصمہ کا معنی ہی حفاظت کرنے والی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطالعہ میں ایک بات:
اصحابی کلھم عدول: پہلے سمجھ لینی چاہیئے کہ صحابہ کرام تمام کے تمام عدول ہیں یعنی دیانتدار، عدل اور انصاف کرنے والے حق پر ڈٹ جانے والے اور خواہشات کی طرف مائل نہ ہونے والے ہیں یہ سب عدول کے معنی میں شامل ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے "اصحابی کلھم عدول" کہ میرے تمام ساتھی عدول ہیں۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ساتھیوں کے متعلق قرآن مجید میں یہ ارشاد

ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہ اللہ ان پر راضی ہو چکا ہے اور وہ سب اللہ پر راضی ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نہ بدکردار تھے اور نہ بددیانت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے جب جنگ فتح مکہ کی مخبری مکہ والوں کو کر دی تو حضرت عمر فاروق نے آپ سے حاطب کے قتل کی اجازت طلب کی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور وہ ذہین جو گفتگو حاطب نے کی آنحضرت نے اسے قبول فرمایا۔ کیونکہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی نہ غدار تھا نہ بددیانت۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو بھی صحابہ کے خلاف کوئی گفتگو سننا گوارا نہیں۔

چنانچہ جب عبداللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ اور ان کے ساتھیوں کو ذلیل کہا تو حضرت زید جو بالکل ابھی بچے ہی تھے نے آنحضرت سے شکایت کر دی کہ فلاں فلاں شخص نے یہ بکواس کی ہے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا تو منافقوں نے قسمیں کھانا شروع کر دیں کہ ہم نے نہیں کہا تو حضرت زید کہتے ہیں کہ مجھے بہت صدمہ ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہو کر جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری بریت قرآن مجید میں سورہ منافقون کی شکل میں نازل فرمائی جس سے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں کہ کوئی شخص کسی صحابی کو مبہم یا بدنام کرے۔

قسم بخدا میں نے پوری دیانت داری سے کوشش کی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھ پر کسی ایک صحابی کا بھی بددیانت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ غلط فہمی ہو سکتی ہے اور وہ انبیا کو بھی ہو جاتی ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون کے متعلق غلط فہمی ہوئی جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی کی ڈاڑھی وغیرہ نوچ ڈالی۔ بہر حال صحابہ کو غلط فہمی تو ہو سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ہنگامہ و قتل و خونریزی بھی ہو سکتی ہے لیکن کسی صحابی پر غلط کار ہونے کا اتہام مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا جس کی پوری بحث میں نے "سیرت الاخوین" کے پہلے حصہ کے آخر میں بیان کی ہے۔

اس کتاب میں بھی تمام صحابہ کی صحیح پوزیشن جو تھی وہ بیان کی گئی ہے اور لوگوں

نے جو افراط و تفریط اس کے ساتھ لگایا تھا اس کی عکاسی کی ہے اسی وجہ سے اس کا نام عواصم من القواصم رکھا ہے اور آئندہ سوال و جواب یا اعتراض و حل کی بجائے قاصمہ اور عاصمہ سے ہی سوال و جواب بیان کیے جائیں گے۔

ابن عربی اور ابن العربی

بہت سے اہل علم لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب علامہ ابن العربی کا نام لیا جاتا ہے تو وہ اس کو صاحب فتوحات مکیہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اور ہیں اور یہ اور ہیں۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ کنیت دونوں کی ابوبکر ہے اور دونوں کی نسبت بھی قریبا ایک جیسی ہے اور دونوں ہی اندلس کی سرزمین کے ہیں لیکن درحقیقت دونوں الگ الگ ہیں۔

علامہ ابن العربی (الف لام کے ساتھ) اس کا نام مع القاب اس طرح ہے "قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن احمد بن العربی معافری اندلسی۔ پیدائش ۲۲ شعبان ۴۶۸ھ وفات ۷ ربیع الاول بروز شنبہ ۵۴۳ھ۔

اور ابن عربی (بغیر الف لام کے) ان کا نام مع القاب اس طرح ہے۔ ابوبکر محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ طائی حاتمی اندلسی پیدائش ۵۶۰ھ اور وفات ۶۳۸ھ ان کی کنیت بھی ابوبکر ہی ہے اور مشہور ابن عربی (بغیر الف لام کے) ہیں۔ عدی بن حاتم صحابی کے بھائی عبد اللہ بن حاتم کے خاندان سے ہیں اور تصوف میں ان کی بہت تصانیف ہیں۔

علامہ ابن العربی متبحر عالم ہیں اور ابن عربی صوفی تھے علم کے ساتھ ساتھ ان کا تصوف کی طرف بہت میلان تھا ان کی تصانیف میں بعض باتیں ایسی بھی درج ہیں جو عوام کی سمجھ سے باہر ہیں بلکہ کئی بڑے بڑے علماء نے بھی ان کے خلاف بڑے سخت فتوے صادر کیے ہیں۔ چنانچہ ابن سعدی ان کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کان ظاهری المذهب فی العبادات وباطنی النظر فی الاعتقادات۔ آگے فرماتے ہیں ومواقف النهایات فی مزالق الاقدام ولهذا ما ادنبت فاسبی والله اعلم لسبائكا۔

ابن ابی حاتم نے بھی کہا ہے کہ فصوص الحکم کی بعض عبارات کی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے کافر کہا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن زیادہ لوگوں نے ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا ہے اور معاملہ اللہ کے سپرد کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم اور شخص ہے جسے زیادہ دلچسپی ہو وہ تاج المکلل ملک او غیرہ میں دیکھے۔

علامہ ابن العربی صاحب العواصم من القواصم کے حالات علامہ محبؒ الدین خطیب نے شرح و بسط سے دیے ہیں جن کی تلخیص اسی کتاب کے ساتھ درج ہے بلکہ علامہ محب الدین نے اسی کتاب پر حواشی سے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اگرچہ بعض جگہ پر اطناب ہے جسے کچھ مختصر کر دیا گیا ہے اور بعض جگہیں تشریح طلب تھیں جس پر مزید حاشیہ آرائی کر دی ہے۔ البتہ بعض مسائل ایسے تھے جن کا تذکرہ نہایت ضروری تھا ان کو پیش لفظ میں بیان کر دیا ہے۔

علامہ محبؒ الدین خطیب

علامہ محب الدین خطیب دمشق کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور سید عبدالقادر جیلانی کے خاندان سے ہیں ان کے دادا سے لے کر شاہ صاحب تک کا شجرہ نسب کتاب "الحلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر" میں درج ہے ۱۳۰۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور والد مرحوم کے زیر سایہ تربیت پائی جو اس وقت "المکتبۃ الظاہریۃ" کے ناظم تھے۔ اور دن رات افادہ و استفادہ میں مصروف رہتے سلسلہ نسب یوں ہے سید محب الدین بن ابو الفتح بن شیخ عبدالقادر خطیب دمشقی یہ خاندان ہمیشہ ہی ممتاز مناصب پر فائز رہا ہے اور عوام و خواص میں بڑے احترام اور بے حد عزت کی نگاہ میں دیکھے جاتے تھے۔

محب الدین کے دادا رحمہ اللہ شافعی المسلک تھے۔ ابتدائی تعلیم دمشق میں حاصل کی پھر مصر میں جامعہ ازہر میں داخل ہو کر اتنا کمال حاصل کیا کہ ممتاز علماء میں شمار ہونے لگے۔

محب الدین کے باپ چار بھائی تھے شیخ ابوالنصر، شیخ ابوالفتح، شیخ ابوالفرج، شیخ ابوالخیر۔ شیخ کے والد ابوالفتح جامع اموی کے صدر مدرس تھے اور مغرب اور عشاء کے درمیان درس دیا کرتے تھے۔ حکام سے راہ و رسم کو ناپسند فرماتے۔ تصوف و زہد کی طرف مائل تھے۔

شیخ محب الدین نے شیخ طاہر جزائری سے علم حاصل کیا جو مالکی المسلک کے مشہور و معروف مفتی تھے۔

شیخ محب الدین سلفی المسلک خالص کتاب و سنت کے علمبردار تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران سید محب الدین اور ان کے ایک عزیز سید عبد الفتاح نے مل کر مصر سے ایک ماہنامہ "مجلہ السلفیہ" کے نام سے جاری کیا۔ آپ اس کے رئیس التحریر تھے۔ شاہ فیصل ہاشمی کے زمانہ میں ۱۳۳۷ھ میں دمشق میں واپس آ گئے۔ اور "المجمع العلمی العربی" نے آپ کی خدمات حاصل کر لیں۔

سید محب الدین ترکی اور فرانسیسی زبانوں کے بھی ادیب تھے۔ فطرتاً آزاد منش تھے اور ترکی حکومت کے اعلیٰ مناصب سنبھالنے کی پوری استعداد رکھتے تھے۔ لیکن ملازمت کی زندگی کو پسند نہ کیا۔

جب ۱۳۳۲ھ میں شام کو چھوڑ کر مصر میں رہائش کی جو اس وقت نسبتاً ایک آزاد ملک سمجھا جاتا تھا۔ وہاں آپ روزنامہ "المؤید" کے محرر مقرر ہوئے اور آزادی دلجمعی کے ساتھ دینی اور اجتماعی اصلاحات بروئے کار لانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ آپ کا دل اسلام اور اہل اسلام کی محبت سے لبریز تھا۔ اس لیے اسلام یا اہل اسلام کے خلاف کوئی بیرونی حملہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

ان دنوں اسلام کو بدنام کرنے کے لیے عیسائی مشنریوں نے بہت بری طرح کام شروع کیا ہوا تھا۔ چنانچہ عیسائیوں کا ایک ماہنامہ "العالم الاسلامی" ان دنوں مسلمانوں کے خلاف بری طرح زہر اگل رہا تھا جس کا جواب "اسلامی دنیا

"پردہ اکھاڑنی" کے عنوان سے مسلسل کئی ہفتے مضمون اخبار "المؤید" میں دیتے رہے جس کو تمام اسلامی اخبار نقل کرتے۔ اسی طرح عالم اسلامی میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دوسری طرف عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے متنبہ ہونے لگے جس کی وجہ سے عیسائیوں کو بے حد مایوسی ہوئی۔

آپ مصر کے کثیر الاشاعت سرکاری روزنامہ "الاہرام" میں ترکی کے عربی ترجمہ کے شعبہ کے انچارج بھی رہے جس کو آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

جنگ عظیم اول کے دوران آپ حجاز منتقل ہو گئے اور مقدور بھر عربوں کو بیدار کرتے اور عرب ممالک کو غیر ملکی تسلط سے بچانے کے لیے بھرپور کوشش کرتے رہے۔ جنگ کے بعد شام چلے گئے اور شاہ فیصل ہاشمی کے سرکاری اخبار کے رئیس التحریر مقرر ہوئے۔ جب شام پر فرانسیسی غاصب قابض ہوئے تو پھر مصر واپس تشریف لے گئے اور عربی کتابوں کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ماہنامہ "الزہراء" اور ہفت روزہ "الفتح" جاری کیا۔ آپ نے مصر میں "مکتبہ سلفیہ" اور ایک مطبع بنام مطبع سلفیہ قائم کیا جس کی شاخ مکہ معظمہ میں بھی ہے۔ مکہ معظمہ کے مکتبہ سلفیہ اور مطبع سلفیہ کا انتظام والنصرام ان کے ایک عزیز عبد الفتاح آفندی قتلان کے سپرد تھا جو کاروبار میں آپ کا برابر کا شریک تھا۔

مسلک

آپ مسلکاً سلفی العقیدہ تھے اور کسی فقہی مسلک کے ساتھ منسلک نہ تھے اور سلف صالحین صحابہ کرام اور تابعین کے طریقہ کے علمبردار تھے اس کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لیے ہر وقت ملحدوں اور تجدد پسندوں کے سامنے سینہ سپر رہتے تھے۔ ان کے لٹریچر میں کتاب و سنت کی نمائندگی اصلی رنگ و روپ میں ہوتی تھی۔ سیاسی طور پر ان کی کوشش ہوتی کہ مسلمان جلد از جلد مغرب کی ذہنی، سیاسی اور اخلاقی غلامی سے آزاد ہو جائیں

اور ان میں قرونِ اولیٰ کا اسلام اپنی پوری آب و تاب کے دوبارہ لوٹ آئے اور ایک دفعہ پھر تمام دنیا کے لیے سایۂ رحمت ثابت ہو۔ وہ عالم اسلام کو متحد دیکھنا چاہتے تھے اور دن رات عالم اسلامی کی بالادستی کے لیے سرگرم عمل رہتے تھے۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے دور دراز ممالک کے سفر کیے۔ شب و روز اسی فکر میں غلطاں رہے کہ کس طرح امت مسلمہ کو قعر ذلت سے نکال کر اوج کمال پر پہنچایا جائے اور مغربی استعمار پرستوں کے پنجۂ استبداد سے کسی طرح نجات دلائی جائے۔

عقاید میں خالص اہل حدیث تھے اور یہ ہی وجہ ہے کہ ان کا علمی لٹریچر بھی خالص کتاب و سنت کی ترجمانی کرتا رہا ہے۔ سید خطیب کی تحریروں میں یہ انداز ہوتا ہے کہ ان میں قدیم و جدید کا حسین امتزاج تھا۔

مسلک اہل سنت کو بڑی عمدہ تعبیر میں پیش کرتے تھے پرانے فتنوں میں سے فتنہ رفض و تشیع اور نئے دور کے فتنہ مرزائیت اور تہذیبی طور پر فتنہ استشراق کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فتنۂ متجددین پر گہری اور وسیع واقفیت رکھتے تھے۔ اور ان فتنوں کو بھی مسلمانوں کے زوال و ذلت کا سبب گردانتے تھے۔

علمی کارنامے

سید صاحب کا زیادہ وقت تو اخباری دنیا میں رہ کر اصلاح کرنے میں گذرا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ علامہ ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ" جس کی تلخیص علامہ ذہبیؒ نے بنام المنتقی کی تھی اس کو شائع کیا اور اس پر بے نظیر حواشی درج فرمائے "العواصم من القواصم" پر بہترین تعلیقات اتنی زیادہ درج فرمائیں کہ اصل کتاب سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کو مع حواشی و تعلیقات نہایت آب و تاب سے شائع فرمایا۔ اس کے علاوہ زوائد ابن حبان، کتاب الخراج یحییٰ بن آدم

اور کتاب الخراج لابی یوسف بھی شائع فرمائیں۔

وفات

سید صاحب سنہ ۱۳۹۰ھ کے اوائل میں وفات فرما گئے جس پر تعزیتی پیغام الاعتصام مجریہ ۸ رمئی سنہ ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

خالد گھرجاکھی

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ:-

فن تاریخ کی اہمیت

تاریخ کا فن تمام فنون سے اہم ہے اس کے ذریعہ سے ہمیں سابقہ اقوام کے حالات کا پتہ لگتا ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ کہ جن قوموں نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی ان کے حالات دیکھو کہ کس طرح تباہ و برباد کر دیے گئے۔ یہ ایسا فن ہے جس کو تمام قومیں پڑھتی پڑھاتی ہیں۔ اگر فن تاریخ سے پہلو تہی کر لی جائے تو کوئی قوم اپنی باقیات کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

فن تاریخ کے موجد مسلمان ہیں

یہ بھی حقیقت ہے جس کا اقوام یورپ کو بھی اعتراف ہے کہ سب سے پہلے سن ہجری کی ترویج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ڈالی اور پھر کئی صدیاں بعد دوسری اقوام نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اپنے سنون جاری کیے۔

فن تاریخ کی اصلاح و عروج

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح فن تاریخ کی ایجاد کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے اسی طرح اس فن کو بام عروج پہ پہنچانے والے بھی مسلمان ہی ہیں اس کی اصلاح و تنقیح کرنے والے بھی مسلمان ہی ہیں کیونکہ اسلامی دنیا میں جو مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ کسی اور کا تمام مخلوقات میں سے نہیں ہے یہ ہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام اور ان کے بہت سے متبعین نے محض آنحضرت کے حالات و واقعات

اکٹھے کرنے کے لیے زندگیاں تک وقف کر دی تھیں اس والہانہ شیدائیت کا یہ حال
تھا کہ ہزار ہا میل کا سفر پا پیادہ کرتے اور وہ بھی محض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
ایک ایک ارشاد کے لیے۔ پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ جو شخص
میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا وہ جہنمی ہوگا اس وعید کے ڈر سے خیر القرون
میں تو کسی کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ کوئی غلط بات آپ کی طرف نسبت کریں۔ پھر جب بعد
کے لوگوں نے کچھ رطب و یابس کی ملاوٹ کرنا شروع کی تو اللہ تعالے نے ایک جماعت
حفظہ کو یہ توفیق دی کہ آنحضرت کے فرمودات وحالات کی جانچ پڑتال کے لیے کئی
لاکھ انسانوں کے حالات مرتب کر دیئے اور انسانی بس میں جتنی کوشش ہو سکتی
تھی اس کی انتہا کر دی۔

اسلامی تاریخ کا امتیاز یہ صرف اسلامی تاریخ کا ہی امتیاز ہے کہ صحیح واقعات
کو نکھار کر وہ حقائق محفوظ کر دیئے جس کی اس سے
پہلے صرف یہ حیثیت تھی کہ ان کو اساطیر الاولین ہی کہا جاتا تھا۔ پھر محدثین نے ان
واقعات کو نکھارنے کے لیے روایت ودرایت کے ایسے اصول مقرر کیے جن پر پرکھ کر
انسان محض قصے وکہانیوں سے صحیح واقعات سامنے لا سکتا ہے۔

افسوسناک غلطی ہمارے آج کے دور میں ایک ایسا رجحان پایا جاتا ہے جو کہ حد درجہ
افسوسناک ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے محض قصہ گوئی کی ہے
ان کو بھی مورخ کہا جانے لگا ہے حالانکہ یہ لوگ قصاص تھے یعنی صرف قصہ گو انہیں
مورخ نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ ہمارے مورخ دراصل وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمانہ
رسالت کی ایک ایک بات کو اس طرح جانچا پرکھا اور پھر ان کو اپنے علمی دفاتر میں محفوظ
کیا جنکو محدثین کرام رحمہم اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پوری احتیاط سے واقعات
کو محفوظ کیا۔ لیکن بعد کے قصہ گو لوگوں نے تمام گفتگوئیں اکٹھی کرنا شروع کر دیں۔
ان مروجہ تاریخوں میں سے سب سے قدیم تاریخ طبری ہے اس نے بھی تمام رطب
و یابس اکٹھا کر دیا۔ اگرچہ اہل علم کے لیے وہ نقصان دہ نہیں کیونکہ ابن جریر نے مواد

اکٹھا کیا ان کی عادت ہے کہ عموماً شروع میں صحیح واقعات پیش کر دیتے ہیں اس کے بعد قِیلَ اور یُقَالُ کے صیغوں سے جو باتیں محض قصہ گو لوگوں کی زبان پر مشہور ہوئیں وہ بھی بیان کر دیتے ہیں تاکہ اہل علم یہ دیکھ لیں کہ اصل حقائق کیا ہیں اور قصہ گو لوگوں نے اسے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ لیکن کم علم عوام تو ہر اس کہانی کو پسند کریں گے جس میں لطافت و نیرنگی زیادہ ہو خواہ وہ حقیقت سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔

بعد کے قصہ گو مورخین تو بالکل ہی بہ گئے ایسے ایسے واقعات بیان کرتے رہے جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لشکریوں کی تعداد یا ہلاک ہونے والوں کی تعداد کا حساب لگایا جائے تو اکثر واقعات محض لغو قصے اور بیہودہ کہانیاں رہ جاتے ہیں۔

ہمارے قصہ گو مورخین جب واقعۂ کربلا بیان کرتے ہیں تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مدمقابل فوج کی تعداد جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ صرف کوفیوں کا لشکر تھا اور پھر اس کی تعداد لاکھوں سے متجاوز بتاتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں کیا آج بھی کوفہ میں اس تعداد کے برابر کل آبادی بھی نہیں ہے حالانکہ اس واقعہ کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں دراصل یہ قصہ گوئی صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کی اچھی خاصی وضاحت کی ہے کہ ان قصہ گو مورخوں نے ہماری تاریخ کو کس طرح بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے باوجود اہل تحقیق کے لیے اصل واقعات کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا اگرچہ یہ کتابیں عوام کے سطحی علم کے لیے مفید نہیں ہوتیں لیکن اہل علم ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صحیح اور غلط میں اپنے علم کی وجہ سے پوری پوری تمیز کر سکتے ہیں۔

اہل سنت کے لیے لمحۂ فکریہ

اہل سنت جو ہر افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی پر چلتے ہیں انھیں خاص طور پر ایسے قصے کہانیوں میں اور صحیح تاریخی واقعات میں ضرور امتیاز کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہر قاری کو چاہیئے کہ جب بھی کوئی کتاب پڑھے تو ذہن کو بالکل خالی اور اختلافات سے پاک وصاف کرکے پڑھے اور قصہ گوئی کی بجائے حقائق کو دلائل کے ساتھ پرکھے۔

اپنا مدعا

چونکہ فن تاریخ کو بدنام کرنے میں زیادہ ہاتھ غیر مسلم سازشی لوگوں کا تھا جنہوں نے ایسی چیزیں گھڑ کر عوام میں پھیلانے کی کوشش کی تاکہ اسلام بدنام ہو جائے اور مسلمان خود اپنی تاریخ سے ناواقف ہو جائیں اور دوسرے نمبر پر ان لوگوں کا بھی قصور تھا جنہوں نے تمام رطب ویابس تاریخ کے نام پر اکٹھا کر دیا اور اس سے لوگ دھوکہ بھی کھاتے رہے۔ تیسرے نمبر پر وہ لوگ بھی قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جا سکتے جنہوں نے بلاتحقیق تمام رطب ویابس کو تاریخ سمجھ کر سینے سے چمٹا لیا۔ حالانکہ تمام مسلمانوں کا بہ حیثیت قوم کے ان پر فرض عائد ہوتا تھا کہ اپنی تاریخ کی تنقید اور تنقیح کریں اور عوام کے سامنے صرف وہ واقعات پیش کریں جو درست ہیں۔

اور اپنی کوشش

اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے "سیرت الاخوین" یعنے سیرت حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما مرتب کی۔ اور سب سے پہلے میں نے ان دونوں خلیفوں کے سوانح کو ہی لکھنے کے لیے انتخاب کیا اگرچہ اصولی طور پر تاریخ لکھتے وقت سب سے پہلے کائنات کے محسن اعظم سید ولد آدم پیغمبر ثقلین حضرت محمد مصطفٰے علیہ الف الف تحیہ صلوٰۃ وسلاما کی سوانح حیات لکھنی چاہیئے تھی لیکن میرے خیال کے مطابق اردو زبان میں قاضی محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین ایک ایسی کتاب ہے کہ سیرت مصطفٰے میں اس سے بڑھ کر شاید اور کوئی کتاب نہ آسکے۔ مختصر لیکن جامع جس میں کوئی تاریخی پہلو تشنہ نہیں رہ گیا۔ اللہ تعالٰے انھیں امت کی طرف سے بہت بڑی جزائے خیر

عطا فرمائے۔ آمین

اس کے بعد شیخین کا مقام ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ اور ان کی زندگی بھی ایسی بے مثال ہے کہ اپنے تو اپنے یورپ کے مستشرقین یہود و نصاریٰ بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مسلمان کہلانے والے فرقوں میں سے اگرچہ ایک فرقہ ان کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان دونوں کا دور خلافت ایک مثالی دور ہے اور شاید دنیا پر ایسا مثالی حکمرانی کا دور نہ اس سے قبل کبھی آیا ہوگا اور شاید ان کے بعد بھی قیامت تک نہ آسکے۔

یہی وہ دور خلافت تھا جس کے متعلق رضا شاہ پہلوی نے کہا تھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو ایران تک پہنچا کر ایرانیوں کو مسلمان کر دیا جس کی وجہ سے انھیں برا کہا جاتا ہے۔

یہی وہ دور خلافت ہے جس کے متعلق مسٹر جناح صاحب نے کہا تھا کہ اگر تاریخ اسلام میں سے ان کے دور خلافت کو نکال دیا جائے تو تاریخ اسلام ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ اگر ان دونوں کی خلافت کا موازنہ حضرت علی کی خلافت سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کجا اسلام کو خطۂ عرب سے نکال کر چین سے بحر ظلمات تک پہنچانے لگے اور کجا یہ کہ تسلط بھی مکمل نہ ہوا بلکہ جتنی جگہ پر تسلط ہوا وہ بھی برقرار نہ رہ سکا اور کفار کو قتل کرنے کی بجائے کلمہ گو مسلمانوں کا اتنا قتل عام ہوا کہ اس سے قبل پچیس سالہ دور حکومت کے تمام مسلم شہداء اور کفار کے مقتول ملا کر بھی اتنے مقتول نہیں بنتے حالانکہ چین سے افریقہ تک کی تمام سرزمین میں اسلامی جنگیں ہوتی رہیں۔

ان بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے اور ایسے حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اسی لیے میں نے ان دو بزرگوں کی سوانح حیات لکھنے کے بجائے صرف وہ احادیث جو ان کے فضائل میں وارد ہیں اکٹھا کر کے فضائل الشیخین

باحادیث رسول الثقلین" لکھنے کا ارادہ کیا جس کی تکمیل مولانا محمد یوسف صاحب سنت پوری نے کی فجزاہم اللہ خیرا۔ اس میں بعض روایات ایسی بھی ہیں جو قابل استناد نہیں ہیں لیکن چونکہ شیعہ یا نیم شیعہ حضرات نے انھیں قبول کیا ہے اس لیے وہ ان کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں۔

میں نے سیرت نگاری کے لیے سب سے پہلے حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو منتخب اس لیے کیا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے سب سے زیادہ ان ہی دو خلیفوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ تو پڑھنے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ میں ان دونوں بزرگوں کی سوانح نگاری کا حق ادا کر سکا ہوں یا نہیں البتہ مختلف اخبارات میں جو تبصرے آئے ان میں جو بات مشترک ہے وہ ایک تبصرہ نگار کی زبانی ہی بیان کرتا ہوں۔

"حضرت عثمان غنی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد کی تاریخ بہت سے اہل قلم نے لکھی ہے۔ لیکن اکثر نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور صحابہ کرام کے مقام بلند کو ملحوظ نہیں رکھا۔ ہم نے یہ کتاب ڈرتے ڈرتے اٹھائی تھی لیکن یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ مؤلف نے نازک ترین مقامات پر بھی ادب سے قلم اٹھایا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے ہمارے خیال میں ختنین کی سیرت اور ان کے عہد کے حالات جاننے کے لیے یہ کتاب اس موضوع پر اردو زبان کی چند گنی چنی کتابوں میں شمار ہونے کے لائق ہے"

(رسالہ ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۷ فروری ۱۹۶۶ء)

الحمد للہ اہل سنت کا مسلک افراط و تفریط سے پاک ہے اسی لیے ان بزرگوں کے صحیح حالات کو افراط و تفریط سے پاک کرنے سے صحیح اسلامی تاریخ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

خلافت

خلافت کا معنی خلافت مصدر ہے اس کا مادہ خلف ہے اور اسی سے لفظ "خلیفہ" ہے۔ خلیفہ کا لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔ یہ نیابت خواہ سابق کی موت سے یا اس کے معزول ہونے سے ہو یا غیبت کی وجہ سے ہو یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے سے ہو (مفردات امام راغب)

خلافت کا قرآنی مفہوم قرآن کی زبان میں استخلاف فی الارض۔ وراثت ارضی، تمکن فی الارض اور ملوکیت ایک ہی معنے میں ہے۔ یعنی زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت جو کہ قرآن کے الفاظ میں ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت وسعادت کے لیے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ہو۔ وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ظلم و طغیان سے اس کی زمین کو پاک کرے اور عام امن وسکون اور راحت و طمانینت دنیا میں پھیل جائے۔

لغت کے اعتبار سے یہ اطلاق اس لیے ہوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد ہو وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں اللہ کی نیابت و قائم مقامی رکھتا تھا اس کے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی اور ہر خلیفہ سابق کا قائم مقام۔ ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور پھر ان کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ مرکزی حکومت آئی وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام تھے۔ اس لیے ان سے لے کر آج تک ان پر خلیفہ کا اطلاق ہو رہا ہے۔

چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں اسی خلافت کا ذکر ہے۔

ھوالذی جعلکم خلائف الارض (انعام آیت ۱۶۵)	اس ذات پاک نے ہی تم کو خلافت ارضی عنایت فرمائی۔
یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض (ص۔ آیت ۲۶)	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

اسی کو ملوکیت و مملکت فرمایا ہے۔

وشددنا ملکہ واتینہ الحکمۃ و فصل الخطاب (ص۔۲۰)	ہم نے داؤد کو مضبوط حکومت اور حکمت دی اور ان کو تفصیل سے بیان کرنا سکھایا۔

اسی حکومت کی حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

رب اغفرلی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی (ص۔۳۵)	اے اللہ مجھے بخش دے اور ایسی حکومت دے جو کسی دوسرے کے لائق نہ ہو۔

اسی کو تمکن فی الارض فرمایا ہے۔

وکذلک مکنا لیوسف (یوسف:۵۶)	اسی طرح ہم نے یوسف کو مصر میں عظمت دی
الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (حج:۴۱)	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس آیت میں خلافت کو ہی زمین کی حکومت فرمایا ہے۔ نیز نیک حکمران کی صفات بھی بیان کی ہیں کہ وہ صلوۃ وزکوۃ کے اسلامی نظام کو قائم کریں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اسی چیز کو دوسری آیت میں خلافت فرمایا ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض	جو تم میں سے ایمان دار اور صالح اعمال لوگ ہیں ان سے اللہ تعالے کا وعدہ ہے کہ وہ

کما استخلف الذین من قبلھم و	انہیں ضرور خلافت ارضی دے گا جس طرح
لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم	ان سے پہلوں کو دی گئی نیز ان کے دین کو
ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا	عظمت دے گا اس دین کو جس کو اللہ نے
یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا و من	ہی ان کے لیے پسند فرمایا اور خوف کی گھڑیاں
کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون	امن و خوشحالی سے بدل دی جائیں گی اور
(نور: ۵۵)	بے خوف و خطر صرف میری ہی عبادت کریں گے

شرک نہیں کریں گے پھر جو اس انعام کے بعد ناشکری کریں وہ نافرمان ہوں گے۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کے نزدیک جو چیز "خلافت" ہے وہ خلافت فی الارض یعنی زمین کی حکومت و تسلط ہے۔ پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اسے حاصل نہ ہو۔ وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جس کے لیے دلوں کا اعتقاد کافی ہو بلکہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے وعدوں کی طرح پورا فرمایا اور اس آیت کے نزول کے صرف آٹھ نو سال بعد جب داعیٔ اسلام اس دنیا سے تشریف لے گئے تو تمام جزیرہ عرب مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسلامی فوجیں مدینہ سے نکل رہی تھیں۔

بعض لوگوں نے ملوکیت اور خلافت کو الگ الگ بیان کیا ہے حالانکہ خلافت، ملوکیت، تمکن فی الارض ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا میں ان تمام حکمرانوں کو خلیفہ ہی کہا جاتا رہا۔ خواہ وہ کسی بھی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔

البتہ نیکی کے معیار کے مطابق ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ہر ایک کا مرتبہ الگ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو ان سے ملنے والے

قریب کے ہیں یعنی صحابہ کرام کا پھر ان کے قریب کا یعنی تابعین کا۔ تو گویا اس میں تو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہترین تھا کیونکہ ان کی راہنمائی خود اللہ تعالےٰ بذریعہ وحی فرما دیتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا زمانہ صحابہ کرام کا تھا جو کہ خلافت امیر معاویہ تک رہا یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ لوگوں کی حکمرانی کا زمانہ اور تیسرا دور آخری دور تابعین کا تھا یعنی ان حکمرانوں کا دور جنہوں نے آنحضرت کے صحبت یافتہ لوگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور یہ قریباً اموی دور خلافت میں ہی ختم ہو گیا تھا اور خلفائے عباسی میں اگرچہ انفرادی خوبیاں تھیں۔ لیکن اجتماعی خیر و برکت ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ ان کو کامل اقتدار حاصل ہی نہ ہو سکا۔ اس کے متعلق حدیث میں اشارہ موجود ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان فیغزو افئام من الناس فیقولون ھل فیکم من صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم ثم یاتی علی الناس زمان فیغزو افئام من الناس فیقال ھل فیکم من صاحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لھم (بخاری باب مناقب صحابہ)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلامی لشکر جنگ کریں گے تو پوچھیں گے کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہو تو کہیں گے ہاں تو ان کو فتح نصیب ہو گی پھر اس کے بعد ایسا بھی وقت آئے گا کہ اسلامی لشکر جنگ کریں گے تو پوچھیں گے کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اصحاب رسول اللہ کا صحبت یافتہ ہو تو کہیں گے ہاں تو ان کو فتح نصیب ہو گی

یہ صحابہ کرام کی فضیلت ہے کہ اسلامی لشکر اصحاب رسول اللہ کو تبرکاً ساتھ رکھیں گے تاکہ فتح نصیب ہو بلکہ صحابہ کے بعد ان کو بھی ساتھ رکھیں گے جنہوں نے صحابہ کرام سے فیض صحبت حاصل کیا تو بھی فتح نصیب ہو گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اموی دور خلافت میں تمام جنگوں میں صحابہ کرام اور اس

کے بعد تابعین عظام لشکروں میں ساتھ رہتے تو فتوحات کا دور دورہ رہا حتی کہ اموی خلافت ہند و چین سے لے کر اقصی مغرب افریقہ تک اور یورپ کے بعض حصوں بلکہ مہذب یورپ پر بھی اسلامی خلافت کا علم لہراتا رہا۔ لیکن عباسی دور خلافت آتے ہی یورپ اور افریقہ کے بعض حصے کٹ گئے اور بنو امیہ کے بعد آج تک کسی خلافت میں ایک انچ زمین بھی فتح نہ ہو سکی۔ بلکہ آخری دور خلافت عباسی کا بالکل مسیحیت کے پوپ کی طرح محض اعتقادی معاملہ رہ گیا تھا۔ حکمران جو چاہے کر گذرے اور خلیفہ صاحب ان کے پیچھے پیچھے قلمدان خلافت اٹھائے پھرتے۔

جس طرح ہمارے سنی بھائیوں نے ملوکیت کو خلافت سے راشدین الگ محض اس واسطے کیا کہ اس زبردست اسلامی حکومت کی تذلیل کی جائے جس کے ساتھ ہی صحابہ کرام سے جو فیض و برکت حاصل ہوتا تھا اس کا بھی انکار کر دیا جائے بالکل اسی طرح ہمارے سنی بھائیوں نے یعنی اپنوں نے ہی خلافت کی تقسیم کر کے راشدہ اور غیر راشدہ بنا دی۔ حالانکہ صحابہ کرام کا تمام دور رشد و ہدایت کا دور تھا۔ اس میں اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آتا ہے تو اسی میں ہی اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ فارسی حکومت کو ملیا میٹ کرنے والے عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اسی میں آتے ہیں اور جن کے متعلق آپ نے خوش ہو کر فرمایا ناس من امتی عرضوا علی غزاۃ فی سبیل اللہ یرکبون ثبج ھذا البحر ملوک علی الاسرۃ کہ مجھے میری امت کے لوگ دکھائے گئے جو سمندر کے سینہ پر جہازوں میں سوار ہیں جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہیں"۔ ہم ان لوگوں کو رشد و ہدایت کے دور سے کیسے نکال سکتے ہیں؟

۱؎ بخاری شریف "باب الدعا بالجہاد للرجال والنساء" اور "باب من یصرع فی سبیل اللہ" میں بھی یہ حدیث مفصل اس طرح آتی ہے۔

عن انس بن مالک عن خالتہ ام حرام — حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)

بنت ملحان قالت نام النبي صلى الله
عليه وسلم يوما قريبا مني ثم استيقظ
يتبسم فقلت ما اضحكك قال اناس
من امتي عرضوا على يركبون هذا البحر
الاخضر كالملوك على الاسرة قالت
فادع الله ان يجعلني منهم فدعا لها
ثم نام الثانية ففعل مثلها فقالت
مثل قولها فاجابها مثلها فقالت
ادع الله ان يجعلني منهم فقال انت
من الاولين فخرجت مع زوجها عبادة
بن الصامت اول ما ركب البحر مع
معوية فلما انصرفوا من غزوهم
قافلين فنزلوا الشام فقربت اليها
دابة لتركبها فصرعتها فماتت۔

صلی اللہ علیہ وسلم میری خالہ ام حرام کے گھر
ان کے قریب ہی آرام فرما رہے تھے کہ آپ
بیدار ہوئے اور تبسم فرما رہے تھے ام حرام
نے کہا حضرت کیا بات ہے آپ خوش ہو رہے
ہیں فرمایا مجھے دکھایا گیا ہے کہ میری امت
کے مجاہدین سمندر پر سوار ہیں جیسے بادشاہ
تختوں پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اس نے کہا
دعا فرمایئے کہ میں بھی ان سے ہوں آپ نے
دعا فرمائی پھر سو گئے اور اسی طرح خوشی سے
بیدار ہوئے اور پہلے کی طرح ہی فرمایا تو ام
حرام نے کہا میرے لیے دعا فرمایئے میں ان سے
ہوں تو آپ نے فرمایا تو پہلے لشکر میں سے ہے
پھر جب پہلا سمندری لشکر امیر معاویہ کی قیادت
میں نکلا تو ام حرام اپنے خاوند عبادہ بن صامت
کے اس لشکر میں تھی۔ جب جنگ سے واپس آئے تو شام میں قیام کیا تو سواری
کا جانور سواری کے لیے پیش کیا گیا جس سے گر کر فوت ہو گئیں۔

دوسری جگہ بخاری "باب ما قیل فی قتال الروم" میں اس طرح وارد ہے۔

قال عمير فحدثتنا ام حرام انها سمعت
النبي صلى الله عليه وسلم يقول اول
جيش من امتي يغزون البحر قد اوجبوا
قالت ام حرام قلت يا رسول الله انا
فيهم قال انت فيهم ثم قال النبي صلى الله

عمیر کہتے ہیں کہ ام حرام نے بیان کیا کہ اس نے
خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا
فرماتے تھے میری امت کا سب سے پہلا لشکر
جو سمندری جنگ کریں گے ان پر جنت واجب
ہو چکی ہے ام حرام کہتی ہیں یا رسول اللہ میں

(بقیہ برصفحہ ۲۹)

خدا کی قدرت ہمارے سنی کہلانے والوں نے ہی امیر معاویہ کو تو دورِ رُشد و ہدایت سے نکال دیا اور انہی کے جانشینوں میں سے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کو خلفائے راشدین میں شمار کر لیا حالانکہ یہی عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد ہونے کے باوجود امیر معاویہ صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رشد کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

امام اعمش بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے کچھ لوگوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عدل و انصاف کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کاش تم حضرت معاویہؓ کا زمانہ پاتے تو پھر ان کے عدل و انصاف کو دیکھتے۔ اسی طرح ابو اسحاق سبیعی نے کہا ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت معاویہ کے متعلق کہا کہ اگر تم معاویہؓ کے دور حکومت کو پاتے تو بے اختیار پکار اٹھتے کہ یہی مہدی ہے (منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۳)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "وہ عمدہ سیرت کے مالک۔ انتہائی درگذر کرنے والے پردہ پوش شخص تھے۔ جہاد جاری کیا اور اللہ کا کلمہ بلند رکھا۔ اطراف واکناف سے غنائم کی ریل پیل تھی مسلمان ان کے سایہ میں راحت و عدل، عفو و درگذر کی زندگی بسر کرتے رہے" والبدایہ والنہایہ ص ۱۱۹ ج ۸ ۱۲۶)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "حسن سیرت، عدل و انصاف اور نیک سلوک میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸)

علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یارسول اللہ قال لا۔ ان سے یوں فرمایا تو ان سے ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے میں نے کہا یارسول اللہ میں ان سے ہوں فرمایا نہیں۔

گویا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں جن کو خود رسول اللہ نے جنت کی بشارت دی ہے اور قسطنطنیہ پر جو لشکر گیا اس کا قائد یزید تھا جس کے پرچم تلے بڑے بڑے صحابہ کرام نے جنگ کی اس بشارت کے مطابق اس کی خدا کے ہاں بخشش ہو گئی ہے جس کی بشارت بھی خود رسول اللہ نے بیان فرمائی ہے ۱۲ (مرتب)

بکثرت حضرت معاویہؓ کے فضائل ہیں" ـــــــ آگے فرماتے ہیں مسلمانوں کی پوری تاریخ امیر معاویہ سے بہتر کوئی حکمران پیدا نہیں کر سکی۔ (منہاج السنۃ ص ۱۸۵/۳ و ص ۱۸۶/۳)

علامہ محب الدین خطیب مصری العواصم من القواصم کے تعلیقات ص ۲۰۷ تا ص ۲۱۰ میں حضرت امیر معاویہ کی حکمرانی کی تعریف بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں ہم طلباء کی ایک مجلس میں امیر معاویہ کی سیرت اور ان کی خلافت کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ یہ سلطان عبد الحمید کی خلافت کا دور تھا۔ بحث کے دوران میرا ایک شیعہ دوست اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ تم اس سلطان (عبد الحمید) کو بلا جھجک خلیفہ کہتے ہو اور میں باوجود شیعہ ہونے کے اعلان کرتا ہوں کہ یزید اپنی پاکیزہ سیرت اور شرع محمدی کی متابعت کے لحاظ سے ہمارے موجودہ خلیفہ سے زیادہ خلیفہ کہلائے جانے کا مستحق و مصداق ہے اور تم اس کے باپ معاویہؓ کے متعلق اس قسم کی بحث کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ما رأیت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ کہ میں نے کسی کو بھی معاویہؓ سے زیادہ حکمرانی کے لائق نہیں پایا اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں ما رأیت اسود من معاویۃ میں نے معاویہ سے زیادہ کسی کو سرداری کے لائق نہ پایا۔ سننے والے نے کہا کہ حضرت عمر سے بھی؟ تو فرمایا کہ حضرت عمرؓ ان سے افضل تھے لیکن معاویہ سرداری میں بڑھ کر تھے"!

(البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵/۸)

یہ وہی امیر معاویہ ہیں جن کے متعلق خود حضرت علی فرماتے ہیں جبکہ انہیں کہا گیا کہ حضرت حسن کو خلیفہ مقرر فرما دیں تو فرمایا ان یرد اللہ بالناس خیرا فیجمعھم بعدی علی خیرھم (رواہ حاکم بحوالہ ازالۃ الخفاء ص ۵۵) اگر اللہ تعالے کو اس امت کی بہتری مقصود ہو گی تو جو بھی ان میں سے بہتر ہو گا اس پر تمام امت کا اجتماع کر دے گا اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ حضرت حسن امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور تمام امت امیر معاویہ کی خلافت پر مجتمع ہو گئی اور تمام لوگوں نے خوشیاں منائیں

حتیٰ کہ اس سال کا نام ہی "عام الجماعۃ" یعنی امت کے اختلاف و افتراق ختم ہونے کا سال پڑ گیا۔ گویا حضرت علی کی نظر میں بھی اس دور میں بہتر امیر معاویہ ہی تھے۔

بلکہ قرآن نے تمام صحابہ کرام کو راشدون کہا ہے

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان اولئک ھم الراشدون۔ فضلا من اللہ و نعمۃ واللہ علیم حکیم (حجرات)	اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور تمہارے دل ایمان سے مزین کر دیے اور کفر فسق اور نافرمانی سے تمہارے دل متنفر کر دیے یہ لوگ ہی دراصل راشدون ہیں یہ اللہ کا فضل اور اس کا انعام ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اب حیرانگی تو یہ ہے کہ قرآن تو صحابہ کرام کو راشدون کہہ رہا ہے اور ہمارے ہی سنی بھائی امیر معاویہ کو صحابی ہونے کے باوجود رشد و ہدایت سے دور کر رہے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی اے اللہ معاویہ کو ہدایت یافتہ اور لوگوں کو ہدایت دینے والا بنا دے (ترمذی مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۴۷/۸)

اللہ تعالےٰ کی وسیع رحمت و رشد کو تنگ کرنے والوں کو اللہ ہدایت دے۔

مراتب درجات

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ صحابہ کرام تمام راشدون ہیں اور امیر معاویہ بھی ان راشدون میں سے ہی ہیں۔ اس کے بعد ثم الذین یلونھم کا مرتبہ ہے لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ سکے کہ امیر معاویہ کا مرتبہ ابوبکر صدیق یا عمر فاروق کے برابر ہے۔ یہ مراتب حسب حکم صاحب وحی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلا مرتبہ امت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اس کے بعد حضرت عمر فاروق کا۔ چنانچہ صحابہ کرام میں ان درجات کی نشاندہی اس طرح ہے۔

عن ابن عمر قال کنا فی زمن النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا	عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر کے

ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینہم (بخاری مناقب ابوبکرؓ مناقب عثمانؓ)

برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اس کے بعد عمر کو اس کے بعد عثمان کو اس کے بعد تمام صحابہ کو ایک جیسا سمجھتے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔

تقابل ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت عمر فاروق بہترین جرنیل مدبر اور بہترین حاکم تھے لیکن جہاں مقابلہ حضرت صدیق سے ہوگا تو بلند مقام حضرت صدیق کا ہی نظر آئے گا۔ کیونکہ یہ مراتب صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی قرب کی بنا پر تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی اپنی کوئی جائیداد نہیں بنائی تھی پیغمبر کی زندگی دنیا کے لیے ہوتی ہی نہیں بلکہ صرف لوگوں کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے اور تمام زندگی فقر و فاقہ میں گذار دی۔ اسی طرح سب سے زیادہ قربانی کرنے والے حضرت ابوبکر ہی تھے جب آنحضرت نے جنگ تبوک کے لیے مال طلب کیا تو حضرت عمر فاروق کہتے ہیں میں نے خیال کیا کہ آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا۔ کیونکہ آج میں ان سے زیادہ مالدار ہوں اور میں آج تک ابوبکر سے کسی بھی نیکی میں آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ما ابقیت لاھلك یا ابابکر کہ اے ابوبکر گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو تو کہا یا حضرت گھر پر کوئی چیز نہیں چھوڑی سب کچھ آپ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا ہے تو حضرت عمر فاروق کہنے لگے اے ابوبکر تجھ سے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ مناقب ابوبکر)

حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے اور کہا یا حضرت میرے اور عمر کے درمیان کچھ تنازع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے عمر کو کچھ سخت سست کہا پھر میں جلد ہی نادم ہوا اور عمر کے پاس معذرت کرنے گیا لیکن عمر مانتے نہیں ہیں اب میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں (تاکہ آپ اسے سمجھائیں) آپ نے تین مرتبہ فرمایا ابوبکر اللہ تجھے معاف کرے گا اتنے میں حضرت عمر بھی نادم ہو کر ابوبکر کے پیچھے آ گئے۔ محسوس

کیا کہ میں نے ابوبکر کی معذرت نہ قبول کر کے ابوبکر کو دکھ دیا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے وہ گھر نہیں تھے۔ تب مسجد میں آئے تو رسول اللہ کے پاس نبی ہیں سلام عرض کی تو رسول اللہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ ابوبکرؓ ڈرے کہ کہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عمر پر ناراض نہ ہو جائیں چنانچہ ابوبکر دو زانو ہو کر آنحضرت کے سامنے التجا کرنے لگے یا حضرت قصور میرا تھا (عمر کا قصور نہیں تھا) تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو پیغمبری دے کر مبعوث فرمایا تو تم سب نے میری تکذیب کی لیکن ابوبکر نے کہا آپ نے سچ فرمایا ہے (اسی دن سے اللہ تعالے نے ان کے لیے صدیق کا لقب آسمان سے نازل فرمادیا) اور ابوبکر نے میری ہر طرح مال سے جان سے خدمت کی کیا تم میری وجہ سے بھی ابوبکر کو دکھ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر کو کسی نے کبھی نہیں ستایا (بخاری باب فضل ابی بکر بعد النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالے نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہنا پسند کرے چاہے اس کے پاس چلا جائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا ہم نے تعجب کیا کہ ابوبکر کے رونے کی وجہ کیا ہے رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق جسے اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ہی تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ ہی ہم سب صحابہ سے زیادہ عالم تھے جو اس بات کو سمجھ گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تب فرمایا کہ مجھ پر سب لوگوں سے زیادہ احسان[3] ابوبکر کے ہیں سب لوگوں سے زیادہ ہیں

---

[1] یہ ہے شان رحماء بینھم کی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ۱۲

[2] اس کے لیے دیکھیے ہماری کتاب فضائل الشیخین قیمت ۱۰ روپیے

[3] اسی لیے رسول اللہ بھی سب سے زیادہ محبت حضرت صدیق سے کرتے تھے۔ (صحیح بخاری مناقب ابوبکر) میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ سے پوچھا ای الناس احب الیک قال عائشۃ فقلت من الرجال فقال ابوھا قلت ثم من قال عمر بن الخطاب فعد رجالا ۱۲

نے میرا ساتھ دیا اور سب لوگوں سے زیادہ اس نے مجھ پر مال خرچ کیا۔ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن یہ میرا اسلام کا بھائی ہے اور اس سے میری اسلام کی محبت ہے۔ ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد میں سے تمام دروازے بند کر دو۔ (بخاری باب سدّ الابواب)

یہی وہ مرتبہ تھا جس کے متعلق حضرت عمر فاروق فرماتے تھے کاش کہ میری ساری زندگی کے اعمال لے کر ابوبکر صرف ایک رات یا ایک دن کا ثواب دیدیں۔ رات وہ جو غار ثور میں ابوبکر نے رسول اللہ کے ساتھ گذاری اور دن جب آپ وفات فرما گئے۔ اور عرب مرتد ہونے شروع ہو گئے تو جس عزم سے ابوبکر نے مسلمانوں کی کشتی کو سنبھالا کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی۔ او کما قال (مشکوٰۃ مناقب ابوبکر)

اور جب رسول اللہ وفات پا گئے تو تمام صحابہ کے ہوش و حواس مختل ہو گئے۔ صرف ابوبکر ہی تھے جنہوں نے عوام کو سنبھالا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔[۱]

من کان یعبد محمدا فان محمد اقد	کہ جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت
مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ	کرتا تھا اس کے لیے واقعی افسوس ہے
حی لایموت۔ افان مات او قتل	کیونکہ اس کا خدا فوت ہو چکا ہے اور جو
انقلبتم علی اعقابکم۔	شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے

دین کو قبول کر کے انہی کے مشن پر چلتا ہے تو یقیناً اس دین کا بھیجنے والا اللہ تعالےٰ سدا زندہ ہے جس کو موت نہیں آتی ہے اس لیے اسے اللہ کے دین کو پھیلانے میں لگا رہنا چاہیئے۔ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء کی طرح وفات فرما جائیں یا شہید کر دیے

---

[۱] مکمل واقعہ بخاری شریف باب مناقب ابوبکر میں ہے جس کے آخری حصہ میں حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں بل نبایعك فانت سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم اے ابوبکر آپ سے بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم سے بہتر ہیں اور رسول اللہ کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے (فضائل ابوبکر کے لیے ہماری کتاب فضائل الشیخین ملاحظہ ہو قیمت ۶ روپے)

جائیں تو کیا تم اللہ کے دین کو چھوڑ کر پیغمبر کے مشن سے دستبردار ہو جاؤ گے"؟

یہ وہ دلائل ہیں جن کی روشنی میں رسول اللہ کے بعد امت میں سے سب سے افضل حضرت صدیق کا مرتبہ بیان کرنا حق بجانب ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ۔

عن ابی بکرۃ ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت وابوبکر فرجحت انت ووزن ابوبکر وعمر فرجح ابوبکر ووزن ابوبکر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستاء لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فساءہ ذلک فقال خلافۃ نبوۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشآء رواہ الترمذی وابوداؤد۔ مشکوۃ مناقب ابوبکر وعمر)

ابوبکرہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواب بیان کی کہ ایک میزان آسمان سے اترا ہیں آپ اور ابوبکر وزن کیے گئے تو آپ وزنی تھے پھر ابوبکر اور عمر وزن کیے گئے تو ابوبکر وزنی ہوئے پھر عمر و عثمان وزن کیے گئے تو عمر وزنی ہوئے پھر میزان اٹھا لیا گیا یہ بات آپ کو ناگوار گذری پھر فرمایا اس سے خلافت نبوت مراد ہے اس کے بعد حکومت ہوگی جسے اللہ چاہے گا دے دے گا۔

بخاری شریف مناقب ابوبکر میں یہ روایت بھی ہے۔

عن محمد بن الحنفیۃ قال قلت لابی ای الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال ثم عمر وخشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الا رجل من المسلمین۔

محمد بن حنفیہ اپنے باپ حضرت علی سے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے افضل کون ہیں۔ فرمایا ابوبکر پھر پوچھا ان کے بعد فرمایا عمر اور میں ڈرا کہ اس کے بعد حضرت عثمان کا نام نہ لے لیں میں نے کہا پھر تمہارا مرتبہ ہے۔ فرمایا۔ میں تو عام مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔

تقابل عمر و عثمان رضی اللہ عنہما

جس طرح حضرت ابوبکر و عمر کے مقابلہ میں بلند ترین مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی نظر آئے گا اسی طرح جب مقابلہ حضرت عمر و عثمان میں ہوگا تو حضرت عثمان کو حضرت عمر کی برابری حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جس طرح پیچھے گذر چکا ہے کہ سب سے زیادہ محبوب آدمیوں میں سے رسول اللہ کو حضرت ابوبکر تھے اور اس کے بعد حضرت عمر تھے۔ اسی طرح سخاوت اور زہد و تقویٰ میں بھی حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا ہی مقام ہے۔ چنانچہ مناقب عمر میں بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر کا جنازہ رکھا گیا تو لوگ اس کے گرد تھے اور ان کو دعائیں دے رہے تھے کہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کوئی شخص حضرت عمر کو دیکھنے کے لیے جھکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت علی تھے اور فرما رہے تھے اے عمر اللہ تجھ پر رحمتیں برسائے اب تیرے بعد کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کے اعمال پر میں رشک کروں اور اللہ کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالے تجھ کو تیرے دوسرے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ اور ابوبکر) سے ملا دے گا کیونکہ میں اکثر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا کہ تم دونوں کے نام اکٹھے لیا کرتے تھے فرماتے تھے گئے میں اور ابوبکر اور عمر اور آئے میں اور ابوبکر اور عمر نکلے میں اور ابوبکر اور عمر۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر سے زیادہ دین کے کاموں میں کوشش کرنے والا اور دین کے کاموں میں مال خرچ کرنے والا سخی اور کوئی نہیں دیکھا[1] (بخاری مناقب عمر)

---

[1] حضرت سعد فرماتے ہیں خدا کی قسم حضرت عمر کوئی ہم سے پہلے اسلام نہیں لائے۔ نہ ہی ہجرت کرنے میں ہم پر مقدم ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ کس وجہ سے وہ ہم سے افضل ہیں وہ ہم سب سے زیادہ دنیا سے بے تعلق ہیں (ازالۃ الخفاء ص ۱۶۷ ج ۱)

کاش کہ لوگ قصہ گو موّرخوں کے قصہ کہانیوں کی بجائے خالص کتاب و سنت کے

(باقی حاشیہ بر ص ۳۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) مفید یا دلائل سے پرکھنے کے عادی ہو جائیں۔ خلافت راشدہ کا لفظ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر امیر معاویہ بلکہ یزید اور مروان تک بولا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن نے تمام صحابہ کو راشدون کہا ہے جن میں حسن اور حسین اور مروان رضی اللہ عنہم نیز عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس بھی صغار صحابہ کرام میں سے ہیں جن کو صغر سنی میں آنحضرت کی زیارت ہوئی ہے۔ اس لیے راشدہ کا لفظ تو خلافت مروان تک بولا جا سکتا ہے۔ البتہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا لفظ پہلے تین خلیفوں پر ہی بولا جا سکتا ہے۔ کیونکہ گذشتہ صفحہ کی حدیث جو ترمذی ابوداؤد مناقب ابوبکر میں آئی ہے کہ ایک آدمی نے خواب میں ایک میزان دیکھا جس میں رسول اللہ اور ابوبکر وزن کیے گئے تو رسول اللہ وزنی ہوئے پھر ابوبکر و عمر وزن کیے گئے تو ابوبکر وزنی ہوئے پھر عمر و عثمان وزن کیے گئے تو حضرت عمر وزنی ہوئے۔ پھر میزان اٹھالی گئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر میں فرمایا ذلک خلافۃ نبوۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشاء کہ یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد صرف حکمرانی رہ جائے گی۔

اس کی تائید اور بھی روایات سے ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ صرف حضرت عثمان تک ہی رہی اس کے بعد حکمرانی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے بلکہ وہ بھی راشدون میں سے تھے اور خلافت نبوت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بالکل بے رغبتی رہے۔ کیونکہ انبیاء صرف دین کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں انہوں نے کبھی مال و دولت اکٹھی نہیں کی اور جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ چند ضروریات زندگی کے علاوہ ان کے پاس کوئی روپیہ پیسہ سونا چاندی نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ زہد و ورع کے قریب تر صرف حضرت ابوبکر ہی تھے اس کے بعد حضرت عمر فاروق تھے جن کے لیے دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق تمام مال و متاع آنحضرت کے قدموں پر نچھاور کر آئے تھے اسی طرح موجودہ حاشیہ میں حضرت سعد کے ارشاد کے مطابق کہ حضرت عمر ہم سے اس لیے

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۸)

اور حضرت عمر اسلام کی ترقی کی تو زندہ مثال تھے جس کے آج دشمن بھی معترف ہیں کہ اگر ایک عمر اور ہوتا تو آج دنیا پر اسلام کے علاوہ اور کوئی مذہب نہ ہوتا چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد سے آج تک ہم غالب ہی رہے (بخاری شریف مناقب عمر)

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی یہی فرمائی تھی اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمر بن ھشام۔ اے اللہ اسلام کو غلبہ دے عمر بن خطاب کے ساتھ یا عمر بن ہشام (ابوجہل) کے ساتھ۔ تو دوسرے دن حضرت عمر نے اسلام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷) افضل ہیں کہ وہ سب سے زیادہ دنیا سے بے تعلق ہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان جب شہید ہوئے تو ان کے پاس صرف حج کی دو اونٹنیوں کے علاوہ کوئی چیز نہ رہ گئی تھی۔ کجا عثمان "غنی" اور کجا یہ سخاوت و زہد کہ پاس کچھ نہ رہنے دیا اور ان تین خلیفوں کے بعد خلفاء میں وہ زہد و ورع نظر نہیں آتا جو پہلوں میں تھا اور جوں جوں دنیا سے بے تعلقی کم ہوئی توں توں عوام کا سکون و چین بھی ختم ہوتا گیا۔ جسے بالآخر تلوار کے دبدبہ سے پورا کیا گیا اور اسی کا نام ملوکیت ہے یعنی عوام خلوص و محبت اور والہانہ عشق سے جس اسلام کو قبول کرتے وہی اسلام بزور حکومت منوانا پڑتا۔ کجا آنحضرت کے زمانہ میں تقاضائے بشریت کی وجہ سے اگر کوئی شخص زنا کا بھی مرتکب ہولیے تو وہ خود آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ یا حضرت میرے دامن پر بدنما داغ ہے اسے دھلانا چاہتا ہوں اور کجا لوگوں کو سیدھا رکھنے کے لیے حکمرانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو گویا خلافت دلوں پر حکمرانی کا نام ہے۔ اور ملوکیت جسموں پر حکمرانی کا نام ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ملوکیت کوئی بری چیز ہے کہ جس کے پلے میں ملوکیت پڑ گئی اس کا اسلام بھی خطرے میں پڑ گیا یا وہ مسلمان نہیں رہا۔ ۱۲

قبول کر لیا۔

بخاری ہی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب ہے تو آپ نے فرمایا تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے کہا میرے پاس تو اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے کہ میں صرف اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا پھر تو انہی کے ساتھ ہو گا جن سے محبت کرتا ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ آنحضرت کا یہ ارشاد سن کر ہم اتنے خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت انس فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کی محبت کی وجہ سے میں بھی ان کے ساتھ اٹھوں گا اگرچہ میرے عمل ان جیسے نہیں ہیں۔

یہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہی مقام تھا کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو تمام مسلمان ان سے خوش تھے۔ اگرچہ آج کے مسلمان کہلانے والے بعض لوگ شاید ان کا نام لینا بھی پسند نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ بخاری مناقب عمر میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر زخمی ہو گئے تو بہت بے قراری کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کہنے لگے یا امیر المومنین آپ کیوں گھبراتے ہیں جبکہ آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو وقت گزارا وہ بہت اچھا گزارا اور جب رسول اللہ اس دنیا سے جا رہے تھے تو وہ آپ پر راضی اور خوش تھے پھر اس کے بعد ابوبکر کے ساتھ بھی جو وقت گزارا وہ بہت اچھا گزارا اور جب وہ بھی فوت ہوئے تو آپ پر خوش تھے اس کے بعد آپ نے رعایا سے وقت گزارا تو وہ بھی اچھا گزارا اور اب جب کہ آپ ان سے جدا ہو رہے ہیں تو وہ بھی آپ سے خوش ہیں تو آپ کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت عمر فرمانے لگے کہ جو تو نے رسول اللہ کے ساتھ زندگی گزارنے اور ان کے خوش ہونے کا بیان کیا ہے تو وہ مجھ پر اللہ کا خاص احسان ہے اور جو تو نے

ابوبکر کے ساتھ شرمندگی گذار لینے اور ان کے خوش ہونے کا بیان کیا ہے تو وہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے۔ باقی رہا میرا گھبرانا تو وہ صرف تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہے یعنی تم جو اصحاب رسول اللہ اور قرابتدار ہو شاید تم سے مجھ جیسا برتاؤ نہ کریں۔

یہ ارشادات بالکل صاف اور واضح طور پر یہ چیز ثابت کر رہے ہیں کہ تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ مسلّم تھا۔

تقابل عثمان و علی رضی اللہ عنہما

اسی طرح سابقہ روایات میں بھی گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نزدیک تیسرا مقام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اگرچہ مسلمان کہلانے والوں میں سے ایک فرقہ حضرت علی کو پہلے تینوں خلیفوں پر فضیلت[1] دیتا ہے۔ لیکن جمہور امت اور اہل سنت کا متفقہ مسئلہ یہی ہے۔ صحابہ کرام میں تیسرا مقام حضرت عثمان کا ہی ہے۔

ویسے بھی جب ہم دلائل دیکھتے ہیں اور خصوصاً جب ان کی زندگیوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم پر یہی واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت کا مسلک ہی صحیح ہے چنانچہ جب حضرت عثمان ایمان لائے تو حضرت علی اس وقت ابھی بالکل ناسمجھ بچے تھے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدا کے لیے ہوئے ان سے جنت خرید رہے تھے یعنی جنگ تبوک کی تیاری میں ہزارہا کا مال نقدی اور اونٹوں کی صورت میں دے کر پورے لشکر کی تیاری کا بار اٹھایا اور اپنے ذاتی مال سے بیر رومہ (وہ کنواں جو حضرت یہودیوں کی اجارہ داری میں تھا) خرید کر وقف کر دیا کہ تمام مسلمان

---

[1] اس سے مراد زیدی شیعہ ہیں کیونکہ ان کے نزدیک خلفائے ثلاثہ کی خلافت برحق ہے وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی نے تینوں کی خلافت افضل ہونے کے باوجود قبول کر لی اور ان کے خلاف نہ خروج کیا نہ سرتابی کی بلکہ باقاعدہ ان کے ساتھ نمازوں میں بھی اقتدا کی تو ہم کیوں نہ قبول کر لیں ۱۲

اس سے پانی پئیں اور اپنے ذاتی مال سے مسجد نبوی میں توسیع فرمائی تو اس وقت حضرت علی بالکل تہی دست و تہی دامن تھے اور کچھ بھی خرچ کرنے کے لیے پاس نہ تھا۔ لیکن جب حضرت علی فوت ہو رہے ہیں تو اتنی جائداد کے مالک ہیں کہ چالیس ہزار درہم سالانہ صرف زکوٰۃ بنتی ہے۔

چنانچہ مسند احمد ص۱۵۹ میں خود حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ کے ساتھ بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج یہ حال ہے کہ میری چالیس ہزار درہم سالانہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو مالدار ہونے کی وجہ سے لوگوں میں غنی مشہور تھے جب وفات کا وقت آتا ہے تو صرف دو اونٹنیاں ہیں اور کوئی مال نہیں رہا سب اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا ہے۔

چنانچہ البدایہ والنہایہ ص۱۲۷ میں ہے کہ جب باغی لوگوں نے اعتراض کیا کہ اے عثمان تو نے چراگاہ اپنے مال کے لیے مخصوص کر رکھی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب خلیفہ منتخب ہوا تھا تو مجھ سے زیادہ بکریوں اور اونٹوں والا اور کوئی نہ تھا اور آج میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جو صرف حج کی سواری کے لیے ایک اپنے لیے اور ایک غلام کے لیے رکھے ہیں اور میرے پاس کوئی جانور ہی نہیں مجھے چراگاہ کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ بیت المال کے اونٹ ضرور اس میں چرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت کی دامادی کا شرف حاصل ہے۔ تو حضرت عثمان کو دو مرتبہ یہ شرف حاصل ہوا جس کی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہا جانے لگا اور آپ کا یہ لقب آج تک مشہور ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت میں خونریزی سے اجتناب کیا حتی کہ آخر وقت میں صحابہ نے ملتجیانہ کہا کہ حضرت ہمیں تلوار اٹھانے کی اجازت فرمایئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور میرے لیے تلوار مت اٹھاؤ۔ چنانچہ حضرت علی نے از خود یہ انتظام فرمایا تھا کہ حسن و حسین کو

پہرہ دینے کے لیے دروازہ پر بھیج دیا تھا۔ دوسری طرف حضرت علی کا دور خلافت سراسر خونریزی سے بھرا پڑا ہے اور خونریزی بھی مسلمانوں کی۔

حضرت عثمان کو کہا جاتا ہے کہ آپ شام چلے جائیے وہاں آپ کی مخالفت کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا لیکن آپ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے شہر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ بخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے تسلط کے لیے مدینہ سے باہر نکلے اور ایسے نکلے کہ پھر واپس آنا بھی نصیب نہ ہوا۔ اگر فتوحات کو دیکھتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور بے شمار فتوحات کا دور ہے۔ بلکہ اسلامی فتوحات کا رقبہ دوگنا سے بھی زیادہ ہوگیا۔ بخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور میں ایک انچ زمین بھی فتح نہ کرسکے نہ کفار سے جہاد کیا نہ کوئی علاقہ فتح ہوا۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میرا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا ہے حاشا وکلا یہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کی وضاحت ہے کہ تمام امت میں جو مسلک اہل سنت نے اختیار کیا ہے وہ ہی درست ہے۔ باقی رہی تنقیص تو ہمارا اہل سنت کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی صحابی کے متعلق یہ انکشاف ہو کہ فلاں صحابی رسول سے فلاں غلطی ہوئی تھی خواہ وہ اجتہادی ہو یا اختیاری تو اس کا تذکرہ اس طرح کرنا کہ اس صحابی کی توہین محسوس ہو تو یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت بطور وصیت ارشاد فرمایا تھا کہ خبردار میرے صحابہ کے معاملہ میں زبان درازی مت کرنا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے صحابہ کے ایک مٹھی بھر جو کے برابر تم نہیں پہنچ سکتے۔

میرا تو ایمان ہے کہ اللہ تعالے نے تمام صحابہ کو بخش دیا ہوا ہے خواہ اس سے کتنی بھی بڑی غلطی کیوں نہ ہوئی ہو اس لیے اب اس کو غلطی کہہ کر بیان بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے انہیں سب کچھ معاف ہو چکا ہے۔ چنانچہ حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے واقعات اس کے لیے کافی شاہد

ہیں۔ اب اگر کوئی کور باطن صحابہ کرام کے متعلق اپنے دل میں بغض و عناد رکھتا ہے تو وہ اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بھی بہ حیثیت صحابی ہونے کے یہ ہے کہ اگر کسی کو ان کی کوئی غلطی نظر آئے تو اسے نظر انداز کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمس النار مسلما رانی ورای من رانی رواہ الترمذی۔ مشکوۃ باب مناقب الصحابۃ۔

حضرت جابر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا ہے اسے آگ نہیں چھوئے گی اور جس نے میرے صحابہ کو دیکھا ہے اسے بھی آگ نہیں چھوئے گی۔

تقابل علی و معاویہ رضی اللہ عنہما

حکومت کے لینے کا سلسلہ بنو امیہ کی پرانی خاندانی وراثت تھا جو کہ ہاشمیوں یا

دوسرے قبائل میں اتنا نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں امویوں کو کلیدی اسامیوں پر مقرر فرما دیا جیسا کہ متعدد تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں[1]۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی خاندان کی ترقی مقصود نہ تھی۔ بلکہ اسلام کی ترقی مقصود تھی اس لیے جس کسی کو جس عہدہ کے لیے مناسب سمجھا اسے اس پر مقرر فرما دیا اور چونکہ حکمرانی کا سلسلہ بنو امیہ کو دیتے

---

[1] فتح مکہ پر رسول اللہ نے مکہ کی گورنری عتاب بن اسید اموی کو دی۔ حضرت ابوسفیان کو نجران کی گورنری دی۔ عثمان بن ابوالعاص کو طائف کا گورنر بنایا۔ یمن کی گورنری خالد بن سعید کو دی۔ عثمان بن سعید کو خیبر اور اس کے بھائی ابان بن سعید کو بحرین کی گورنری دی اور یزید بن ابی سفیان کو تیما کی گورنری دی یہ تمام اموی تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک بھی ہاشمی کو مستقل عہدہ نہیں دیا۔

کیا گیا تھا اس لیے آپ نے انہیں دے دیا۔ اس کا صحابہ کرام کو بھی اعتراف تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ سے بہتر کوئی سردار نہیں دیکھا کسی نے کہا ابوبکر و عمر سے بھی بہتر؟ فرمایا افضل ابوبکر اور عمر ہیں لیکن سیادت و قیادت میں امیر معاویہ اعلیٰ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیخین نے بھی امویوں کو ان کی لیاقت کے مطابق عہدے دیئے اور ان کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور شام پر امیر معاویہ اور اس کے خاندان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی مقرر فرمایا تھا۔

جس طرح بنو امیہ میں قائدانہ صلاحیتیں موجود تھیں اس جیسی بنو ہاشم میں نہ تھیں۔ نیز اہلسنت کے نزدیک حضرت علی کی خلافت کی کوئی دلیل یا نص[1] صریح بھی نہ تھی جس کا حضرت علی کو بھی اعتراف تھا چنانچہ بخاری شریف میں بھی اور مسند احمد میں بھی بحوالہ ازالۃ الخفا صنہ۱ موجود ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ رسول اللہ کے پاس سے تشریف لائے جبکہ آنحضرت بیمار تھے لوگوں نے پوچھا کہ آنحضرت کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا بحمداللہ اچھے ہیں حضرت عباس نے کہا تم کو معلوم نہیں میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی بیماری میں وفات فرمائیں گے کیونکہ میں عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے دیکھ کر موت کے آثار معلوم کر لیتا ہوں لہٰذا آؤ ہم تم دونوں رسول اللہ

---

[1] اگرچہ شیعہ حضرات خلافت علوی پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً انت منی بمنزلۃ ھارون بموسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل بھی شیعہ کے خلاف ہے نہ کہ موافق کیونکہ اس میں تو حضرت علی کو آپ نے فرمایا تھا کہ علی تو خلافت کے جھنجھٹ میں نہ پڑنا کیونکہ ہارون نبی ہونے کے باوجود خلافت کو نہ نباہ سکے اور تم تو نبی بھی نہیں البتہ تیرا میرا رشتہ وہی ہے کہ تو میرا بھائی ہے اور تجھے یہ قرابت ہی کافی ہے اور یہی دوسرے دلائل کا حال ہے تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری کتاب سیرت الاخوین قیمت ۵ روپے۔

کے پاس چلیں اور آپ سے کہیں کہ خلافت ہم میں ہونے والی ہو تو ارشاد فرمادیں۔ حضرت علی نے آپ کے پاس جاکر کہنے سے انکار کر دیا فرمایا کہ اگر آپ نے خلافت اور لوگوں میں بیان کردی تو پھر لوگ ہمیں کبھی بھی خلافت نہیں دینگے۔

یعنی اگر رسول اللہ نے یہ فرمادیا کہ تم خلیفہ نہیں تو اس کے بعد کبھی بھی ہمیں کوئی خلافت کا موقع نہیں دیگا اس لیے حضرت علی نے جاکر نہیں پوچھا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے کوئی بات خلافت کے متعلق نہیں کہی ہوئی تھی یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ بنی ہاشم کو کوئی خلافت کے متعلق وصیت وغیرہ فرمائی تھی اور نہ ہی عملاً انہیں کوئی گورنری کا عہدہ دے رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امیر معاویہ حضرت علیؓ سے افضل تھے بلکہ افضلیت حضرت علی ہی کی تھی کیونکہ اہل سنت کا متفقہ مسئلہ یہ ہے کہ امت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں اس کے بعد حضرت عمر ہیں اس کے بعد حضرت عثمان ہیں اس کے بعد وہ لوگ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں اس کے بعد وہ لوگ جو جنگ حدیبیہ میں شریک ہوئے ہیں اس کے بعد عام صحابہ کرام تو حضرت علی بدری صحابی ہیں اولین سابقین صحابہ میں سے ہیں اور امیر معاویہ ۸ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مسلمان ہوئے یعنی حدیبیہ کے ایک سال بعد اسلام قبول کیا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا (البدایہ والنہایہ ص۲۱/۸ و ص۱۱۸ اور الاصابہ ص۴۳۳/۳) اس لیے حضرت علی امیر معاویہ سے بہرحال افضل تھے۔ اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے

خلافت خاصہ | خلافت خاصہ، خلافت نبوت، خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تینوں ایک ہی خلافت کے نام ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نص صریح سے یا اشارۃً جس خلافت نبوت کی خبر دی ہے وہ خلافت صرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس خلافت کو نبوت کا جزء شمار کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالے نے جو

وعدے فرمائے گئے تھے لیظہرہ علی الدین کلہ کہ اللہ تعالے نے تمہیں یہ دین اسلام اس لیے دیا ہے کہ تمام دینوں پر اسے غالب کر دے۔ بخاری شریف میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ مجھے روئے زمین کے خزانے دیئے گئے اور ان کی کنجیاں میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (بحوالہ ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۸) جنگ خندق کے واقعہ میں بھی آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے فارس، یمن اور شام کے خزانے دے دیئے گئے ہیں ( ) تو یہ تمام بشارات جو رسول اللہ کو دی گئی تھیں ان کی تکمیل خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر ہوئی۔ اس لیے شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کے صفحہ ۱۲۰ سے لے کر کئی صفحات میں یہ بیان واضح کیا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت خاصہ نبوت ہی کا حصہ ہے۔ اس خلافت کے متعلق آنحضرت نے بہت واضح الفاظ میں بشارات دی تھیں۔ جو کہ ازالۃ الخفاء کے صفحہ ۶ سے صفحہ ۳۱ تک درج ہیں مثلاً۔[۱۵]

۱:۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سو رہا تھا کہ اپنے آپ کو ایک کنوئیں کے پاس دیکھا میں نے اس سے کچھ پانی کے ڈول نکالے پھر مجھ سے ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر صدیق) نے لے لیا اور اس نے ایک دو ڈول نکالے لیکن ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ اس کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بڑا چرسہ بن گیا اور اس کو ابن خطاب نے لے لیا میں نے کسی زور مند آدمی کو اس طرح ڈول نکالتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح عمر نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگ خود بھی سیراب ہوئے۔ اور اونٹوں کو بھی سیراب کر لیا۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم اور اصحاب سنن نے بیان کیا ہے۔

---

[۱۵] نویں صدی کے مورخ علامہ تقی الدین المقریزی (۷۶۶ھ ۸۴۵ھ) اپنی تاریخ کی تیسری جلد جس کا نام انہوں نے "الدرر المضیہ فی تاریخ الدولۃ الاسلامیہ" کو شروع ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کیا اور خلافت عباسیہ کے خاتمہ تک کے حالات درج کیے ہیں گویا کہ ان کے نزدیک بھی خلافت خاصہ نبوت کا حصہ تھی اور وہ صرف خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر ختم ہو گئی۔ (تاریخ ابن خلدون)

۲:- ابن مردویہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میزان بھی اتارا گیا چنانچہ ایک پلے میں مجھے رکھا گیا اور دوسرے میں تمام امت رکھی گئی تو میرا پلہ وزنی نکلا۔ پھر میری جگہ ابوبکر کو امت کے ساتھ تولا گیا تو ابوبکر بھاری تھے پھر اس کے بعد عمر کو ان کی جگہ امت سے تولا گیا تو وہ امت سے بھاری نکلے۔ پھر ان کی جگہ عثمان کو ساری امت سے تولا گیا تو حضرت عثمان وزنی نکلے پھر ترازو اٹھا لیا گیا۔

۳:- ابوداؤد میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ سے خواب بیان کی اور اوپر والا سارا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا اس سے مراد خلافت نبوت ہے۔

۴:- ابوداؤد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نیک مرد نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ کے دامن سے لٹکائے گئے اور حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے لٹکائے گئے اور حضرت عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے لٹکائے گئے۔ جابر کہتے ہیں کہ وہ نیک مرد خود رسول اللہ تھے جنہوں نے یہ خواب دیکھا۔

۵:- حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک ابر کے ٹکڑے سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے۔ پھر آسمان سے ایک رسی لٹکی آپ نے پکڑ کر اوپر چڑھ گئے ہیں۔ پھر دوسرے شخص نے رسی پکڑی اور وہ بھی زور سے چڑھ گیا پھر تیسرا پھر چوتھے نے رسی پکڑی تو ٹوٹ گئی پھر جڑ گئی اور وہ بھی چڑھ گئے۔ اس کی تعبیر حضرت صدیق نے خلافت سے کی۔ یہ حدیث پوری تفصیل سے بخاری، مسلم اور اصحاب سنن نے بیان کی ہے۔

۶:- مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو آنحضرت نے ایک پتھر رکھا پھر اس کے ساتھ حضرت ابوبکر نے ایک پتھر رکھا اس کے ساتھ حضرت عمر نے ایک پتھر رکھا اس کے ساتھ حضرت عثمان نے ایک پتھر رکھا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہیں (مستدرک

حاکم عن سفینہ وعن عائشہ)

۷:۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ بنی مصطلق کے کچھ آدمی آئے تو انہوں نے پوچھا کہ اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آئے تو زکوٰۃ کس کو دیں فرمایا ابوبکر کو دینا پھر پوچھا اگر ان کو بھی موت آجائے تو پھر ہم کس کو زکوۃ دیں تو فرمایا عمر کو دینا پھر پوچھا تو فرمایا عثمان کو دینا۔

۸:۔ حضرت علی کی روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا تو جب حضرت عثمان پر موت آئے تو پھر کس کو دیں تو پھر فرمایا یہ دنیا پھر رہنے کے قابل نہ رہے گی پھر تمہیں بھی مر جانا چاہیئے

۹:۔ حضرت ابوہریرہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت مروی ہے۔

۱۰:۔ بخاری مسلم میں ایک روایت جبیر بن مطعم سے ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا کہ اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (یعنی آپ وفات فرما چکے ہوں) تو کس کے پاس جاؤں فرمایا ابوبکر کے پاس۔

اس جیسی سینکڑوں روایات ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں خلیفوں کی خلافت کی بشارتیں دی ہیں۔ صرف بطور مثال یہ روایات بیان کی ہیں۔ تفصیل کے لیے احادیث کی کتابوں میں سے کتاب المناقب پڑھو جن میں مفصل روایات ہیں کیونکہ یہاں صرف مجمل طور پر بیان کی گئی ہیں۔

خلافت خاصہ کے نبوت میں داخل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (ترمذی۔ مشکوٰۃ مناقب ابی بکر وعمر) اور دوسری روایت میں ہے علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین المھدیین یعنی اقتدا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ سنت الخلفاء الراشدین کو بھی ضروری قرار دیا حالانکہ ان کے علاوہ یہ مقام کسی کو امت میں نصیب نہیں ہوا۔ تو گویا خلافت خاصہ نبوت میں داخل ہے۔

خلافت خاصہ کی مدت و مقام

ابو داؤد۔ ترمذی بحوالہ مشکوۃ باب مناقب ابوبکر و عمر میں حدیث ہے۔

۱:۔ عن ابی بکرۃ ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت کان میزانا انزل من السماء فوزنت انت وابوبکر فرجحت انت ووزن ابوبکر و عمر فرجح ابوبکر ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستاء لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فساءہ ذلک۔ فقال خلافۃ نبوۃ ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء۔

ابو بکرہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا آسمان سے ایک ترازو اترا پس آپ اور ابوبکر وزن کیے گئے تو آپ وزنی تھے پھر ابوبکر اور عمر وزن کیے گئے تو ابوبکر بھاری تھے پھر عمر اور عثمان وزن کیے گئے تو عمر بھاری تھے۔ پھر میزان اٹھا لیا گیا۔ تو رسول اللہ کو یہ بات بری لگی (کہ خلافت خاصہ۔ جو نبوت کا حصہ ہے اتنا تھوڑا عرصہ رہے) پھر آپ نے فرمایا اس سے مراد خلافت نبوت ہے اس کے بعد بادشاہت ہوگی جس کو اللہ چاہے گا دے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت۔ خلافت نبوت ہے۔ یعنی یہ خلافت نبوت کا حصہ ہے۔

۲:۔ مسند ابو یعلی میں ابو عبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ یہ دین ابتداء میں نبوت و رحمت سے شروع ہوا۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ خلافت و رحمت ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد شل درندہ کے کاٹنے والی بادشاہت ہوگی پھر سرکشی و جبر ہو جائے گا اور امت میں فساد برپا ہو جائے گا۔ لوگ ریشم پہننا، شراب پینا، زنا کرنا، امت میں فساد کرنا حلال جانیں گے۔ اس کے باوجود کہ وہ قبیح افعال کریں گے کفار پر ان کو فتح دی جائے گی اور رزق پاتے رہیں گے (ازالۃ الخفاء ص۱ و ص۱۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے نبوت[1] اور رحمت ہوگی جو رسول اللہ کی زندگی سے

[1] یعنی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایام اور رحمت خلافت (باقی برصفحہ)

خلافت عثمانؓ تک ہے پھر خلافت[۱] و رحمت ہوگی جس میں بنی امیہ کی خلافت ہے یعنی حضرت امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز جیسی خلافت اس کے بعد ملک عضوض یعنے کاٹنے والی بادشاہت یعنی عباسی خلافت کیونکہ شروع میں خلفائے عباسی نے بہت قتل کیا حتی کہ بنوامیہ کی قبریں تک اکھاڑیں پھر اس کے بعد سرکشی و جبر ہوگا یعنے خلافت عباسیہ کا دوسرا دور جس میں خلیفہ مجبور و مقہور رہے گا۔ صرف بطور تبرک برائے نام خلافت تھی کام سارا دوسرے بادشاہوں کے ہاتھ ہوتا حتی کہ جب کوئی بادشاہ خلیفہ سے ناراض ہوتا تو اسے اتار کر دوسرا خلیفہ مقرر کر دیتا۔ یہ سرکشی و جبر کی حکومت ہوگی۔

۳: عن عبداللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تدور رحی الاسلام لخمس وثلاثین او ست وثلاثین او سبع وثلاثین فان یہلکو فسبیل من ہلک وان یقم لہم دینہم یقم لہم سبعین عاما قلت بما بقی او بما مضی قال مما مضی (رواہ ابو داؤد۔ مشکوۃ کتاب الفتن)

عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس برس چلے گی یعنی اسلام کا بول بالا رہے گا اس کے بعد اگر راستہ سے بھٹک کر ہلاک ہو گئے تو جو ایسے لوگوں کا انجام ہوتا ہے ہوگا اور اگر ان کے لیے دین قائم ہو گیا تو پھر ستر برس قائم رہے گا میں نے کہا کہ یا رسول اللہ گذشتہ زمانہ ملا کر یا آئندہ کے ستر برس فرمایا آئندہ کے ستر برس۔

۴: حاکم نے مختلف سندوں سے یہ حدیث بیان کی ہے اس میں حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ گذشتہ زمانہ ملا کر یا آئندہ زمانہ فرمایا آئندہ زمانہ کے ستر برس (ازالۃ الخفاء ص۶۲ ج۱)

(بقیہ حاشیہ ص۴۹) خاصہ کی فراوانی عدل و مال کا نام ہوا ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یعنی بنوامیہ کی فتوحات اور ملکی انتظامات میں عدل و انصاف اور امن و آسائش کا ہوتا ۱۲

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خلافت خاصہ جو نبوت کا حصہ ہے اس کی مدت یعنی اسلام کا دور دورہ دہ ہجرت سے لے کر ۳۵ یا ۳۶ یا ۳۷ سال رہے گا اور دس سال زمانہ نبوت نکال دینے سے باقی ۲۵ سال رہ جاتا ہے جو کہ حضرت عثمان کی خلافت پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد دوسرا دور جو ستر سال دین کے قیام کی مدت ہے وہ اموی دور ہے۔

۵ :۔ سفینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد بادشاہت[1] ہو گی (ازالۃ الخفاء ص۲۹ و مشکوٰۃ ص۷۶ کتاب الفتن)

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حدیث اوپر کی حدیث سے متصادم ہے کیونکہ تیس سال خلافت تب بنتی ہے اگر حضرت علی کی خلافت ملائی جائے اور اگر حضرت علی کی خلافت نکال دی جائے تو اوپر کی حدیث کے مطابق پچیس سال خلافت نبوت رہ جاتی ہے اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اگرچہ مکمل تسلط نہ ہوا اور نظام[2] خلافت قائم نہ ہو سکا تو اس طرح اس کو نکال دینے سے پچیس سال رہ جاتی ہے۔

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے اس کا راوی حشرج بن نباتہ کوفی باتفاق محدثین کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے لا یحتج بہ منکر الحدیث ہے اس نے بروایت سعید بن جمہان بصری سے کی ہے جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور انہوں نے حضرت سفینہ سے روایت کی ہے جن کا انتقال ۷۰ھ میں ہوا ہے گویا کہ ان کے سنین وفات میں ۶۶ برس کا فرق ہے جس کی وجہ سے ملاقات بعید از قیاس ہے۔ جیسے کہ حضرت سفینہ مدنی ہیں۔ مدینہ ہی میں وفات پائی اس لیے سعید نے ان سے حدیث کب سنی کیونکہ سنی کہاں سنی۔ بہرحال حدیث ضعیف و منقطع ہونے کے باوجود اس کا صحیح مطلب واضح کر دیا ہے ۱۲

[2] شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء ص۱۵ میں ایک حدیث کا استنباط ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت علی کی خلافت پر کوئی نص نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت علی کی خلافت (باقی بر ص۵۲)

اور اگر حضرت علی رضؓ کی خلافت کو شامل کر لیا جائے جو کہ دراصل خلافت عثمان کا ہی حصہ تھی۔ کیونکہ شامی لوگ تو لیتے آپ کو ابھی تک خلافت عثمان کے عبوری دور میں سمجھ رہے تھے ان کا مطالبہ تھا کہ قاتلان عثمان کو قتل کر دو تاکہ وہ لوگ جو ابھی تک کنارہ کشی میں ہیں اور آپ سے بیعت نہیں کر رہے وہ بھی بیعت کر لیں اور جب تمام اہل حل و عقد بیعت کر لیں گے تو پھر ہمیں جو حکم ہو گا ہم مانیں گے

۶:۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھلائی کے متعلق پوچھتے تھے اور میں (شر) فتنوں کے متعلق پوچھتا تھا کہ کہیں مجھے کوئی شر نہ پہنچ جائے میں نے کہا یا رسول اللہ ہم جاہلیت اور شر میں تھے پس اللہ تعالےٰ نے ہمیں خیر (اسلام) دیدیا کیا اس خیر کے بعد شر بھی ہو گا فرمایا ہاں۔ پھر میں نے کہا کیا پھر اس کے بعد بھی خیر ہو گا فرمایا ہاں ہو گا لیکن اس میں کدورت ہو گی کہ لوگ میرے طریقے اور ہدایت کے خلاف چلیں گے پھر پوچھا اس بھلائی (خیر) کے بعد بھی شر ہو گا فرمایا ہاں جہنم کے دروازے پر بلانے والے ہوں گے جو ان کی سنے گا وہ اسے دوزخ میں دھکیل دینگے میں نے کہا یا حضرت ہمارے لیے ان کا حلیہ بیان کر دیں فرمایا تمہاری طرح کے ہی تمہاری بولی بولنے والے ہی ہوں گے۔ میں نے کہا پھر کیا کرنا چاہیئے فرمایا جماعت سے وابستہ رہ اور امام کی اطاعت کر میں نے کہا کہ اگر جماعت اور امام نہ ہو تو فرمایا ان سب فرقوں سے الگ رہنا اگرچہ درخت کی جڑ چبانی پڑے اور اسی حالت میں تمہیں موت آ جائے (صحیحین مشکوٰۃ کتاب الفتن)

(بقیہ حاشیہ ص۵۱) کے لیے یہ الفاظ بیان کیے ہیں من کنت مولاہ فعلی مولاہ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو کئی صحابہ کو مولیٰ وغیرہ کے لفظ بولے ہیں بلکہ تمام مومنوں کے لیے بھی یہ لفظ مروی ہیں۔ اسی طرح بعض نے خلافت علی کی دلیل میں یہ لفظ بھی نقل کیے ہیں انت منی بمنزلۃ ھارون بموسٰی الا انہ لا نبی بعدی حالانکہ اس میں حضرت علی کو خلافت طلب کرنے سے روکا ہی ہے کیونکہ ہارون علیہ السلام سے نبی ہونے کے باوجود خلافت نباہی نہ گئی تھی ۱۲۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ اس کے لیے دیکھو ہماری کتاب سیرۃ الاخوین ص۲۷۶ و ص۲۸۶)

اس حدیث میں خیر کا پہلا دور خلفائے ثلاثہ تک کا دور ہے اس کے بعد شر یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی یعنی جمل و صفین کی جنگیں ہیں اس کے بعد پھر دورِ خیر ہے۔ یہ بنو امیہ کا دور ہے اور اس کو آپ نے خیر فرمایا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں سے دبیز آجائے گی اور سنت کے خلاف کام شروع ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر شر ہو گی اور ایسی خانہ جنگی ہو گی جس میں بھلائی کا نام بھی نہ ہو گا حالانکہ وہ انسانوں جیسے انسان گفتگو کرنے والے ہوں گے۔ اس وقت بھی امیر کی اطاعت اور جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم ہے حتی کہ ایک ایسا بد دور آجائے گا کہ جب امیر اور جماعت ہی نہ رہے گی۔ جیسا کہ فی زمانہ ترکی کی خلافت کے سقوط کے بعد آج تک خلافت قائم نہ ہو سکی۔ ایسے دور میں بہتر یہی ہوتا ہے کہ بالکل علیحدگی کی زندگی گذارنا پسند کرے۔ اگرچہ اسے ساگ پات کھانا پڑیں۔

۷: عن جابر بن سمرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یقول لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش (بخاری مسلم مشکوٰۃ مناقب قریش)	جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے۔ اسلام ہمیشہ غالب رہے گا بارہ خلیفوں تک جو سب قریشی ہوں گے۔

یعنی قریش کے بارہ خلفاء تک اسلام غالب رہے گا اور اگر اب انکا شمار کیا جائے تو خلافت بنو امیہ ساری اس میں آجاتی ہے۔ مثلاً

۱: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲½ سال	سلہ سے
۲: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	۱۰ "	سلہ ۱۳ "
۳: عثمان رضی اللہ عنہ	۱۲ "	سلہ ۲۳ "
۴: علی رضی اللہ عنہ[1]	۵ "	سلہ ۳۵ "

---

[1] اس کے متعلق پہلے بیان گذر چکا ہے کہ حضرت علی پر امت جمع نہیں ہوئی تھی اسی طرح یزید بن معاویہ پر بھی امت متفق نہیں ہوئی تھی ۱۲

۵:- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ[1]	۲۰ سال	سنہ ۴۱ھ سے
۶:- مروان بن الحکم رح	۱ "	سنہ ۶۴ "
۷:- عبدالملک بن مروان رح	۲۱ "	سنہ ۶۵ "
۸:- ولید بن عبدالملک رح	۱۰ "	سنہ ۸۶ "
۹:- سلیمان بن عبدالملک رح	۳ "	سنہ ۹۶ "
۱۰:- عمر بن عبدالعزیز رح	۲ "	سنہ ۹۹ "
۱۱:- یزید بن عبدالملک رح	۴ "	سنہ ۱۰۱ "
۱۲:- ہشام بن عبدالملک رح	۲۰ "	سنہ ۱۰۵ "

گویا کہ اس حدیث سے قریش کے بارہ خلیفوں کی پیشگوئی ثابت ہے کہ ان کے دور تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔

۸:- الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ باب ذکر الیمن والشام) — آنحضرت نے فرمایا ہے کہ خلافت مدینہ میں ہوگی اور بادشاہت شام میں ہوگی۔

یعنی وہ خلافت جو نبوت کا حصہ ہے یعنی خلافت خاصہ وہ مدینہ میں ہی ہوگی (اس حدیث سے حضرت علی کی خلافت بھی نکل جاتی ہے کیونکہ وہ کوفہ چلے گئے تھے جس کے متعلق آنحضرت نے فرمایا ہے کہ وہ فتنوں کی جگہ ہے) اور خلافت عامہ جس کے متعلق آپ نے حذیفہ کی روایت میں دور خیر کی بشارت فرمائی تھی وہ بادشاہت یعنی پُر وجاہت اور شان و شوکت والی خلافت شام میں ہوگی۔

۹:- اس کے بعد اس سے بھی کمتر خلافت کی خبر فرمائی کہ جب تک قریش میں سے دو آدمی بھی اس لیاقت کے مالک ہوں گے کہ جب حاکم بنائے جائیں تو انصاف

---

[1] اور حسن بن علی اور معاویہ بن یزید بن معاویہ دونوں خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اس لیے وہ بھی خارج کر دیے گئے ہیں ۱۲

کریں اور جب امین بنائے جائیں تو خیانت نہ کریں اور جب ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کریں تو اس وقت تک خلافت ان میں ہی رہے گی"۔ یعنی جب قریش بالکل ہی نہ ہونے کے برابر ہو جائیں گے تب ان سے خلافت چھینی جائے گی چنانچہ عباسی دور میں شروع سے حکومت کا کافی حصہ کٹ گیا لیکن اس کے باوجود اس میں حکومت رہی حتیٰ کہ ایک ایسا دور آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نااہل قرار دیئے گئے اور حکومت عثمانیوں میں چلی گئی اور آج اس کے بعد یہ دور بھی آنا تھا کہ اب خلافت کا نام و نشان بھی نہیں ہے حضرت حذیفہ کی حدیث کے مطابق اب نہ خلیفہ رہ گیا نہ خلافت۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۰:- بخاری مسلم کی روایت ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں انبیاء ہوا کرتے تھے ایک نبی کی وفات پر اس کا خلیفہ بھی نبی ہی ہوتا جو ان کی قیادت کرتے تھے لیکن یہ یاد رکھو کہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا البتہ خلیفے ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ خلیفے بہت ہوں گے جیسا کہ خلافت صحابہ کے بعد خلافت بنی امیہ پھر خلافت عباسیہ وغیرہ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ بیک وقت کئی کئی خلیفے ہوں گے جیسا کہ اپنے اپنے علاقہ میں الگ الگ خلیفے اور الگ الگ خلافت ہو۔ تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی علاقہ میں کئی کئی خلافت کے علمبردار بن بیٹھیں گے۔ چنانچہ صحابہ نے پوچھا پھر جب خلیفے زیادہ ہوں گے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے تو آپ نے فرمایا جس پہلے کی بیعت کرو اسے پورا کر دیا جو پہلے ہو اس کی بیعت کرو۔ اور اسے پورا کرو۔ ان کو ان کا حق ادا کرو دکیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہو) اور ان سے اللہ تعالیٰ خود باز پرس کرے گا (بخاری مسلم)

تو گویا اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی بھی خبر دی ہے کہ خلیفے بہت ہوں گے حالانکہ وہ حکمران ہی ہوں گے اور ان حکمرانوں کو خلیفہ فرمایا ہے یہ سب خلافت عامہ ہے جس میں ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق احکام الٰہی کے نفاذ کی کوشش کرے گا اور اس

کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ البتہ خلافت خاصہ جو نبوت کا حصہ اور اس کی تکمیل ہے وہ صرف پچیس سال یعنی خلفاء ثلاثہ کی خلافت ہے۔

تقابل خلافتِ اُموی و عبّاسی

اگرچہ ہم آخر وقت تک عباسی خلفاء کی خلافت کو بھی خلافت ہی کہتے رہے ہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں خبر دی تھی کہ آخر زمانہ میں تمہارے حاکم نااہل ہوں گے۔ برے کام کریں گے وہ تم کو اچھا نہ جانیں گے تم ان کو اچھا نہ جانو گے۔ وہ تم پر لعنت کریں گے تم ان پر لعنت کرو گے لیکن اس کے باوجود ان کو امراء و خلفاء کہا ہے۔ اس لیئے ہم ان کو خلیفہ تو کہیں گے لیکن جس طرح صحابہ کے مراتب میں فرق تھا اسی طرح بعد کی خلافتوں میں بھی کافی فرق ہے۔ مثلاً بنو امیہ کی خلافت میں سب سے بڑھ کر جو فتوحات ہوئیں وہ چین و سندھ سے لے کر اقصیٰ مغرب افریقہ تک اور یورپ سے لیکر سمندر کے جزائر تک فتوحات ہوئیں۔ بیک وقت سندھ چین اور ہسپانیہ میں جنگیں ہو رہی ہیں جنکی قیادت دمشق سے ہو رہی ہے اور آج کے ترقی یافتہ پیغام رسانی کے ذرائع نہ ہونے کے باوجود روزانہ مکمل طور پر جنگی محاذوں سے اطلاعات آرہی ہیں۔ بخلاف اس کے عباسی دور میں فتوحات ہونا تو کجا شروع خلافت سے ہی ہسپانیہ اور المغرب کے علاقے کٹ گئے وہاں عباسی خلافت کا اثر جا ہی نہیں سکا۔

اموی خلافت میں ہمیں جا بجا گورنری کے عہدہ پر صحابہ کرام نظر آتے ہیں عباسی دور میں خیر القرون یعنی صحابہ کا دور ہی ختم ہو چکا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تو اصحاب بدر میں سے کوئی صحابی نہ رہا اور دوسرا فتنہ یعنی فتنہ حرہ (عبداللہ بن زبیر کے قتل وغیرہ کا واقعہ) ہوا تو اصحاب حدیبیہ میں سے کوئی صحابی نہ رہا۔ تیسرا فتنہ واقع ہوا تو لوگوں میں بالکل ہی سکت نہ رہی یعنی تمام ختم ہو گئے۔ اور وہ قریباً خلافت اموی کے ساتھ ہی تمام صحابہ ختم ہو گئے۔

اموی خلفاء میں سادگی تھی۔ عرب کے لوگوں میں مل جل کر بیٹھتے تھے۔ عربیت غالب تھی۔ عباسیوں میں عربیت کیا تمام انقلاب ہی عجمیوں کے زیر اثر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویل للعرب من شر قد اقترب عنقریب عربوں کے لیے ہلاکت ہوگی۔

ابن عذاری مراکشی نے اپنی تالیف البیان المغرب فی اخبار المغرب۔ (مطبوعہ یورپ جلد اول ص۱۳۵) میں ابن حزم کی ایک تحریر نقل کی ہے جس میں اس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور حکومت کی خصوصیات مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کی ہیں۔

"اب بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ بہر حال وہ ایک عربی حکومت تھی۔ بنو امیہ نے کوئی دار الحکومت یا محل اپنے لئے نہیں بنائی۔ ان میں ہر امیر وقت کو سکونت اپنی مکان اور اسی احاطہ میں رکھنی پڑتی تھی جو خلافت سے پہلے اس کے پاس ہوا کرتا تھا انہوں نے مسلمانوں کو اس امر پر مجبور نہیں کیا کہ غلاموں کی طرح ان سے شاہانہ طریق کے ساتھ خطاب کریں یا زمین یا پاؤں کو بوسہ دیں۔ ان کا مقصد دور دراز علاقوں مثلاً اندلس، چین، سندھ، خراسان، آرمینیہ، یمن، شام، عراق، مصر اور المغرب وغیرہ میں اپنا حکم چلانا تھا۔

بنو عباس کی سلطنت گویا ایک ایرانی عجمی سلطنت تھی جس میں عربی حکمرانی معدوم ہو گئی۔ اور خراسان کے عجمی بر سر اقتدار آ گئے۔ سلطنت میں ایک کسروی انداز آ گیا۔ مگر یہ بات ضرور تھی کہ کسی صحابی کو علانیہ برا نہیں کہا جاتا تھا۔ بنو عباس کے زمانے میں مسلمانوں کا اتحاد جاتا رہا۔ اسلامی ملکوں پر مختلف پادشاہوں کا غلبہ ہو گیا اور اس خانہ جنگی میں اندلس اور سندھ کے اکثر شہروں پر کافروں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔"

خاندانی خلافت اسلام میں خلافت کے متعلق کوئی اصول مقرر نہیں ہے کہ خلیفہ کا انتخاب کس طریقہ سے ہو۔ صرف ایک ہی مقصد

ہے کہ اسلام کا نفاذ ہو خواہ نافذ کرنے والا قریشی ہو یا حبشی ہو۔ سابق خلیفہ سے اس کا کچھ تعلق ہو یا نہ ہو۔ مقصد صرف اسلام کے نفاذ کا ہے اگر اسلام نافذ نہیں تو اس خلیفہ کی کچھ قدر و قیمت نہیں لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی خلیفہ کی اطاعت جائز نہیں اور اگر کوئی ادنیٰ قوم کا حبشی امیر ہو۔ بشرطیکہ اسلام کے مطابق حکم دے تو اس کی اطاعت کرنا فرض ہے اور اس کی نافرمانی اللہ تعالےٰ کی نافرمانی ہوگی۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی افضل ہو لیکن امیرالمومنین نہ مقرر ہو سکے اور اس کی جگہ غیر افضل مقرر ہو جائے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کا نفاذ کر سکے اگر اس میں حکمرانی کی صلاحیت ہو تو اگرچہ ادنیٰ ہو اس کو وہ عہدہ ضرور دے دینا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی باپ کے بعد بیٹا کا خلیفہ ہونا بالکل معیوب نہیں تھا بشرطیکہ اس میں اہلیت ہو۔ چنانچہ جب حضرت فاروق زخمی ہو گئے تو انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق چھ معزز صحابہ کی ایک مجلس مقرر کر دی کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لو۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں ایک شخص کا اضافہ فرما دیں یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی ہم میں شامل کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ عبداللہ کو شامل کر لو لیکن ایک شرط ہے کہ اس کو خلیفہ نامزد نہیں کرو گے۔ البتہ اس سے رائے لے لو۔ اگر حضرت عمرؓ نے ان پر یہ شرط نہ لگائی ہوتی تو یقیناً صحابہ انھیں ہی منتخب کر لیتے۔ کیونکہ ان کی نیکی اور پاک باطنی کی وجہ سے لوگ ان کے بہت مداح تھے۔ اگر صحابہ کرام میں بیٹے کا انتخاب غلط ہوتا تو کبھی وہ اس کا مطالبہ نہ کرتے اور حضرت عمرؓ نے بھی صحابہ کی خواہش بھانپ لی تھی ورنہ وہ کبھی نہ روک دیتے۔

اس کے بعد حضرت علی کی شہادت پر لوگوں نے حضرت حسن کو منتخب کیا تو کسی ایک صحابی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علی ابھی زخمی ہی تھے کہ حضرت حسن کا انتخاب ہو گیا۔ جس پر حضرت علی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اسی طرح حضرت معاویہ کی زندگی میں ہی صحابہ کو اس چیز کا اندیشہ ہوا کہ جب صحابہ کرام کا دور دورہ تھا تو اس وقت بھی خانہ جنگی کی ایک خطرناک صورت سامنے آگئی اور باوجودیکہ فریقین کے قائد جنگ سے رد کتے رہے لیکن عوام جنگ جویانہ نہیں آتے تھے جس کے نتیجہ میں ایک لاکھ بہترین جنگجو مردمان سے اسلامی ریاست محروم ہوگئی اور اگر بعد میں بھی یہی حال ہوا تھا پھر کیا ہوگا۔

چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے محض اصلاح حال کے لیے یہ تجویز پیش کی اور امیر معاویہ سے کہا کہ اپنے بیٹے کو نامزد فرمادیں۔ کیونکہ اس میں صلاحیت بھی ہے اور اگر آپ کی وفات کے بعد پھر یہ جھگڑا اکھڑا ہوا بھی تو اتنا نقصان نہ ہوگا۔ لیکن حضرت امیر معاویہ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ حتیٰ کہ حضرت مغیرہ نے دوسرے صحابہ کرام کو بھی اپنی رائے سے متفق کیا۔ چنانچہ جب خلافت عہد کا بیعت نامہ لوگوں کے سامنے پیش ہوا تو کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ البتہ مخالفین صرف چار شخصوں کا نام پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان چار میں سے ایک تو دو تین سال پہلے وفات پا چکے تھے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ہر مرتبہ انتخاب خلافت کے وقت اتنی خونریزی ہوا کرتی تو یقیناً اسلامی طاقت پہلی صدی میں ہی ختم ہو کر ملیا میٹ ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور ان کے مخلصین ساتھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے یہ رائے منوا کر امت کی تباہی کا راستہ بند کر دیا۔ صرف جب اس خاندان (اموی) کی جگہ دوسرا خاندان (عباسی) آیا تو اس وقت اتنی تباہی آئی اور اتنی خونریزی ہوئی کہ پہلی تباہی اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ نظر آنے لگی۔ بہرحال خاندانی خلافت شرع میں معیوب نہیں بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود الخلافۃ من قریش کہہ کر خاندان قریش کو خلافت کا مستحق قرار فرمایا تھا۔ البتہ یہ شرط ضرور لگائی تھی کہ جب تک ان میں صلاحیت رہے گی۔ یعنی خلافت کے لیے صلاحیت شرط ہے۔ خواہ وہ

بیٹا ہو یا غیر ہو۔

یہ وہ چند اشارے تھیں جن کا پہلے ذکر کرنا ضروری تھا تاکہ ان خلفاء کے دور کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی وہ گذارشات جو اس کتاب کے متعلق ہیں ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس کو لوگوں کی ہدایت اور میری بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ واخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العالمین۔

خالد گھرجاکھی

تصدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہر طرح کی تعریف اور تمام حمدیں اس ذات بابرکات کے لیے سزاوار ہیں جس نے اسلام بھیج کر انسانیت پر احسان عظیم فرمایا اور قیامت تک خدا تعالیٰ کی رحمتیں اس عظیم انسان اور کامل ترین معلم پر ہوں جن کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ ہے جو تمام کائنات کا خلاصہ اور مغز ہیں اور ان کے بعد خداوند تعالیٰ کی رحمتیں ان بلند مقام لوگوں پر ہوں جنہوں نے ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور امت محمدیہ پر بہترین خلافت قائم کی اور پھر ان کے تابعداروں پر ہوں جنہوں نے ان کے اعمال کی اقتدا کی۔ ان کی سنت کو لازم پکڑا اور ان کے نشانات کے متلاشی رہے۔

اما بعد:- یہ عالم اسلامی جس کی طرف ہم اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور جس کی کامیابی اور سربلندی ہماری زندگی کا اولین فریضہ ہے اس کا بیشتر حصہ خلفائے راشدین کے بعد برسر اقتدار آنے والی پہلی جماعت کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ یعنی علاقہ ہائے دور و دراز میں اسلامی ہدایات خلفائے بنی امیہ کے عہد میں پھیلیں اور اس کے لیے بنی امیہ کے بادشاہوں اور سپہ سالاروں نے خون پسینہ ایک کر دیا اور اس کام کو مکمل کیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے دو خلیفوں اور ساتھیوں یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے شروع کیا تھا۔ اللہ ان سب کو ہماری اور خود اسلام کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے اور ان پر خود بھی راضی ہو اور ان کو بھی راضی کرے۔

اسلام کے پھیلنے اور امم کے اس میں داخل ہونے کے واقعات بیان کرنا تاریخ کا کام ہے۔ ہم اس سے بحث نہیں کریں گے۔ پھر جو لوگ اسلام میں آئے ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو آج تک اس پر فخر کرتے رہے ہیں۔ ان کے دل خوشی سے بھرے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے حق میں بھلائی کی دعائیں کرتے ہیں جو اسلام کی اشاعت کا سبب بنے اور کچھ لوگ وہ ہیں جن پر یہ لوگ نہایت شاق گذرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کے متعلق کینہ اور عداوت بھری ہوئی ہے اور ان کی جبلت ثانیہ بن چکی ہے کہ وہ ان کو ہر عیب سے ملوث کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور ہم ان لوگوں کو بھی معذور سمجھتے ہیں جنہوں نے اسلام کی حلاوت نہیں پائی اور ان کی یہ کیفیت انسانیت عظمیٰ اور اس کے شریف اغراض اور ان لوگوں کی سیرت کے درمیان حائل ہو چکی ہے جنہوں نے اسلامی نظام کو بپا کیا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے تاریخ اسلام کو غلط نگاہوں سے دیکھا اور اپنے ذہنوں میں خلاف واقعہ اس کی ایک صورت قائم کر لی۔

میں اقرار کرتا ہوں (اور انکار کا کوئی فائدہ بھی نہیں) کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اوّل تک سے بغض رکھتے ہیں اور ان کے تمام کمالات کو برائیوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے حضرت عمر فاروق کے بے مثال عدل اور دنیا سے بے رغبتی کی زندگی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی تھی اور پھر بھی ان کے سینہ میں اسلام کا بغض اس حد تک تھا کہ اس نے خلیفۂ ثانی کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا اور حضرت عمر کو خنجر مارنے والے گروہ میں سے آج تک ایسی کتابیں تصنیف کرتے آئے ہیں۔ جن میں اس بے مثال عادل اور انسانیت اور بھلائی کے بہترین نمونہ کی تمام نیکیوں اور خوبیوں کو پامال کیا جاتا ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں وہ لوگ بھی تھے جن کے سینے اس پاکباز خلیفہ کے خلاف کینہ سے پر تھے جس کا دل خدا تعالے کی رحمت سے بنایا گیا تھا۔ انہوں نے خلیفۂ

برحق پر کیسے ایسے الزامات لگائے اور ان کا اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ لوگوں کو وہ جھوٹ بالکل سچ معلوم ہونے لگا اور کئی طرح سے ان کی تشہیر کی گئی اور بالآخر اس معصوم خون کو حرمت کے مہینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب بہا دیا گیا۔

اور اس وقت سے لے کر آج تک انسانیت اسلام کے فدائیوں سے اسلام کی سربلندی اور لوگوں کے مسلمان ہونے کے متعلق معجزات دیکھتی رہی ہے کہ کس کس طرح انہوں نے دنیا کے کونے کونے تک "اللہ اکبر" اور "حی علی الفلاح" کی صدائے دلنواز پہنچائی۔ سندھ کی پہاڑیوں میں یہ آواز گونجی۔ ہندوستان میں پہلی جزائر غرب کے ساحلوں سے جا ٹکرائی۔ یورپ اور اس کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اور دشمنان اسلام تک یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک معجزہ تھا اور یہ سب کچھ بنی امیہ کی حکومت میں ہوا۔ جو کچھ اس حکومت نے کیا اور جس طرح ان لوگوں نے انصاف، مروت، سخاوت، شجاعت، ایثار، فصاحت اور بہادری دکھائی اس کا عشر عشیر بھی اگر ہندوؤں اور مجوسیوں سے صادر ہوتا تو ان کے پیرو ان کی تعریف کے پل باندھتے اور ان کی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیتے۔

صحیح تاریخ کسی سے یہ مطالبہ تو نہیں کرتی کہ کسی کی ثنا اور تعریف کے جھنڈے گاڑے جائیں لیکن وہ یہ ضرور مطالبہ کرتی ہے کہ جن اشخاص کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے ان کی خوبیوں کا کما حقہ اعتراف کیا جائے اور ان کے معائب بیان کرتے ہیں خدا کا ڈر اپنے دل میں رکھا جائے اور مبالغہ نہ کیا جائے اور غرض مندوں نے جو جھوٹے اختراع کیے ہیں ان سے دھوکا نہ کھایا جائے۔

اور ہم مسلمان لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی معصوم نہیں سمجھتے اور جو کسی کو معصوم سمجھے ہم اسے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ انسان آخر انسان ہے اس سے ہر وہ چیز صادر ہوتی ہے جو انسانوں سے صادر ہو سکتی ہے اس میں حق اور بھلائی بھی ہے اور باطل اور شر بھی۔ پھر جس میں حق اور بھلائی نسبتاً زیادہ

ہو ہم اسے نیک انسان سمجھتے ہیں اور جس میں باطل اور شر نسبتاً زیادہ ہوں اسے برا کہتے ہیں۔ پھر نیک میں کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور برے میں کچھ خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں اگر کسی نیک آدمی میں کچھ کمزوریاں ملاحظہ کرو تو لازم ہے کہ ان کی صلاحیت اور نیکی کو بھولا نہ جائے اور ان کمزوریوں کے باعث اس کی خوبیوں کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اگر برے لوگوں سے کوئی نیکی ملاحظہ کرو تو لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش نہ کرو کہ یہ نیک آدمی ہے۔

اسلامی دور کی پہلی صدی تاریخ کا ایک معجزہ ہے اور جو کچھ پہلی صدی میں مسلمانوں نے کر دکھایا وہ نہ دوسروں سے ہو سکا نہ یونانیوں سے اور نہ کسی اور امت سے۔

اور ابوبکر اور عمر اور چاروں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی صحابہ اور خصوصاً وہ صحابہ جنہوں نے آپ کی صحبت کا فیض اٹھایا، آپ کے ساتھی بنے اور آپ کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا اور فتح مکہ سے پہلے بھی اور بعد بھی اپنے تن من دھن سے اسلام کی سربلندی میں کوشاں رہے یہ سارے کے سارے انسانیت کے آسمان پر سورج بن کر چمکے اور ان کے بعد انسانیت کو قطعاً یہ توقع نہیں کہ اس طرح کے سورج پھر کبھی اس کے آسمان پر چمکیں گے۔ ہاں اگر مسلمان اسلام کے ابتدائی دور کے لوگوں کی اتباع کرنے کا تہیہ کر لیں اور فطرت سلیمہ کی طرف لوٹ آئیں اور اس کے اخلاق کو اپنا لیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالے کوئی اور مخلوق پیدا کر دے جو حق اور بھلائی کے لیے جئیں اور باطل اور شر کا مقابلہ کریں یہاں تک کہ انسانیت حقیقی سعادت کی راہ معلوم کر لے۔

صحابہ کرام کی یہ جماعت اپنے فضائل کی اقدار میں مختلف مراتب رکھتی ہے۔ ان کے فضائل الگ الگ ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس میں بھی جو خوبی تھی وہ کمال درجہ کی تھی اور تاریخ اسلامی کو تحریر میں لانے والے لوگوں نے جب اصلی اور نقلی واقعات کی تنقید شروع کی تو وہ ابو لؤلؤ کے پیروؤں اور عبداللہ بن سبا کے شاگردوں اور مجوسیوں نے جو کہ اسلام کا مقابلہ شریفانہ لڑائی سے نہ کر سکتے تھے انہوں نے

اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اپنے لاؤ لشکر سمیت فریب کاری سے اسلام کے قلعہ میں
داخل ہو گئے اور اپنی منافقت کو بروئے کار لاتے ہوئے تقیہ کے ہتھیار سے لڑائی
شروع کر دی اور اسلام میں وہ چیزیں داخل کر دیں جن سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ
نہ تھا اور بڑے بڑے مسلمانوں کی سیرت مقدسہ پر ایسے الزامات لگائے جو بالکل بے
بنیاد تھے۔ اس وجہ سے اسلام کے عظیم تر اور کامل تر پیغامات ایک طرح سے معطل اور
منجمد ہو کر رہ گئے۔ اگر اسلام کی زندگی کی خارق عادت قوت نہ ہوتی تو عجیب نہ تھا
کہ اسلام اور مسلمان دونوں ختم ہو جاتے اور یہ قوت تب ہی بحال ہو سکتی ہے
جبکہ ہم انتہائی خلوص سے اسلام کی طرف رجوع کریں اور مخترعات کو الگ کر کے پھینک
دیں اور مسلمانوں کی سیرت کو ناپاک الزامات سے الگ کر دیں اور جس طرح کے پہلے
مسلمان تھے اسی طرح کے ہم بن جائیں نہ کہ ہم بھی صحابہ اور تابعین کے دشمنوں کی
کہی ہوئی باتیں دہرانے لگیں۔

اور ہم جو امام ابن العربی کے حقائق اور نصوص اصلیہ کو پیش کر رہے ہیں۔ تو
ہمارا ارادہ بالکل ان لوگوں کے ارادہ سے مختلف ہے جو خلافت راشدہ کی تردید کرتے
ہیں اور جس پر زمانہ کی طویل مدت نے پردے ڈال رکھے ہیں۔ صحابہ کرام اخلاق میں
نہایت بلند اخلاص میں نہایت صادق تھے اور اس چیز سے نہایت ارفع و اعلیٰ
تھے کہ دنیا کے حصول کے لیے اختلافات کھڑے کر دیتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے
مبارک عہد میں بھی ایسے ناپاک ہاتھ موجود تھے جنہوں نے ایسی بھیانک اور گندی
کارروائیاں کیں اور ان کو مشہور کیا جن میں انہی جیسے ناپاک لوگوں نے رنگ بھرا
اور واقعات اصلیہ کی شکل و صورت بدل کر رکھ دی۔

اور چونکہ صحابہ کرام ہمارے دین کے راہنما ہیں اور کتاب الٰہی اور سنت محمدیہ
کی امانت کو حاصل کر کے ہم تک پہنچانے کا وہی سب سے پہلا وسیلہ ہیں تو اس امانت
کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس امانت کے سب سے پہلے حاملین کی سیرت مقدسہ کو ان الزامات
سے پاک و صاف کریں جو ظلم اور زیادتی سے ان کے ذمے لگائے گئے ہیں تا کہ اصلی شکل

وصورت لوگوں کے سامنے آجائے اور طبیعت ان کی اقتدا کرنے کی طرف مائل ہو اور اس کھلائی پر لوگوں کے دل مطمئن ہوجائیں جس کو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کے لیے ارسال کیا ہے اور شریعت اسلامی میں یہ اعتبار کرلیا گیا ہے کہ دین پہنچانے والوں پر طعن کرنے سے دین خود بخود مشتبہ ہوجاتا ہے اور ان کی سیرت داغدار ہونے سے یہ امانت خود بخود داغدار ہوجاتی ہے اور اس کی تمام بنیادیں ہل جاتی ہیں جن پر شریعت کے ستون کھڑے ہیں۔

اور اس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ ان نوجوانوں سے محروم ہوگئی اور پھر درجہ بدرجہ کمی ہوتی گئی جن کی صالح قیادت کا اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا تھا کہ لوگ ان کی پیروی کریں اور اسلام کی امانت کا بوجھ اٹھائیں اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ ان کی نیکیوں کی اتباع کی جائے اور ان کی اچھی عادات کو اپنایا جائے اور ان لوگوں کا تعاقب کیا جائے جنہوں نے ان کی نیکیوں کو بدنما کرکے دکھایا اور ان کی سیرتوں کو مسخ کیا۔ حقیقت میں ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے اولین علمبرداروں کو بدنما کرکے دکھایا جائے تاکہ لوگ خود نفس اسلام سے بھی متنفر ہوجائیں۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اس غفلت سے آگاہ ہوں اور اپنے اسلاف کی قدر و منزلت کو پہچانیں تاکہ ہم ان کی پاک سیرت اور صحیح عادات سے اپنے عہد میں روشنی اور ہدایت حاصل کرسکیں۔

اور یہ کتاب جسے کبار ائمہ مسلمین میں سے ایک امام نے تالیف کیا ہے یہ بتانے کے لیے لکھی گئی ہے کہ اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے صفات و کمالات کو بیان کیا جائے اور ان پر اور ان کے اتباع پر جو ناپاک حملے کیے گئے ہیں انکی مدافعت کی جائے۔ گو یہ کتاب حجم کے لحاظ سے بہت چھوٹی ہے لیکن یہ ایک حق کی تجلی ہے جو اپنی چمک سے بداندیش لوگوں کی دسیسہ کاریاں دکھائے گی اور مسلمانوں کے نوجوان طبقہ کو صحابہ کے دشمنوں کا پتہ دے گی اور اس سے دشمنان صحابہ کی فریب کاریوں کی مثالیں سامنے آجائیں گی اور جنہیں نیکی کی توفیق الٰہی ہوگی وہ حقیقی تاریخ

اسلامی کا مطالعہ کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اس کے مطالعین کی صفات عالیہ
کو روشن دیکھ لیں گے اور انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو
انسانیت کی تاریخ میں ان کے ہاتھوں عظیم انقلاب بپا کرایا واقعی وہ اس معجزہ
کے مستحق تھے اور اگر خدانخواستہ صحابہ اور تابعین کی وہ صورت ہوتی جو صحابہ کے
دشمنوں نے دکھائی ہے تو یہ ایک نہایت ناممکن بات ہوتی کہ ان کے ہاتھوں
پر اتنی فتوحات ہوتے اور خدا کے دین میں داخل ہونے کے لیے فوج فوج لوگ
ان کی آواز پر چلے آتے۔

اور قاضی ابوبکر ابن العربی "العواصم من القواصم" کے مولف مسلمانوں کے
ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔ مالکی مسلک کے فقہاء میں ان کا مقام بہت بلند ہے
ان کے تدقیق احکام کی پیروی کی جاتی ہے۔ آپ قاضی عیاض مولف کتاب "الشفاء"
کے استاد ہیں اور ابن رشد جو کہ ایک بلند پایہ عالم اور فقیہ اور ابوالولید فیلسوف کے
والد ہیں وہ انہی کے شاگرد ہیں اور مالکی مذہب کے سینکڑوں آدمی آپ کے شاگرد
ہیں جیسا کہ آپ کو آگے معلوم ہو جائے گا۔ آپ کی کتاب "العواصم من القواصم"
آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ آپ نے اس کتاب کو ۵۳۶ھ میں تالیف کیا جبکہ
آپ کا علمی منصب پختہ ہو چکا تھا اور ملک کے اطراف و اکناف میں آپ کی تصنیفات
پھیل چکی تھیں اور آپ کے شاگردوں کی ایک معقول تعداد شہروں میں امامت کے
رتبہ تک پہنچ چکی تھی۔ اور یہ کتاب دو متوسط جلدوں میں ہے اور صحابہ کی یہ بحث
جسے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں دوسری جلد کے مباحث میں سے
ایک بحث ہے جو صفحہ ۹۸ سے لے کر ۱۹۲ تک چلی گئی ہے اور الجزائر کے دارالخلافہ میں
چھپی ہے اس کی طباعت کا بندوبست الجزائر کے شیخ الشیوخ عبدالحمید بن بادیس
رحمہ اللہ نے کیا۔

نہایت افسوس ہے کہ جس نسخہ سے اس کی اشاعت کی گئی اس میں املائی غلطیاں
اور لفظی تحریفات کافی تھیں، ان کی صحت کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی اور ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ کتاب کو جلد کرتے وقت بعض اوراق صحیح جگہ پر نہیں لگے جس سے مضمون خلط ملط ہو گیا۔ ہم نے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھ کر اوراق کو ان کی جگہ پر نصب کیا اور اغلاط کی درستی کا اہتمام کیا اور اس امانت کو کما حقہ انتہائی صحت سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اور جس جگہ ضرورت محسوس ہوئی اس پر کتب معتبرہ سے حواشی چڑھائے گئے۔

مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ امام ابن العربی کو بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے موافقت کی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے پیغام کو اٹھایا اور اس کی تبلیغ میں آپ کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی صدق دل سے معاون و مددگار رہے بلکہ وہی ہماری اسلامی تربیت کا سبب ہیں اور ہم جو ملت حنیفیہ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اس کا ثواب بھی انہی کو ملے گا کیونکہ دین حنیف کے پہنچانے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہاں اگر کوئی کسر ہے تو وہ ہماری تقصیرات ہیں کہ ہم پوری طرح اس کے اخلاق سے متخلق نہ ہو سکے اور اس کے آداب اور سنن کو اپنے گھروں، مجلسوں بازاروں اور عدالتوں میں رائج نہ کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے قارئین میں سے کوئی اللہ کا بندہ ایسا پیدا ہو جو ہم سے علمی اور عملی صلاحیتوں میں زیادہ ہو اور اس عہد خداوندی کو پورا کر دکھائے۔ اور سیدھا راستہ دکھانا اللہ عزوجل ہی کا کام ہے۔

محب الدین خطیب

قاضی ابوبکر ابن العربی مؤلف "العواصم من القواصم" ۴۶۸ھ — ۵۴۳ھ

ابتدائی حالات آپ محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ہیں۔ آپ کی ولادت اشبیلیہ میں ہوئی۔ جبکہ وہ اندلس کا سب سے بڑا شہر تھا۔ آپ جمعرات ۲۲ شعبان ۴۶۸ھ کو اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد بن عباد کے محل کے بعد سب سے بڑے مکان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عبداللہ بن محمد بن العربی حکومت کے امراء و کبار علماء میں سے تھے اور آپ کے ماموں ابوالقاسم حسن بن ابوحفص ہوزنی بھی اندلس کی جماعت میں بہت بڑا مقام رکھتے تھے لیکن ان دونوں میں سیاسی اختلاف تھا۔ آپ کے والد تو موجودہ حکومت کے امراء میں سے تھے اور بادشاہ کے مقرب خاص تھے اور آپ کے ماموں حکومت کی مخالف پارٹی میں شامل تھے ان کا تعلق یوسف بن تاشفین سے تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ معتمد بن عباد نے ان کے والد ابوحفص ہوزنی کو قتل کرا دیا تھا۔ آپ نے یوسف بن تاشفین کو معتمد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اور بالآخر معتمد کی حکومت ختم ہو گئی اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور بالآخر معتمد قید کی حالت میں فوت ہو گیا۔ (نفح الطیب[1])

---

[1] نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ ابن تاشفین نے معتمد کو گرفتار کر لیا اور شہر اغمات میں قید کر دیا اور بالآخر وہ شوال ۴۸۸ھ میں قید خانہ ہی میں مر گیا یہ انقلاب اس کی سلطنت کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت ثابت ہوا۔ خصوصاً اشبیلیہ والوں پر اور ان میں سے بھی معتمد کے امراء اور لواحقین پر ۱۲

اس شریف اور عزیز علمی گھرانہ میں ابن العربی کی نشأت ہوئی اور اسی گھر میں اس نے اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں دنیا کو دیکھا اور انہی دو آدمیوں (اپنے والد اور ماموں) سے ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر آپ کے استاد خاص ابو عبد اللہ سرقسطی بھی آپ پر پوری توجہ دے رہے تھے۔ ان تینوں بزرگوں کی شبانہ روز محنت سے آپ میں مروّت، ذکاوت، وسعت معلومات اور اخلاق کی پختگی پیدا ہوئی اور تمام وہ صفات پیدا ہوئیں جن سے آپ ایک بے نظیر عالم اور مجتہد کار آدمی بنے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نو سال کی عمر میں قرآن کریم میں پوری مہارت حاصل کر چکا تھا۔ پھر تین سال حفظ قرآن، عربی زبان اور حساب کی تکمیل میں صرف ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں لغت، شعر، الفاظ غریبہ اور قرآن مجید کی مختلف قراءتوں میں مہارت حاصل کی۔

اشبیلیہ سے رخت سفر باندھا

جب علامہ ابن العربی کی عمر ۱۷ سال کو پہنچی تو ۴۸۵ھ میں آل عباد کی حکومت کے سقوط پر اپنے باپ کے ساتھ بروز اتوار ربیع الاول کے مہینہ میں شمالی افریقہ جانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے الجزائر کے ساحل پر بجایہ کی سرحد پر نزول فرمایا اور وہاں کے علمائے کرام ابو عبد اللہ الکلاعی جیسے بزرگوں سے استفادہ کیا اس کے بعد بحری راستہ سے مہدیہ کی طرف کوچ کیا وہاں ابو الحسن علی بن محمد بن ثابت الحداد خولانی اور امام ابو عبد اللہ محمد بن علی مازری تمیمی (۴۵۳ - ۵۳۶ھ) سے ۴۸۵ھ ہجری میں تحصیل علم کرتے رہے۔

جب مہدیہ سے مصر کے ساحل کی طرف کوچ کیا تو ان کی کشتی سمندری طوفان میں پھنس گئی جس کا واقعہ خود علامہ ابن العربی نے اپنی تفسیر "قانون التاویل" میں

سلہ یہ عبارت علامہ ابن غازی کی التکمیل سے بحوالہ قانون التاویل نقل کی گئی ہے اور علامہ بسیونی نے جلی حاشیہ جلیل پر اس کو نقل کیا ہے اور شیخ مخلوف نے طبقات المالکیہ ص ۱۳۶/۱ اور مقری نے نفح الطیب ص ۳۴/۱ اور ازہار الریاض ص ۸۹/۳ پر نقل کیا ہے۔ یہ عبارت علامہ ابن العربی کی بہترین ادیبانہ عبارت ہے جس سے عربی دان ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ترجمہ میں وہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی ۱۲

اس طرح بیان کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسے ہی لکھا تھا کہ ہم سمندری طوفان سے دوچار ہوں اور سمندری امواج نے ہمیں ساحل پر اس طرح پھینک دیا جیسے کہ ہم ابھی قبر سے نکلے ہیں اس نے آب دگیاہ اور سنسان ساحل سے بہت مشکلات کے ساتھ بنی کتب بن سلیم کے گاؤں پہنچے اور نہایت کس مپرسی کی حالت میں تھے کہ ان کے امیر نے ہم پر مہربانی کی اور ہمیں جگہ دی اور ہمیں اناج اور کپڑوں وغیرہ کی امداد سے نوازا۔

وہاں کا امیر شطرنج کھیلا کرتا تھا اور کبھی کبھی میں بھی وہاں چلا جاتا اور میں بالکل صغر سنی میں تھا حتیٰ کہ میں بھی اس کو سمجھنے لگا ایک دفعہ میں نے کسی کارندے سے کہا کہ امیر کو کھیلنے کا سلیقہ آتا ہی نہیں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر مجھے امیر کے نزدیک ہونے کا موقع ملا اور میں نے امیر کی کچھ راہنمائی کی جس کی وجہ سے امیر اس کھیل میں جیت گیا تب انہوں نے کہا کہ تو اب بچہ تو نہیں اگرچہ عمر میں تھوڑا ہے۔ اس کھیل کے دوران امیر کے بھتیجے بھائی نے ابوالطیب کا ایک شعر پڑھا۔

احلی الھوی ما شك فی الوصل ربہ   وفی الھجر فھو الدھر یرجو ویتقی

تو امیر نے کہا ابوالطیب پر لعنت ہو کہ وہ رب میں بھی شک کرتا ہے؟ تو میں نے اسے فوراً کہا۔ امیر صاحب! آپ شاعر کا مطلب نہیں سمجھے۔ رب سے مراد یہاں اس کا ساتھی (محبوب) ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ وصال میں وہ لذت نہیں جو ہجر میں ہے جس میں انسان ہمیشہ اسی کے شوق میں لگا رہتا ہے اور ہر وہ کام چھوڑ دیتا ہے جو اس کے وصال میں حائل ہو سکے۔ حالانکہ اسے کبھی یقین نہیں ہوتا بلکہ شک ہوتا ہے کہ شاید وصال ہو یا نہ ہو۔

اس کی مثال میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

اذا لم یکن فی الحب سخط ولا رضا   فاین حلاوات الرسائل والکتب

(کہ جب محبت میں کبھی ناراضگی اور کبھی رضامندی نہ ہو تو پھر فرقت کی خط وکتابت کا لطف کیسے حاصل ہو)

بہرحال میری یہ علمی گفتگو سن کر بہت متعجب ہوئے اور مجھ سے میری عمر پوچھنے لگے اور میرے حالات کی کرید کرنے لگے میں نے انہیں بتایا کہ میرا باپ بھی میرے ساتھ ہے تب امیر نے ہمیں اپنے خاص مکانوں میں جگہ دی اور ہمیں خلعت فاخرہ سے نوازا اور ہماری بہترین مہمانیاں شروع ہو گئیں۔

تو گویا کہ یہ علم جو علم کی بجائے جہالت سے زیادہ قریب تھا اس کی وجہ سے ہم نے بہت سی مشکلات سے نجات پائی جس کو لوگ حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے دیار مصر میں پہنچے"۔

علامہ ابن العربی نے اپنے سفر کے حالات میں ایک کتاب "ترتیب الرحلہ للترغیب فی الملۃ" لکھی ہے افسوس کہ وہ ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکی یہ حالات ان کے اس دور کی دوسری کتب سے لیے گئے ہیں اگر وہ کتاب دستیاب ہو جاتی تو بہت سے صحیح تاریخی حالات مل جاتے۔

مصر کے شہروں سے کوچ

یہ حقیقت ہے کہ ابن العربی اور اس کا باپ قبیلہ بنی کعب کے امیر کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرے بلکہ مصر کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ ان کا منتہائے سفر جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے مصر سے ہی ہو کر جاتا تھا۔ ان دنوں ۴۸۵ھ میں مصر پر مستنصر جو ابو تمیم سے تھا حاکم تھا۔ ان دنوں وہاں اہل سنت کا زور کم تھا اس لیے ابن العربی وہاں سے قرافۃ الصغری جو امام شافعی کی قبر کے قریب ہے وہاں گئے تاکہ وہاں کے شیخ ابو الحسن علی بن حسن بن حسین بن محمد الخلعی الشافعی الموصلی (۴۰۵ - ۴۹۲ھ) جو مصر میں رہتے تھے ملاقات کریں۔

---

[1] علامہ ابن العربی کی یہ کسر نفسی ہے حالانکہ یہ ان کی بہترین ادیبانہ عبارت ہے اور ان کا علم ان کی عمر سے بہت بڑا ہے ۱۲

شیخ ابوالحسن کا تذکرہ وفیات الاعیان اور طبقات الشافعیہ لابن سبکی صفحہ ۲۹۶/۳ میں اور شذرات الذہب لابن عماد حنبلی صفحہ ۳۹۵/۳ میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ابن العربی نے ابوالحسن بن شرف اور مہدی الوراق اور ابوالحسن بن داؤد فارسی سے بھی مصر میں ملاقاتیں کیں۔

بیت المقدس میں آمد اس کے بعد ابن العربی اپنے باپ کے ساتھ بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ ان دنوں وہاں امام ابوبکر محمد بن ولید طرطوشی فہری (۴۵۱-۵۲۰ھ) بہت بڑے اندلس کے مالکی علماء میں سے تھے جو ابن العربی ہی کی طرح تحقیق علم کے سلسلہ میں اندلس سے مشرق کی طرف آئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ صاحب نفح الطیب نے صفحہ ۳۴/۱ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ابن العربی کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں اپنے شیخ ابوبکر فہری سے ابو ثعلبہ کی حدیث کے متعلق سوالات کیے (ابو ثعلبہ کی مرفوع حدیث کتاب الملاحم ابوداؤد، کتاب الفتن ابن ماجہ اور کتاب التفسیر میں امام ترمذی نے بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ دین کا کام کرنا بہت مشکل ہوگا اس وقت عمل کرنے والے کو تمہارے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ صحابہ نے پوچھا پچاس آدمی اس وقت کے یا ہم میں سے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے یعنی صحابہ میں سے۔ کیونکہ تم کو نیکی میں بہت معاون مل جاتے ہیں لیکن ان کو نیکی میں کوئی معاون نہیں ملے گا یعنی بدی سیلاب کی طرح آئے گی اس وقت کسی ایک آدمی کا نیکی پر اڑ جانا بہت مشکل کام ہوگا۔)

ہم نے اپنے استاد شیخ پر اعتراض کیا کہ بعد میں آنے والے صحابہ کے اجر کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی اور اسے اتنا مستحکم کیا اور اتنا پھیلایا کہ دنیا کے کونوں تک پہنچا دیا۔ پھر خود آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور

میرے صحابہ کے ایک پاؤ جو کے خرچ کے برابر اجر کو تم نہیں پہنچ سکتے۔ پس ہم نے کافی بحث و تحیص کی۔ جس کی تفصیل ہم نے (اپنی کتاب النیرین فی الصحیحین) کی تشریح میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

صحابہ کے خصوصی اعمال تو اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی آدمی ان کی برابری کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ کچھ عام مسائل و اعمال ہیں۔ جن میں وہ شخص جو مشکلات کے دور میں بدعات اور ریاکاری سے بچ کر اس بدی کے سیلاب کے سامنے ڈٹا رہے اگرچہ اسے کتنی مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو ایسا آدمی ان عامی اعمال میں بڑھ جائے گا۔ کیونکہ وہ سب کچھ چھوڑ کر انابت الی اللہ میں مشغول ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیے ہوئے اس سے التجائیں کرتا رہے گا۔ الخ

بیت المقدس میں ابن العربی نے ابن الکازرونی سے بھی تین سال تک استفادہ کیا اور علامہ ابن العربی فلسطین اور شرق اردن میں بھی تحصیل کے لیے دور دراز علاقہ میں سفر کرتے رہے۔

دمشق کو روانگی

پھر علامہ ابن العربی شام کے علاقہ میں گئے اور دمشق میں قیام پذیر ہوئے اور علمائے کرام سے استفادہ فرماتے رہے۔ وہاں ان کے شیوخ میں سے شیخ الشافعیہ حافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم مقدسی (۴۰۹۔ ۴۹۰) اس کا تذکرہ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کیا ہے۔ اور طبقات الشافعیہ ص۲۷/۴ اور شذرات الذہب ص۳۹۵/۳ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

دمشق میں دوسرے ان کے شیخ حافظ ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد الکنانی الصدائی دمشقی (۴۴۴۔ ۵۲۴) اس کا بھی تاریخ دمشق اور شذرات الذہب ص۷۲/۴ میں تذکرہ ہے۔

ان کے علاوہ ابو الفضل احمد بن علی بن فرات متوفی ۴۹۴ھ سے بھی استفادہ

کیا۔ وہ علماء شیعہ سے تھا اس کے علاوہ دیار شام میں ابو سعید ہمدانی اور ابو القاسم بن ابو الحسن قدسی اور ابو سعید زنجانی سے بھی ملاقات کی۔

دمشق کے عجیب واقعات میں سے ایک واقعہ صاحب نفح الطیب نے ص ۳۳۸ میں بیان کیا ہے کہ کسی امیر کبیر کے گھر ایک دفعہ ابن العربی دعوت تناول فرمانے گئے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں ایک چھوٹی سی نہر جاری ہے جب ہم کھانا کھانے بیٹھ گئے تو اس نہر میں کھانے کا سامان تیرتا ہوا آنے لگا جسے خادم نے پکڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ پھر کھانے سے فارغ ہو گئے تو دوسری طرف ایک نہر تھی اس میں برتن رکھ دیئے جو تیر کر حریم خانہ کو چلے گئے۔ تو گویا یہ پردہ خانہ کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

ابن العربی بغداد میں

اس کے بعد علامہ ابن العربی اپنے باپ کے ساتھ خلافت عباسیہ کے دار الخلافہ بغداد کو روانہ ہو گیا وہاں دو سال تو انہوں نے مقتدی باللہ کی خلافت میں گزارے۔ مقتدی باللہ بڑا دیندار، نیک سیرت، عالی ہمت عباسی سرداروں میں سے تھا۔ اس کی خلافت میں نیکی کو بہت عروج حاصل ہوا۔ اس کے دور میں گانا بالکل بند ہو گیا گناہ کی زندگی سے لوگ تائب ہو گئے اور لوگوں کی عزت و مال کی خوب حفاظت کی۔ ہمارے دو سال رہنے کے بعد مستظہر باللہ احمد کی بیعت کی گئی وہ بہت اچھا ادیب اور علم دوست تھا لیکن اس کے دور میں پہلے جیسا سکون نہ تھا۔

اس دوران میں علامہ ابن العربی بڑے بڑے علماء سے استفادہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ علوم الحدیث، تراجم الرواۃ، اصول الفقہ والدین اور علوم العربیت میں پوری مہارت حاصل کی۔ جن لوگوں سے علمی استفادہ کیا وہ مندرجہ ذیل شیوخ ہیں۔

۱۔ ابو الحسین مبارک بن عبد الجبار صیرفی المعروف ابن طیوری (۴۱۱ھ-۵۰۰ھ)

یہ شخص بہت بڑے محدث وسیع العلم اور صحیح اصول کے آدمی تھے۔

۲:۔ ابوالحسن علی بن حسین بن علی بن ایوب البزاز (۴۱۰ھ-۴۹۲ھ)

۳:۔ ابوالمعالی ثابت بن بندار بقال المقری متوفی سنہ ۴۹۸ھ

۴:۔ قاضی ابوالبرکات طلحہ بن احمد بن طلحہ عاقوی حنبلی (۴۳۲ھ-۵۱۲ھ)

۵:۔ فخرالاسلام ابوبکر بن احمد بن حسین بن عمر شاشی شافعی (۴۲۹ھ-۵۰۷ھ)
ان کو زیادہ عابد و زاہد ہونے کی وجہ سے جنید کہا جاتا تھا۔ بغداد میں شافعیوں کے شیخ الکل یہی تھے ایک دفعہ اپنے درس میں یہ شعر پڑھا اور آنکھوں پر رومال رکھ کر رونا شروع کر دیا۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن العناء تفردی بالسود

(علاقے خالی ہو گئے اور میرے جیسا آدمی خود بخود سردار بن گیا اور کتنی بڑی مصیبت ہے کہ آج میں اکیلا سردار ہوں۔)

۶:۔ حافظ ابوعامر محمد بن سعدون بن مرجاء میورقی عبدری المتوفی سنہ ۵۲۴ھ
ابو داؤد ظاہری کے مسلک کے بہت بڑے فقہاء میں سے تھے۔

۷:۔ ابوالحسین احمد بن عبدالقادر یوسفی (۴۱۱ھ-۴۹۳ھ)

۸:۔ شیخ بغداد فی الادب ابوزکریا یحییٰ بن علی تبریزی (۴۲۱ھ-۵۰۲ھ)

۹:۔ ابومحمد جعفر بن احمد بن حسین سراج حنبلی (۴۱۶ھ-۵۰۰ھ) مولف کتاب مصارع العشاق

۱۰:۔ ابوبکر محمد بن ترخان ترکی شافعی (۴۴۶ھ-۵۱۳ھ) تلمیذ ابواسحاق شیرازی صاحب التنبیہ والمہذب۔

۱۱:۔ ابوالفوارس طراد بن محمد بن علی عباسی زینبی (۳۹۸ھ-۴۹۱ھ) خلیفہ کے نزدیک اس کا بہت اونچا مقام تھا۔

وزیر العادل، جو خلیفہ کا معتمد وزیر ابومنصور محمد بن فخر الدولہ کی علمی مجلسیں جو منعقد ہوا کرتی تھیں علامہ ابن العربی ان میں بھی جا کر گفتگو کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ان کی مجلس میں قاری نے یہ آیت پڑھی تحیتہم یوم یلقونہ سلام
اور اس وقت میں بغداد کے امام الحنابلہ ابوالوفا ابن عقیل (۴۳۱-۵۱۳) کے
پیچھے دوسری صف میں تھا اور وہ حنبلی ہونے کے باوجود اصول میں معتزلی
تھا جب میں نے یہ آیت سنی تو اپنے ایک ساتھ والے کو کہا کہ یہ آیت آخرت
میں اللہ تعالیٰ کی رویت پر دلیل ہے کیونکہ عرب کبھی کسی کو بغیر دیکھے
کے یہ نہیں کہتے لقیت فلاناً کہ میں نے فلاں سے ملاقات کی۔ تو ابوالوفا نے
فوراً لوٹ کر معتزلی مذہب کی مدد کے لیے یہ آیت پڑھ کر سنا دی فاعقبہم
نفاقاً فی قلوبہم الی یوم یلقونہ حالانکہ سب کہتے ہیں کہ منافق اللہ تعالیٰ کو نہیں
دیکھیں گے علامہ ابن العربی کہتے ہیں ہم نے اس کا حل "کتاب الملجئہ"
میں کر دیا ہے۔

ابن سعید جو ابن العربی کے حالات بیان کرنے والوں میں سے ایک تھے
لکھا ہے کہ ابن العربی نے اسکندریہ میں ابن الانماطی سے بھی علم حاصل کیا ہے
حالانکہ ابن الانماطی کے نام سے کئی آدمی مشہور ہوئے ہیں۔ لیکن اسکندریہ میں
ان دنوں میرے علم کے مطابق کوئی بھی ابن الانماطی کے نام کا آدمی نہ تھا۔ البتہ
بغداد میں ابوالبرکات عبدالوہاب بن مبارک بن احمد انماطی حنبلی (۴۶۲-۵۳۸)
تھے جو کہ ابوالفرج علامہ ابن جوزی کے استادوں میں سے تھا۔ شاید بغداد
میں ابن العربی نے ان سے استفادہ کیا ہو اور حالات لکھنے والوں نے اسے
مصری لکھ دیا ہو۔

بغداد میں ابن العربی محمد بن عبداللہ بن تومرت مصمودی متوفی ۵۲۴ھ
سے بھی ملے یہ محمد بن عبداللہ وہی ہے جس نے بعد میں مہدی علوی النسب
ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ دولت موحدین مراکش کا بانی تھا۔ کہتے ہیں کہ ابن
تومرت نے ابن العربی کو بغداد میں کچھ باتیں کہی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے
مغرب میں ان پر عمل درآمد کرنے سے ان کو بچا لیا تھا یہ اللہ کا خاص انعام

تھا۔ بلکہ زندگی کے آخری دنوں میں جب ابن العربی مراکش میں عبدالمومن کے وقت تشریف لائے تو ان سے اچھا برتاؤ نہ کیا گیا۔ جیسا کہ آخر میں بیان ہوگا۔

ابو حامد غزالی سے ملاقات

علامہ ابن العربی حجۃ الاسلام ابوحامد غزالی (۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ) سے بغداد میں بھی ملے۔ پھر دوبارہ شام کے صحراؤں میں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ بغداد میں تو امام غزالی سے شروع میں ہی ملاقات ہوئی۔ امام غزالی ان دنوں مدرسہ نظامیہ بغداد میں درس دیا کرتے تھے۔ ابن العربی نے امام غزالی سے صرف سماع ہی کیا۔ پھر سنہ ۴۸۸ھ میں امام غزالی حج کو چلے گئے۔ اس کے بعد الگ تھلگ دمشق میں جا کر رہنا شروع کیا انہی دنوں اپنی کتاب احیاء العلوم مرتب کی۔ اس کے بعد دوبارہ بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے سامنے رباط ابوسعید میں قیام کیا اس وقت ابن العربی ان سے ملے اور استفادہ بھی کیا۔

چنانچہ نفح الطیب والے نے صفحہ ۳۳۸ میں اور ازہار الریاض والے نے صفحہ ۹۱/۳ میں ابن العربی کی کتاب "قانون التاویل" سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

ورد علینا دانشمند یعنی الغزالی فنزل برباط ابی سعد بازاء المدرستہ النظامیۃ معرضا عن الدنیا مقبلا علی اللہ الخ

نفح الطیب صفحہ ۳۴۲/۱ میں بھی اس ملاقات کا تذکرہ ہے۔

زاہدانہ زندگی کی ملاقات جو کہ شام کے جنگلوں میں ہوئی اس کا تذکرہ شذرات الذہب صفحہ ۱۳۴ میں ہے۔

بغداد میں ابن العربی کے استادوں میں سے ایک اور دانشمند بھی تھا اور اسے بڑا دانشمند کہتے تھے اور وہ اسمٰعیل طوسی تھا اور غزالی کو چھوٹا دانشمند کہتے تھے اور فارسی زبان میں دانشمند عارف باللہ کو کہتے ہیں۔

حج بیت اللہ اور واپسی

ابن العربی اپنے باپ کے ساتھ سنہ ۴۸۹ھ میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے وہاں

مکہ معظمہ میں ابو عبداللہ حسین بن علی بن حسین طبری شافعی (۴۱۸ھ-۴۹۸ھ) سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد بغداد میں واپس آئے اور پھر دو سال تک امام غزالی کی صحبت میں رہے۔

سنہ ۴۹۲ھ میں اپنے باپ کے ساتھ واپس وطن کو جانے کے لیے سفر پر نکلے راستہ میں شام و فلسطین کے مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے شہر اسکندریہ پہنچے۔ وہاں سنہ ۴۹۳ھ میں ان کے باپ نے وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

ان دنوں امام ابوبکر طرطوشی اسکندریہ آ چکے تھے اور وہیں رہائش پذیر تھے۔ وہاں ان کے سینکڑوں شاگرد بن گئے تو انہوں نے طریقہ اہل سنت کا احیا شروع کیا۔ کیونکہ عبیدی شیعوں کی وجہ سے وہاں اہل سنت کا زور کم ہو رہا تھا۔

علامہ ابن العربی اپنے والد کی وفات کے بعد اسکندریہ سے واپس اپنے وطن اندلس کو روانہ ہوئے اور اسی سفر کے دوران انہوں نے سب سے پہلی تالیف "عارضۃ الاحوذی" شروع کی۔ حافظ ابن عساکر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

ابن العربی اشبیلیہ میں

جب ابن العربی اپنے وطن اشبیلیہ میں پہنچے اس وقت وہاں کی حکومت یوسف بن تاشفین کے پاس تھی۔ تو تمام علاقہ کے علماء و ادیب ان کے پاس آ کر شرق سے آنے والے اور علامہ مشرق سے استفادہ کرنے کے لیے لوگ جوق در جوق آنے لگے تو اپنے گھر میں ہی درس و تدریس کی مجلس قائم کر دی۔ وہاں قاضی مغرب شافعی عیاض بن موسیٰ مؤلف الشفا و مشارق الانوار اور ان کا لڑکا محمد بن عیاض اور حافظ مورخ ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بشکوال اور امام ابو عبداللہ بن احمد بن مجاہد اشبیلی اور ابو جعفر بن باذش اور ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحیم خزرجی اور ابو عبد اللہ

محمد بن عبداللہ بن خلیل قلیسی اور ابوالحسن بن نعمت اور ابوبکر محمد بن خیر الاموی اور ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد جبیش اور امام عبدالرحمن بن عبداللہ سہیل اور ابوالعباس احمد بن عبدالرحمن صفر الغفاری اور ابوالحسن عتیق قرطبی اور ابوالقاسم احمد بن محمد صوفی اور ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمن ازدی الخراط اور ابوبکر محمد بن محمد لخمی البلنقی اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عاصی غرناطی اور ابوالحسن عبدالرحمن بن احمد بقی اور ابوالعباس احمد بن ولید بن رشد اور ابومحمد عبداللہ بن احمد بن سعید عبدری شارح صحیح مسلم اور ابوالعباس یوسف بن عبداللہ عیاد اور حافظ ابوالحجاج یوسف بن ابراہیم عبدری اور قاضی احمد بن عبدالرحمن بن مضا لخمی اور ابواسحاق ابراہیم بن یوسف بن قرقول شارح مشارق الانوار اور ان جیسے اور نامی گرامی تلمیذان رشید کا عظیم اجتماع رہنے لگا۔

اور شاید انہی شاگردوں میں سے "العواصم من القواصم" کتاب کا راوی صالح بن عبدالملک بن سعید بھی ہو جس کا کتاب کی ابتدا میں تذکرہ ہے۔

علامہ ابن العربی نے وہاں چالیس سال تک مجلس درس و تدریس قائم رکھی۔ نیز وہاں کے منصب قضا کی مشاورت بھی ان کے سپرد ہوئی۔ حالانکہ اندلس میں اس وقت تک کسی عالم کو فتویٰ دینے کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی جب تک مؤطا اور مدونہ ازبر نہ ہو یا دس ہزار حدیث کا حافظ نہ ہو تب حکومت کی طرف سے اسے اعزازی دستار بندی ایک ٹوپی کی شکل میں ملتی جسے وہ لوگ مقلس کہتے تھے۔

جب ابن العربی کے حلقہ درس سے بڑے بڑے اجل علماء فارغ التحصیل ہو کر جا رہے تھے ان دنوں سیاسی حالات یہ تھے کہ یوسف بن تاشفین اندلس میں فتوحات میں مشغول تھا۔ اور مشرقی اندلس اور جنوبی اندلس کے صوبوں پر اس وقت اس کے بیٹے علی بن یوسف بن تاشفین اور تمیم بن یوسف بن تاشفین حاکم تھے۔ ۵۱۳ھ عیسائیوں نے اسلامی شہروں پر یورش کی جس

کی وجہ سے پھر یوسف بن تاشفین اندلس میں مغرب سے آیا اور ان کو پوری پوری سزا دی اور مزید فتوحات میں مشغول رہا حتی کہ ۵۱۱ھ میں وہاں سے واپس لوٹا اسی دوران میں علامہ ابن العربی کا علمی دور دورہ عروج پر تھا اور عظیم تالیفات اور درس و تدریس میں مشغول تھے اور ان کے شاگرد المغرب اور اندلس میں دور دور تک پھیل چکے تھے۔

۵۲۸ھ میں عہدہ قضا پر اشبیلیہ میں تقرری ہوئی جس کی وجہ سے حسن انتظام اور عدل و انصاف کا دور دور تک چرچا پھیل گیا جس کا تذکرہ قاضی عیاض۔ ابن بشکوال، ابن سعید اور اندلس کے تمام دیگر مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

اس قضا کے دور میں بھی درس دینا بند نہ کیا۔ ان کے شاگرد امام ابو عبد اللہ اشبیلی کہتے ہیں کہ جب میں سبق سے فارغ ہوتا تو حکومت کی طرف سے سواری دروازہ پر انتظار میں کھڑی ہوتی تھی۔

دنیا دار علماء ہمیشہ اس جیسے نیک، باعمل علماء سے حسد کرتے آئے ہیں۔ کیونکہ ابن العربی کے عہدۂ قضا کے دوران نیکی کا دور دورہ ہو گیا، عدل و انصاف، اصلاح معاشرہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے مجاہدانہ کارناموں کو عروج تک پہنچا دیا اور باوجود عہدۂ قضا پر متمکن ہونے کے طبیعت کی نرمی و ملاوٹ اور سخاوت اور نیکی کی وجہ سے لوگوں میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور یہی وجہ حسد تھی۔

انہی دنوں اشبیلیہ کی فصیل حوادثات زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی۔ اس کو درست کروانے میں اپنا ذاتی مال تک سب خرچ کر دیا بلکہ پھر اس رفاہ عام کے لیے سب سے پہلے قربانی کی کھالیں انہی نے استعمال کروائیں جس کی وجہ سے علماء سوء کو بہت دکھ ہوا اور انھوں نے ابن العربی کے مکان پر حملہ کر دیا جس طرح امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر باغیوں نے حملہ کر دیا تھا یہ

واقعہ عہدۂ قضاء کے آخری ایام میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کا اشارہ انہوں نے اپنی اسی کتاب "العواصم من القواصم" میں بھی کیا ہے جو کہ ۵۳۶ھ کی تالیف ہے تو گویا یہ واقعہ ۵۳۰ھ اور ۵۳۶ھ کے درمیان کا ہے۔ چنانچہ اس کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں

"میں نے لوگوں میں عدل وانصاف سے فیصلے کیے اور نماز کا پڑھنا لازمی قرار دیا۔ امر بالمعروف کو رواج دیا اور نہی عن المنکر کا یہ اہتمام کیا کہ زمین سے برائی کا خاتمہ ہو گیا۔ ظالموں پر پوری سختی کی اور بدکرداروں کا ناطقہ بند کر دیا جس کی وجہ سے وہ مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ پس میں نے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا اور گھر کا پہرہ دینے والوں کو روک دیا کہ میرا دفاع مت کریں۔ بہرحال جب میں اکیلا ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا تو باغی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ اگر قسمت اچھی نہ ہوتی تو وہیں گھر پر ہی قتل ہو جاتا اور میں نے لوگوں کو دفاع سے اس لیے روک دیا کہ ایک تو رسول اللہ کا فرمان یاد تھا کہ فتنہ میں لڑائی مت کرو اور دوسرا خلیفہ راشد کی اقتدا مقصود تھی تیسرا تازہ تازہ نیکی کا دور دورہ ہوا تھا جس کو بدنام نہ کرنا چاہتا تھا جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے سے روک دیا تھا جبکہ اس نے کہا لیخرجن الاعز منہا الاذل تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد کیا آئے کہ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہے۔"

پس علامہ اس حادثہ میں سخت زخمی ہوئے اور ان کا تمام کتب خانہ چھین لیا گیا۔ اس وجہ سے عہدہ قضا چھوڑ کر قرطبہ چلے گئے۔ اس واقعہ نے علامہ کی عزت شاگردوں میں اور بھی زیادہ کر دی۔

اس واقعہ میں ایک حکمت بھی تھی کہ ابن العربی عہدہ قضا کو چھوڑ کر علمی مشاغل میں مشغول ہو گئے اور بڑی بڑی تالیفات مرتب کیں۔ چنانچہ کچھ تذکرہ

ان کی تالیفات کا بھی درج ذیل ہے۔

۱:۔ انوار الفجر فی تفسیر القرآن ۔ یہ کتاب بیس سال میں مرتب کی جو اسّی ہزار ورق پر مشتمل تھی۔ اس کتاب کو یوسف بن حزام نے آٹھویں صدی میں سلطان ابو عنان فارسی کے کتب خانہ مراکش میں دیکھا تھا۔

۲:۔ قانون التاویل فی تفسیر القرآن ۔ یہ بہت بڑی کتاب تھی جو گیارہویں صدی تک موجود تھی جس کا تذکرہ علامہ مقری نے نفح الطیب میں کیا ہے جیسے ہم نے نقل کیا ہے۔

۳:۔ احکام القرآن ۔ یہ بہت عجیب کتاب ہے جس کو سلطان المغرب مولای عبدالحفیظ نے مصر سے طبع کروایا تھا۔

۴:۔ الناسخ والمنسوخ فی القرآن

۵:۔ القبس فی شرح موطا مالک بن انس ۔ یہ آخری تالیفات میں سے تھی جس کا تذکرہ انوار الفجر میں ہے۔

۶:۔ کتاب المشکلین ۔ مشکل الکتاب و مشکل السنۃ

۷:۔ کتاب النیرین فی الصحیحین

۸:۔ عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی ۔ یہ سب سے پہلی تالیف ہے جو مشرق سے واپسی پر لکھی گئی ۔ ہم (علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ) نے اس کا قلمی نسخہ کتب جمعیۃ الہدایۃ الاسلامیہ میں دیکھا تھا جسے ہمارے ایک دوست علامہ سید محمد خضر حسین نے مغرب سے لا کر پیش کیا تھا۔

۹:۔ ترتیب المسالک فی شرح موطا مالک ۔

۱۰:۔ شرح حدیث جابر فی الشفاعۃ ۔

۱۱:۔ حدیث الافک ۔

۱۲:۔ العواصم من القواصم ۔

۱۳:۔ شرح حدیث ام زرع ۔

۱۴:۔ الکلام علی مشکل حدیث السبحات والحجاب۔

۱۵:۔ السباعیات۔

۱۶:۔ المسلسلات۔

۱۷:۔ الدرۃ الاقصی باسماء اللہ الحسنی وصفاتہ العلیا۔

۱۸:۔ تفصیل التفضیل بین التحمید والتہلیل۔

۱۹:۔ المتوسط فی معرفۃ صحۃ الاعتقاد۔ والرد علی من خالف السنۃ وذوی البدع والالحاد۔

۲۰:۔ المحصول فی علم الاصول۔

۲۱:۔ الانصاف فی مسائل الاختلاف۔ یہ کتاب بیس جلدوں میں تھی۔

۲۲:۔ شرح غریب الرسالۃ لابن ابی زید القیروانی

۲۳:۔ کتاب ستر العورۃ۔

۲۴:۔ الخلافیات۔

۲۵:۔ مراقی الزلف۔

۲۶:۔ سراج المریدین۔ یہ نقل شدہ ہے اس کا تذکرہ العواصم من القواصم میں بھی ہے۔

۲۷:۔ نواہی الدواہی۔

۲۸:۔ العقل الاکبر للقلب الاصغر

۲۹:۔ الکافی فی ان لا دلیل علی النافی۔

۳۰:۔ سراج المہتدین

۳۱:۔ تنبیہ الصحیح فی تعیین الذبیح

۳۲:۔ ملجاۃ المتفقہین علی معرفۃ غوامض النحویین۔

۳۳:۔ اعیان الاعیان۔

۳۴:۔ تخلیص التلخیص۔

۳۵۔ ترتیب الرحلۃ للترغیب فی الملۃ:

اس کے علاوہ علامہ کو شعر و شاعری سے بھی حظ عظیم حاصل تھا چنانچہ ایک دفعہ ان کے پاس ادیب ابن صارہ شنتر ینی آیا اور اس وقت قاضی ابوبکر آگ کے سامنے بیٹھے تھے جس پر راکھ آچکی تھی تو ابن صارہ سے کہا اس آگ پر کوئی شعر فرمایئے۔ تو انہوں نے کہا ؎

شَابَتْ نَوَاصِی النَّارِ بَعْدَ سَوَادِهَا ۔۔۔ وَتَسَتَّرَتْ عَنَّا بِثَوْبِ رَمَادِ

پھر ابن صارہ نے ابن العربی سے کہا کہ آپ بھی کچھ فرمایئے۔ تو انہوں نے کہا ؎

شَابَتْ كَمَا شِبْنَا وَزَالَ شَبَابُنَا ۔۔۔ فَكَأَنَّمَا كُنَّا عَلَى مِيعَادِ[1]

ابن العربی کے آخری ایام میں علی بن یوسف بن تاشفین فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا تاشفین والی بنا۔ انہیں ایام میں ابن تومرت کی دولت موحدین کو عروج ہوا۔ ابن تومرت کے بعد عبدالمومن والی بنا جو ابن تاشفین پر غالب آیا اور معز بن تاشفین کو عبدالمومن نے دہران میں رمضان ۵۳۹ھ میں قتل کر دیا اور اس کے بھائی اسحاق بن علی بن یوسف بن تاشفین کا مراکش میں ۵۴۰ھ میں محاصرہ کیا بالآخر ۱۱ ماہ کے محاصرہ کے بعد ابن تاشفین کی دولت مرابطین الخ[1]

---

[1] شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والے سمجھتے ہیں کہ شعر تو دونوں درست ہیں۔ لیکن پہلے شعر میں وزن و قافیہ ہی ہے اور دوسرے میں جس پر گرہ لگائی گئی ہے اس میں وزن و قافیہ کے علاوہ دینداری۔ دنیا کی بے ثباتی اور خدا خوفی جھلک رہی ہے جو کہ پہلے میں ناپید ہے۔ شعر ۱ کا ترجمہ یہ ہے (آگ جوانی کے بعد بوڑھی ہو گئی اور اس نے راکھ کے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا ہے) دوسرے شعر کا ترجمہ یہ ہے (آگ بھی بوڑھی ہو گئی جیسے ہم بوڑھے ہو گئے اور ہماری جوانی چلی گئی گویا ہم سب جانے کے لیے اپنے اپنے وقت کے منتظر ہیں) (خالد گھرجاکھی)

سال کی حکمرانی کے بعد ختم ہوگئی۔ گویا کہ ابن العربی نے دو حکومتوں کا زوال دیکھا دولت آل عباد جو ابن تاشفین کے ہاتھوں زوال پذیر ہوئی۔ اس وقت ابن العربی نوجوانی کے عالم میں تھے اور دوسری دولت ابن تاشفین کا زوال جو عبدالمومن دولت موحدین کے ہاتھوں ہوا۔ اس وقت ابن العربی بڑھاپے میں تھے۔

اس کے بعد اندلس کے شہروں سے وفد مراکش پہنچنے لگے تاکہ مرابطین اندلس پر بھی قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اشبیلیہ کا وفد ابن العربی کی قیادت میں مراکش وارد ہوا لیکن عبدالمومن نے ان کو قید کر دیا۔ اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی کہ کیوں قید کیا۔ چنانچہ قریباً ایک سال کے بعد اس وفد کو رہا کر دیا گیا اور رہائی کے بعد اثنائے سفر اغلان مقام پر وفات پائی۔ چنانچہ ان کی لاش کو فاس شہر میں لے جایا گیا اور ان کے رفیق سفر ابوالحکم بن حجاج نے جنازہ پڑھایا اور بروز اتوار سات ربیع الاول ۵۴۳ھ کو شہر کے اوپر کی طرف باب المحروق کے باہر دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ واعلی مقامہ فی دار الخلود۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عدول ہیں
خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انکی عدالت کو بیان کیا ہے
صحابہ پر جرح کرنے والے بے دین ہے

امام حافظ محدث ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (۳۹۲ - ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب الکفایہ میں ایک نہایت عجیب فصل لکھی ہے۔ اس کتاب کو نظام حیدرآباد دکن نے ہندوستان میں ۱۳۵۷ھ میں طبع کرایا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ کے مقدمہ میں اس کتاب پر اعتماد کیا ہے اور اصابہ کو سلطان مغرب عبد الحفیظ نے ۱۳۲۳ھ میں مصر سے چھپوا کر شائع کیا تھا یہ اقتباس جو ذیل میں درج ہے اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔

"صحابہ کرام کی عدالت خداوند تعالیٰ کے کلام سے ثابت و معلوم ہے اور خداوند تعالیٰ نے ان کی پاک بازی اور پسندیدہ خصائل کو قرآن مجید کی آیات میں بیان فرمایا ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (پ ۴)

کہ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے پیدا کیا گیا۔

اور یہ بھی فرمایا۔

وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (پ ۲)

کہ ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں کی نگرانی کرو اور رسول تمہاری نگرانی کرے۔

اور یہ بھی فرمایا۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا (پ ۲۶)

کہ اللہ تعالےٰ ان مومنوں سے خوش ہوا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دل کے خلوص کو جانا اور اپنی طرف سے ان پر تسکین نازل فرمائی اور انہیں فتح عنایت فرمائی۔

نیز فرمایا۔

والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (پ ۱۱)

کہ مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے پہلے لوگ اور وہ جنہوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی اللہ تعالےٰ ان سب سے خوش ہے اور وہ اللہ تعالےٰ پر خوش ہیں

نیز فرمایا۔

والسابقون السابقون اولئک المقربون فی جنات النعیم۔ (پ ۲۷)

کہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والے بہت مقرب اونچے مرتبے والے لوگ ہیں یہی نعمتوں والی جنت میں بھی پہلے داخل ہونے والے ہیں

نیز فرمایا۔

یایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین (پ)

کہ اے نبی تجھے اللہ تعالےٰ اور تمہاری پیروی کرنے والے ہی کافی ہیں

نیز فرمایا۔

للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا و ینصرون اللہ ورسولہ اولئک

کہ ان فقیر مہاجروں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فضل کے طالب ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں یہی لوگ

هم الصادقون والذين تبوؤا الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم و لا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة ومن یوق شح نفسہ فاولئک هم المفلحون (پ ۲۸ ع ۴)

گفتار و کردار کے سچے ہیں اور وہ جنہوں نے اپنے گھروں میں جگہ دی اور ان کے آنے سے پہلے ایمان کو جگہ دی۔ ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنی جان پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگدست ہی ہوں اور جو بھی نفس کی بخیلی سے بچ گئے وہی نجات پانے والے ہیں

یہ تو صرف قرآن مجید کی چند آیات پر ہی اکتفا کیا ہے اسی طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کی تعریف بیان کی ہے اور بڑی تفصیل سے ان کی عظمت بیان کی ہے اور وہ بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند ایک بیان کرتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب امت سے بہترین زمانہ میرا ہے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے ملنے والے ہوں گے اس کے بعد وہ جو ان سے ملنے والے ہوں گے (یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ) اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو شہادت دینے سے پہلے قسم اٹھایا کریں گے۔ اور بغیر شہادت طلب کیے ہی شہادت دیں گے۔ ابوہریرہ اور عمران بن حصین نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ خدا کی قسم اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا نصف مد جو کے اجر کو بھی نہیں پہنچ سکتا (یعنی پاؤ بھر جو خرچ کرنے کے برابر تمہارا پہاڑ سونا خرچ کرنا بھی نہیں ہو سکتا۔)

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جب کوئی حکم تمہیں اللہ کی کتاب سے ملے تو اس پر عمل کرو اس کو چھوڑنے کے
لیے تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔ پھر اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو میری سنت
ثابتہ پر عمل کرو۔ اگر میری سنت ثابتہ نہ ملے تو پھر میرے صحابہ کے قول پر عمل کرو۔
یقیناً میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جس کے پیچھے لگو گے ہدایت
پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

سعید بن مسیب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے صحابہ کے اختلاف کے
متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے محمد تیرے
صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں بعض دوسروں سے زیادہ
تابندہ تر ہیں۔ پھر جس آدمی نے جس صحابی کی راہ بھی اختیار کر لی وہ میرے نزدیک
ہدایت پا گیا ہے۔

اور ایک حدیث امام شافعی نے اپنی سند سے انس بن مالک سے روایت
کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب
مخلوق سے برگزیدہ کیا اور میرے صحابہ کو دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی ہے
میرے مددگار ہیں اور انہی میں سے میرے داماد اور سسر ہیں۔ آخر زمانہ میں
کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو ان کی عیب جوئی کریں گے۔ تم ان کی عورتوں سے
نکاح نہ کرنا اور ان کے ساتھ مل کر نمازیں نہ پڑھنا۔ اگر وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ
نہ پڑھنا۔ ان پر خدا کی لعنت ہے۔

حافظ کبیر ابوبکر بن خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اس معنی میں احادیث
بے شمار ہیں اور تمام قرآن مجید کی نص کے مطابق ہیں اور یہ تمام آیات اور
احادیث صحابہ کرام کی طہارت اور پاکبازی کا تقاضا کرتی ہیں اور انکی عدالت
اور ثقاہت پر قطعی دلیل ہیں۔ خداوند تعالیٰ اور رسول کی تعدیل کے بعد اور

کسی کی تعدیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ باطن کو اچھی
طرح جانتے ہیں اور اگر بالفرض قرآن مجید کی کوئی آیت اور رسول اللہ کی کوئی
حدیث نہ بھی ہوتی تو ان کی زندگی بول بول کر شہادت دے رہی ہے کہ وہ
عدالت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

انہوں نے خدا کے لیے ہجرت کی۔ جہاد کیا۔ دین کی مدد کی۔ مال اور جان
کو اس راہ میں خرچ کیا۔ خدا کے لیے اپنے بیٹوں اور باپوں تک کو قتل کیا۔ دین
کی خیر خواہی کی ان کے ایمان اور یقین کی قوت نہایت بلند تھی۔ یہ سب چیزیں
شہادت دیتی ہیں کہ وہ عادل تھے ان کے عقائد درست تھے اور وہ تمام تعدیل
کرنے والوں سے بھی زیادہ عادل تھے اور قیامت تک ان کا ثانی پیدا ہونا
محال ہے۔

ہمیں ابو منصور محمد بن عیسیٰ ہمدانی نے صالح بن احمد۔ ابو جعفر احمد بن
عبدی۔ احمد بن محمد تستری کے واسطے سے ابو زرعہ سے روایت کیا کہ آپ نے
فرمایا جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر
تنقید کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق (بے دین) ہے۔ کیونکہ ہمارے عقیدہ کے
مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں اور قرآن برحق ہے اور قرآن
مجید اور سنت کو ہم تک صرف انہی بزرگوں نے پہنچایا ہے اور یہ لوگ چاہتے
ہیں کہ ہمارے شاہدوں پر جرح کریں تاکہ کتاب و سنت رسول مجروح ہو
جائے اور یہ دشمنان دین خود جرح کیے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور یہی
زندیق لوگ ہیں

اور ابو زرعہ جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر جرح
کرنے والے کو زندیق کہا ہے۔ ان کا اسم گرامی عبید اللہ بن عبد الکریم رازی ہے
بنی مخزوم کے موالی میں سے ہیں اور بڑے بڑے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا
ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے متعلق کہا تھا کہ ابو زرعہ سے

سے حافظے والا کوئی آدمی اس ملک پہ سے نہیں گذرا۔" اور امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق کہا ہے کہ "ابو زرعہ نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔"

آپ کی وفات سنہ ۲۶۴ھ میں ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کے
موقف کی تحقیق میں

اَلْعَوَاصِمُ مِنَ الْقَوَاصِمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

صالح بن عبد الملک بن سعید نے کہا میں نے امام محمد ابوبکر بن العربی پر پڑھا تو فرمایا۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اے اللہ حضرت محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد اور ان کی آل کو اسی طرح کی برکت عطا فرما جیسی برکت تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کو عنایت فرمائی۔ تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

اے اللہ ہم تجھ سے احسان کی درخواست کرتے ہیں جیسا کہ ہم تیری مدد سے مشکلات کو دور کرنے کی درخواست کرتے ہیں اور تجھ سے عصمت (بچاؤ) کا سوال کرتے ہیں جیسا کہ ہم تیری رحمت کے طالب ہیں۔ اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور جیسے تو نے ہمیں علم عنایت فرمایا ہے۔ ہمیں عمل کی توفیق بھی دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم تیری نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور ہمیں ایسی راہ پر چلا جو ہمیں تجھ تک پہنچا دے اور اپنے اور ہمارے درمیان دروازہ کھول دے کہ ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہو سکیں۔ تیرے ہی پاس زمین اور آسمانوں کے خزانے ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے[1]۔

---

[1] اس حمد اور بہترین دعا کے ساتھ امام ابن العربی نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم" کی پہلی جلد کو شروع کیا ہے اور ہم نے اسی دعا کے ساتھ اس کتاب کی جلد ثانی کے اس حصہ کو شروع کیا ہے جو جز اول کی مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۹۵ سے لے کر صفحہ ۱۹۱ تک پھیلا ہوا ہے اور اس حصہ کو ہم نے الگ کیا ہے جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کرام کے موقف کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کے شروع میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں ۱۲۔

قاصمۃ الظہر

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے لیے
اور ہمارے لیے اپنے دین کو مکمل کر دیا اور ان پر اور ہم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا۔ "آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم
پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا" تو دنیا کے قانون
کے مطابق اس پر بھی زوال آنے کا وقت آگیا۔ کیونکہ جب کوئی چیز پوری ہو جاتی ہے تو وہ
نقصان کی طرف مائل ہو جاتی ہے تاکہ صرف حق کو کمال باقی رہے جس سے عروج اللہ کی
بنا ہمارے واسطے مقدر ہوا اور یہی عالم عرفان ہے اور آخرت کا گھر اور دین اللہ کا گھر ہے
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی
سے ابھی ہاتھ بھی صاف نہیں کیے تھے کہ ہمارے دل ہم سے بدلنے لگے[1]۔

حالت نہایت پیچیدہ ہو گئی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کی بدولت سے اسلام کو بچا لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک
کمر توڑ حادثہ تھا اور صبر کی مصیبت تھی۔

ا۔ ابن جوزی کے مطبوعہ نسخہ میں "ہمارے نفس" کے الفاظ ہیں اور بیہقی میں "ہمارے دل" ہی کے
الفاظ متعدد روایات سے ثابت ہیں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان کی طرف اشارہ
کیا ہے۔ ایک حدیث تو امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ جس دن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اس دن ہر چیز چمک اٹھی تھی اور جس دن آپ
کی وفات ہوئی اس دن ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر کی مٹی سے ابھی ہاتھ بھی صاف نہیں کیے تھے کہ ہمارے دلوں میں تغیر آنے لگا۔ اس
اس حدیث کو اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث
صحیح غریب ہے۔ ابن کثیر نے کہا اس کی سند صحیح ہے اور شرط شیخین پر ہے ۱۲

کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو حضرت فاطمہ کے ساتھ گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور حضرت عثمان بالکل خاموش ہو گئے۔

ملا کیونکہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں جبکہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اصرار کیا کہ "ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے" اور آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ صرف چھ ماہ بقید حیات رہیں اپنے گھر الگ بیٹھ رہیں اور حضرت علی بھی ان کے ساتھ علیحدہ ہی رہے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں کہا ہے کہ جب حضرت فاطمہ بیمار ہوئیں تو حضرت صدیق ان کے پاس آئے اور ان کو راضی کرتے رہے پھر وہ راضی ہو گئیں اسے بیہقی نے اسمٰعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے شعبی سے روایت کیا ہے اور پھر کہا یہ مرسل حسن ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ سے بواسطہ حضرت عائشہ روایت کیا کہ جب حضرت فاطمہ فوت ہوئیں تو حضرت علی نے رات کے وقت ان کو دفن کر دیا اور ان پر جنازہ بھی خود پڑھا اور حضرت ابوبکر کو اطلاع نہ کی حضرت فاطمہ کی وجہ سے حضرت علی کی بہت عزت تھی جب وہ فوت ہو گئیں تو لوگوں کے منہ نہ رہے تو آپ نے حضرت ابوبکر سے صلح کر کے بیعت کر لی اور یہ بیعت آپ کی دوسری بیعت تھی اور پہلی بیعت وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کر چکے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی حضرت صدیق اکبر کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور جب صدیق اکبر نے مرتدین سے جہاد کیا تو حضرت علی بھی اس جہاد میں برابر شریک رہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ "حضرت علی کے چھپ رہنے" سے مؤلف کی مراد وہ علیحدگی ہو جو سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع سے پہلے حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام سے وقوع میں آئی اور حضرت عمر نے اپنے سب سے بڑے خطبہ میں جو آپ نے اپنے آخری حج کے بعد ذی الحج کے مہینہ کے بعد دیا تھا اس بات کا تذکرہ کیا تھا اور یہ خطبہ مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔

اور حضرت عمرؓ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بلایا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتوں کے لیے بلایا تھا[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس آئیں گے اور (منافق) لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔[2]

---

[1] یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو سورہ بقرہ میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا"۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں فرمایا اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا پھر دس راتوں کا اور اضافہ ہوا اور ان کے رب کا وعدہ چالیس رات کا پورا ہوا۔

[2] مسند امام احمد میں حضرت انس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سلسلہ میں مروی ہے کہ پھر آپ نے پردہ ڈال دیا اور پھر آپ کی اسی روز وفات ہو گئی تو حضرت عمر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اسی طرح کا پیغام بھیجا ہے جس طرح کا موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا وہ بھی چالیس رات تک اپنی قوم سے علیحدہ رہے تھے اور مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور پھر آپ ان منافقین کے ہاتھ اور زبانیں کاٹ دیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے۔

اور صحیح بخاری کی کتاب فضائل صحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی۔ اور کہا خدا کی قسم میری سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ اللہ آپ کو پھر اٹھا دے گا اور ایسی باتیں کرنے والوں کے آنحضرت ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔

اور حافظ ابن کثیر نے بیہقی کے حوالہ سے البدایہ والنہایہ میں عروہ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور جو لوگ کہتے تھے کہ حضور کا انتقال ہو گیا ہے ان کو قتل کی دھمکی دینے لگے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

(باقی بر صفحہ ۹۸)

اور حضرت علی اور حضرت عباس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران اپنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا کہ موت کے وقت بنی عبد المطلب کے چہروں کی سی کیفیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی دیکھ رہا ہوں۔ سو آؤ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں۔ اگر یہ معاملہ ہمارے سپرد ہو جائے تو ہمیں معلوم تو ہو جائے گا۔[۱]

پھر اس کے بعد حضرت عباس اور حضرت علی کے ش... نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ ص۹۷) صرف غشی کی کیفیت طاری ہے جب آپ اٹھ کھڑے ہوں گے تو اس قسم کی باتیں کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔

اور پھر البدایہ والنہایہ میں حضرت عائشہ کی حدیث بھی درج ہے کہ آپ آنحضرت کی وفات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمر اور مغیرہ بن شعبہ آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اجازت دی پھر وہ دونوں دروازے میں آ کر کھڑے ہو گئے اور مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمر سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو حضرت عمر نے کہا تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ شاید تم فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اللہ تعالے منافقین کو ختم نہ کر دے۔ پھر ان کے بعد حضرت ابو بکر آئے اور پھر مسجد کی طرف گئے عمر اس وقت خطبہ دے رہے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہو سکتی جبتک کہ منافق ختم نہ ہو جائیں اور یہ سب کچھ اس عظیم حادثہ کا اثر تھا کہ حضرت عمر جیسے آدمی کے حواس جواب دے رہے تھے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] حضرت علیؓ نے ان کو جواب دیا کہ خدا کی قسم ہم اسکے متعلق رسول اللہؐ سے بالکل گفتگو نہ کرینگے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ سلطنت ہمیں نہ دیں اور اس صورت میں قیامت تک پھر ہمیں سلطنت نہ مل سکے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ابن عباس سے اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے ۱۲

ترکہ میں الجھ گئے وہ فدک اور بنی نضیر اور خیبر کے ترکہ سے میراث کا حصہ چاہتے تھے[1]

اور انصار اپنی الجھن میں تھے وہ اپنی حکومت کے خواہاں تھے یا کم از کم مہاجرین کے ساتھ مل کر مشترکہ حکومت قائم کرنا چاہتے تھے[2]

اور اس لشکر کی ہمت ختم ہو چکی تھی جو اسامہ بن زید کی ماتحتی میں جرف کے مقام پر ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔[3]

---

[1] اس کی مفصل بحث آئندہ اس حدیث کے ماتحت آرہی ہے کہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ۱۲

[2] انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ان کا امارت کے متعلق نظریہ حضرت سعد بن عبادہ کے متعلق تھا۔ انکا خیال تھا کہ خلافت انصار کا حق ہے۔ کیونکہ خلافت مدینہ میں قائم ہوگی اور مدینہ انصار کی ملکیت ہے اور ہم لوگ ہی اللہ کے دین کے مددگار رہے اور ہم ہی اسلام کا لشکر تھے۔ لہذا خلافت انصار کیلئے ہونا چاہیئے۔ باقی رہے قریش تو ان لوگوں سے ٹکراؤ کیا تو فتنہ ضروری ہے لیکن انصار کے علاوہ وہ کوئی مضبوط مرکز قائم نہ کر سکیں گے اور انصار کے خطیب حضرت حباب بن منذر نے کہا ہم اس درخت اسلام کا اصل تنا ہیں اور ہم ہی اس کے ... ہیں لیکن پھر بھی اگر تم اصرار کرو تو ایک امیر تم میں سے ہو جائے اور ایک ہم میں سے۔
لیکن اس کے باوجود ایک انصاری بشیر بن سعد خزرجی جو انصار میں ان کے ... تھے لگے اور حضرت عمر کے ساتھ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس حادثہ ملت سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں دو آدمی موجود تھے یعنی عویم بن ساعدہ اوسی اور معن بن عدی جو انصار کے حلیف تھے ان کو یہ جھگڑا پسند نہ آیا تو وہ دونوں باہر چلے گئے ان دونوں کی یہ رائے تھی کہ صرف مہاجر اس معاملہ کا فیصلہ کرلیں اور کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہ دیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور نورانیت جو اللہ نے ان کے دل میں ڈالا تھا وہ ان سب سے زیادہ تھا ان کی حکمت اور مصلحت ان سب سے بلند تر تھی۔

[3] اس لشکر میں سات سو آدمی تھے اور امیر اسامہ بن زید تھے۔ ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرقی اردن (بلقاء) کی طرف روانہ فرمایا تھا جہاں حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تھے جب آنحضرت (باقی بر صفحہ)

خاتمہ

پھر اللہ تعالٰے نے اسلام اور مسلمانوں کو بچا لیا۔ (اور پریشانیاں اس طرح دور ہو گئیں جیسے بادل پھٹ جاتا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات اور دین کی پوری اقامت کے متعلق اللہ تعالٰے نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اگرچہ اسلام پر قیامت جیسی مصیبت گذر گئی) اور اس کا ظاہری سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود تھا۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت ابوبکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو بہت سے صحابہ نے جن میں حضرت عمر بھی تھے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو واپس بلا لیا جائے۔ کیونکہ مدینہ کی فضا خطرناک ہو چکی تھی۔ اور خصوصاً بیرونی قبائل میں۔ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو عرب کے لوگ مرتد ہونے لگے اور نفاق بڑھنے لگا۔ خدا کی قسم یہ مصیبت جو ہم پر نازل ہوئی تھی اگر پہاڑوں پر نازل ہوتی تو مضبوط پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی کیفیت ان پہاڑی بکروں جیسی تھی جو درندوں کی سرزمین میں بارش کی رات میں گھر گئے ہوں۔ خدا کی قسم اس وقت جس کسی بات میں بھی اختلاف ہوا میرے والد اس کی طرف لپکے اور جا کر اس کی مہار اور لگام پکڑ لی۔ (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تدبّر اور مقام رفیع کا پتہ کرنا ہو تو اسی ایک واقعہ کو دیکھ لینا کافی ہے کہ رسالتمآب کی رحلت کے بعد۔ منافقین کھلم کھلا مرتد ہونے لگے۔ مانعین زکوٰۃ کا گروہ پیدا ہوا جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی سلطنت کو مالی طور پر مفلوج کر دیا جائے۔ پھر مسیلمہ کذاب سر اٹھانے لگا اور فوج مدینہ منورہ سے باہر جا چکی تھی۔ ایسے حالات میں صدیق اکبر نے چند دنوں میں حالات پر قابو پا لیا اور ہر طرف مفسدین کی شرارتوں کو دبا دیا) (مترجم) (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یعنی اللہ تعالٰے نے اسلام اور مسلمانوں کو ابوبکر صدیق کے ذریعہ بچا لیا۔ ۱۲

موجود نہ تھے۔ بلکہ اپنے مکان پر سنح میں گئے ہوئے تھے۔ پھر آپ اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں آئے اور یہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تھا۔ آپ نے آنحضرت کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا۔ ان پر جھکے اور پیشانی اقدس پر بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی میں بھی پاکیزہ رہے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ رہے۔ خدا کی قسم اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا۔ جو موت آپ کے مقدر میں تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔ پھر آپ مسجد کی طرف آئے لوگ وہاں موجود تھے اور حضرت عمر بھی تک اسی ہذیانی کیفیت میں بول رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ ابوبکر منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا

۱۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر صدیق نے مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے کچھ افاقہ تھا۔ آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو دیکھا وہ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کو یہ منظر بہت پسند آیا اور تبسم فرمانے لگے اور مسلمانوں کو اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ ان کا دل چاہتا تھا کہ نماز چھوڑ کر آپ کے پاس چلے جائیں اور ابوبکر نے سمجھا کہ شاید آپ تشریف لانا چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور پردہ ڈال دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار تھا۔ پھر ابوبکر نماز سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آئے اور حضرت عائشہ سے فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں آج بہت افاقہ ہے۔ ابوبکر کی دو بیویاں تھیں۔ خارجہ کی بیٹی سنح میں تھیں جو مدینہ کی مشرقی جانب ایک میل کے فاصلہ پر بنی حارثہ کا محلہ تھا اور آج اس کی باری تھی۔ پھر آپ گھوڑے پر سوار ہو کر مقام سنح میں آئے اور چاشت کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سالم بن عبید حضرت ابوبکر کو آنحضرت کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اطلاع کے بعد آئے اور پھر وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۱۲

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمدؐ کی پوجا کیا کرتا تھا تو وہ تو اب وفات پا چکے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اب بھی زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "حضرت محمدؐ بھی تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تھے اور آپ سے پہلے بھی کئی رسول گذر چکے ہیں۔ پھر اگر آپ کی موت ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنا دین چھوڑ جاؤ گے؟ جو آدمی الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ شکر گذاروں کو عنقریب اس کی جزا دیگا" (آل عمران)

لوگ جب باہر نکلے تو وہ گلیوں اور بازاروں میں اس آیت کی تلاوت کرتے پھرتے تھے۔ گویا کہ یہ آیت آج ہی اتری ہے۔[1]

اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ وہ کسی بات پر متفق نہیں ہو رہے تھے۔ جب مہاجرین کو اس کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے۔ انصار کو بلا بھیجو تو ابو بکرؓ نے کہا نہیں۔ ہمیں خود وہاں پہنچنا چاہیئے۔ پھر مہاجرین وہاں پہنچ گئے ان میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور ابو عبیدہؓ بن جراح بھی تھے۔ آپس میں گفتگو شروع ہوئی۔ تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا[2] "ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے"۔ تو ابو بکرؓ نے اس دن بہت سی باتیں کہیں اور بالکل صحیح کہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ تم امیر ہو لے گے اور تم وزیر ہو گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "امام قریش سے ہوں گے"[3]۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت عائشہؓ سے اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں عبدالرحمن بن عوف سے بواسطہ حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے اور یہ واقعات چونکہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہوتے تھے اور آپ کا گھر مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا یہی وجہ ہے کہ احادیث کی تمام کتب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس بلند کردار کو نہایت صحیح سند یا سند سے نقل کیا گیا ہے۔ اور تمام کتب کے الفاظ قریباً قریباً یکساں ہیں ۱۲

[2] یہ انصار کے خطیب حضرت حباب بن منذر نے کہا تھا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ۱۲

[3] یہ حدیث مسند طیالسی میں ابو برزہ اور حضرت انسؓ سے اور صحیح بخاری کتاب الاحکام (باقی ص ۱۰۳)

"میں تمہیں انصار کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کے نیکوں کو قبول کرو اور ان کے برائی کرنے والے سے درگذر کرو۔[۱] بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مہاجر[۲] لوگ" رکھا ہے اور تمہارا نام[۳] خلاصی پانے[۴] والے" اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ہمارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خلافت کا معاملہ قریش میں رہیگا اور جو بھی ان سے اس معاملہ میں الجھے گا اللہ اسے منہ کے بل گرائے گا جب تک کہ قریش دین کو قائم رکھیں گے" اور عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک کہ قریش کے دو آدمی بھی رہیں گے خلافت انہی کے پاس رہیگی" اور مسند امام احمد میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ آپ نے فرمایا "امام قریش سے ہوں گے اور ان کا تم پر یہ حق ہے" اور یہ حدیث مسند امام احمد میں ایک اور جگہ بھی حضرت انس سے مروی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں ہم ایک انصاری کے گھر میں تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا "امام قریش سے ہونگے اور ان کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے بھی ان پر حق ہیں" اور امام احمد نے ابو برزہ سے بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "امام قریش سے ہوں گے ان پر واجب ہے کہ جب ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کریں اور وعدہ کریں تو پورا کریں اور فیصلہ کریں تو انصاف کریں اور جو اس طرح نہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے" ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گذرے انصار اس وقت رو رہے تھے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا وقت تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے پوچھا بھائی کیوں روتے ہو؟ تو کہنے لگے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہم میں مجلس ہوتی تھی اور وہ یاد آرہی ہے۔ تو حضرت ابوبکر نے جا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ باہر تشریف لائے آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس کے بعد یہ

(باقی بر صفحہ ۱۰۴)

ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے ہم جہاں کہیں بھی رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے ایماندارو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو" (سورۂ توبہ) اور ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک بے نظیر باتیں کہیں جن کے دلائل بڑے قوی تھے۔ تو انصار کو یہ چیزیں یاد آ گئیں اور انہوں نے ان کو تسلیم کیا اور ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) نہ آسکے آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا "میں تمہیں انصار کے متعلق وصیت کرتا ہوں یہ میرے معدہ اور جگر کی طرح ہیں جو ان کے ذمہ تھا وہ انہوں نے پورا کر دیا اور ان کے حقوق ابھی باقی ہیں ان کے نیکوں کو قبول کرو اور ان کے خطا کاروں کو معاف کرو"۔ بالکل یہی مضمون صحیح مسلم میں ابو سعید خدری سے اور ترمذی میں ابن عباس سے مروی ہے۔

[۱۲] یہ سورہ حشر کی ان آیات کی طرف اشارہ ہے للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون ○ والذين تبوؤا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون ○ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور امام احمد نے امیر المومنین حضرت عثمان کے بھانجے حضرت حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف زہری سے حضرت ابو بکر کا سقیفۂ بنی ساعدہ والا خطبہ نقل کیا ہے۔ اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر سب لوگ ایک راہ اختیار کر لیں اور انصار کوئی دوسری راہ اختیار کریں تو میں بھی انصار کی راہ اختیار کروں گا۔ اور اے سعد تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور تم اس وقت بیٹھے تھے کہ "قریش خلافت کے حقدار ہیں نیک لوگ نیک قریش کے پیچھے ہوں گے اور برے لوگ برے قریش کے پیچھے"۔ تو حضرت سعد نے جواب دیا۔ آپ نے بالکل سچ فرمایا "ہم وزیر ہیں اور آپ لوگ امیر ہیں"۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے کہا آپ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے حکم کے مطابق لشکر لے کر چلے جائیں تو حضرت عمرؓ نے کہا آپ اس لشکر کو کیسے روانہ
کریں گے کیونکہ تمام عرب میں اس وقت شورش بپا ہو چکی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر مدینہ
کی عورتوں کی ٹانگیں بھی کتے پکڑنے لگیں تب بھی میں اس لشکر کو واپس نہ بلاؤں گا جسے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔
پھر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے بھی ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ اگر اس وقت عرب

لہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں امام بیہقی کے حوالے سے باسند ابوہریرہ کی حدیث نقل کی
ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اگر حضرت
ابوبکر خلیفہ نہ بنائے جاتے تو اللہ کی عبادت ختم ہو جاتی آپ نے تین مرتبہ یہ کلمات دہرائے۔ کسی نے
کہا ابوہریرہ ذرا رکو تو جواب دیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو سات
سو سوار دے کر شام کی طرف روانہ فرمایا جب وہ ذی خشب میں پہنچے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کی وفات ہو گئی۔ مدینہ کے ماحول میں عربی لوگ مرتد ہونے لگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ نے اکٹھے ہو کر عرض کیا اس لشکر کو واپس بلا لو۔ آپ رومیوں کے مقابلہ میں تو لشکر روانہ
کر رہے ہیں اور مدینہ کے ماحول میں عرب لوگ مرتد ہو رہے ہیں تو آپ نے کہا "اس اللہ کی قسم جس
کے علاوہ کوئی معبود نہیں اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر بھی کوئی آفت
آ جائے تب بھی میں اس لشکر کو واپس نہ بلاؤں گا جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود روانہ
فرمایا ہے اور میں اس جھنڈے کو نہ کھولوں گا جس کی گرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لگائی
ہے"۔ پھر آپ نے حضرت اسامہ کو روانہ کر دیا جب حضرت اسامہ کسی ایسے قبیلے کے پاس سے
گزرتے جو مرتد ہونے کا ارادہ کر رہے ہوں تو اس قبیلہ کے لوگ کہتے اگر مسلمانوں میں کچھ کمزوری
پائی جاتی تو وہ اپنا لشکر باہر نہ بھیجتے۔ اب بہتر یہ ہے کہ ہم رومیوں کی لڑائی کا انجام دیکھ لیں۔
چنانچہ رومیوں سے جنگ ہوئی۔ رومی لشکر نے شکست کھائی اور بہت سے مارے گئے اور
مسلمان صحیح سلامت واپس آئے تو وہ قبائل پھر اسلام پر پختہ ہو گئے ۱۲

لوگ زکوٰۃ ادا نہ کریں تو آپ ان سے خاموشی اختیار کرلیں تو انھوں نے جواب دیا "خدا کی قسم اگر وہ اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے جسے وہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے تو میں ان سے اس پر بھی لڑائی کردوں گا۔ خدا کی قسم میں ہر اس آدمی سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں امتیاز کرے گا"۔[1]

---

[1] اسامہ کے لشکر نے جب شرق اردن کی راہ لی تو قبائل کے وفد مدینہ میں آنے شروع ہوئے وہ نماز کا تو اقرار کرتے تھے لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری تھے۔ ابن کثیر نے کہا کہ ان لوگوں نے یہ دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "آپ انکے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک وصاف کریں اور ان کے لیے رحمت کی دعا کریں آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے" (سورۃ توبہ) تو وہ کہنے لگے کہ ہم اپنی زکوٰۃ صرف اس کو دے سکتے ہیں جس کی دعا ہمارے لیے تسکین کا باعث ہو۔ دوسرے صحابہ نے بھی حضرت صدیق سے گفتگو کی کہ ان کو ان کی موجودہ حالت پر رہنے دیں اور زکوٰۃ کا اصرار نہ کریں لیکن حضرت صدیق نے اس سے انکار کر دیا۔ ابن ماجہ کے سوا تمام محدثین نے یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ عمر فاروق نے حضرت صدیق سے عرض کیا۔ "آپ کس بنا پر ان سے لڑائی کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے جنگ لڑ سکتا ہوں جبتک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہیں کہہ لیتے جب انہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے مال اور اپنے خون محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق سے"۔ تو صدیق اکبر نے جواب دیا خدا کی قسم اگر وہ ایک بکری کا بچہ (یا فرمایا ایک رسی) بھی روکیں گے جسے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم میں ہر اس آدمی سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا۔ پھر حضرت عمر نے کہا بعد میں مجھے بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا ہے اور یہی درست ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور البدایہ والنہایہ میں حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سے مروی ہے کہ بنو اسد۔ غطفان اور بنو طے نے طلیحہ اسدی کو وکالت کے لیے منتخب کیا اور اس نے مدینہ (باقی برصفحہ)

لوگوں نے پوچھا آپ کے پاس کونسی فوج ہے جس سے لڑو گے"؟ تو فرمایا میں اکیلا لڑونگا جب تک کہ میری موت نہ واقع ہو جائے"[۱]

آپ نے لشکروں پر امیر مقرر کیے اور شہروں میں گورنر۔ اور ان کو پورے اختیار سپرد کیے اور یہ سب کچھ خود سوچ سمجھ کر کیا اور آپ کا یہ عمل بہترین عمل تھا اور اسلام کی خدمت میں افضل ترین کوشش[۲]

(بقیہ حاشیہ ۱۰۶) میں اپنے وفد بھیجے۔ وہ بڑے بڑے صحابہ سے ملے حضرت عباس کے سوا سب نے ان کی خاطر مدارات کی اور پھر ابوبکر کی خدمت میں لے کر آئے اور کہنے لگے یہ نمازیں پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہ دیں گے تو اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر کو حق پر ہونے کی ہمت دی۔ کہنے لگے" اگر یہ لوگ زکوٰۃ کی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے لڑوں گا"۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱۔ حدیث میں "سالفہ" کے لفظ ہیں اور سالفہ گردن کی ایک طرف کو کہتے ہیں۔ تو گردن کے دونوں جانب دو سالفہ ہوئے تو ایک سالفہ دوسرے سے موت یا قتل کے بعد ہی الگ ہو سکتا ہے۔ الفاظ حدیث حدیث کا ترجمہ اس طرح ہے" یہاں تک کہ میری گردن کی ایک سمت دوسری سمت سے علیحدہ ہو جائے"۔

۲۔ لشکروں کے امراء میں اور طلایہ گرد دستہ میں جانے والوں کے یہ نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح فہری۔ عمرو بن عاص سہمی۔ خالد بن ولید مخزومی۔ خالد بن سعید بن عاص اموی۔ یزید بن ابی سفیان۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ مہاجر بن امیہ (حضرت ام سلمہ کے بھائی) شرحبیل بن حسنہ۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ سہیل بن عمرو عامری (خطیب قریش) قعقاع بن عمرو تمیمی۔ عرفجہ بن ہرثمہ بارقی۔ علاء بن حضرمی حلیف بنی امیہ۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی حذیفہ بن محصن غطفانی۔

اور شہروں کے حاکمین میں سے یہ لوگ قابل ذکر ہیں عتاب بن اسید اموی۔ عثمان بن عاص ثقفی۔ زیاد بن لبید انصاری۔ ابوموسیٰ اشعری۔ معاذ بن جبل۔ یعلیٰ بن منیہ۔ جریر بن عبداللہ بجلی۔ عیاض بن غنم۔ ولید بن عقبہ۔ عبداللہ بن ثور۔ سوید بن مقرن مزنی وغیرہ۔

اور آپ نے حضرت فاطمہؓ، علیؓ اور عباسؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے"۔ پھر دوسرے صحابہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا۔[۱]

---

[۱] صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت صدیق کے پاس پیغام بھیجا۔ آپ نے اپنے والد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا تھا اور یہ مطالبہ اس مال کے متعلق تھا جو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو فئے کے طور پر دیا تھا (یہ مال مدینہ اور فدک میں تھا اور خیبر کا خمس تھا) تو حضرت ابوبکر نے فرمایا "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ آل محمد اس مال میں سے صرف کھا سکتے ہیں یعنی اللہ کے مال سے اور ان کا یہ حق نہیں کہ وہ اس سے زیادہ لیں" اور خدا کی قسم میں اس اللہ کے مال کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا یہ اسی طرح رہے گا جس طرح رسول اللہ کے زمانہ میں تھا اور جو عمل اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے میں بھی بالکل وہی کروں گا"۔

پھر حضرت علی نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد فرمایا "اے ابوبکر ہم آپ کی فضیلت کو جانتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت اور ان کے حقوق کا تذکرہ کیا۔ تھا حضرت ابوبکر نے فرمایا خدا کی قسم مجھے اپنی قرابت کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت زیادہ عزیز ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر میں ہے۔

اور صحیح بخاری کی کتاب الوصایا اور کتاب فرض الخمس میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے وارث درہم و دینار کا ترکہ تقسیم نہ کریں گے میں جو چھوڑ جاؤں وہ میرے گھر والوں کے اخراجات اور ملازمین کی تنخواہ کے علاوہ سب صدقہ ہے"۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اس (باقی بر صفحہ ۱۰۹)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ!) حدیث کو ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمن بن عوف اور عباس بن عبد المطلب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات اور ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ان جوابات سے یہ حدیث صحاح اور مسانید سب میں ثابت ہے اور اس سے پہلے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالے نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اس سے محفوظ رکھا کہ وہ دنیا ورثہ میں چھوڑ جائیں تاکہ مخالفین یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ ان لوگوں نے دنیا کمائی اور اپنے وارثوں کے لیے بڑی بڑی جائدادیں چھوڑ گئے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آنحضرت کے ورثاء میں آپ کی بیویاں بھی تو تھیں، اور ان میں حضرت عائشہ حضرت ابوبکر کی بیٹی بھی تھیں اور اسی حدیث کی بنا پر انہوں نے اپنی بیٹی کو بھی محروم کر دیا۔ اگر حضرت ابوبکر فطری میلان کی طرف جاتے تو وہ پسند کرتے کہ ان کی بیٹی کو ورثہ ملے۔

اور صحیح بخاری کتاب فرض الخمس میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی نے آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر سے سوال کیا کہ رسول اللہ کے ترکہ یعنی مال فئے میں سے ان کا حصہ ان کو دیا جائے تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے تو اس بنا پر ابوبکر نے ان کو میراث کا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا میں کوئی ایسی چیز چھوڑنے کے لیے تیار نہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ جو وہ عمل کرتے تھے میں بھی وہی کروں گا کیونکہ اگر میں چھوڑ دوں تو مجھے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اور صحیح بخاری جلد چار میں مالک بن اوس بن حدثان نضری سے روایت ہے کہ میں اپنے گھر بیٹھا تھا۔ دن اچھا خاصہ چڑھ آیا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب کا ایلچی آیا اور کہا امیر المومنین آپ کو بلاتے ہیں۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں ابھی ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کا دربان یرفا آیا اور کہا حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص

(باقی بر صفحہ!!)

سے منسلہ ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے اسی جگہ دفن بھی ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ نے ان کو اندر بلوالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یرفا پھر آیا اور کہا حضرت علی اور عباس آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا انھیں بلوالو چنانچہ دونوں آئے اور سلام کہہ کر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عباس نے کہا اے امیر المومنین میرے اور علی کے درمیان آپ فیصلہ کردیں اور وہ دونوں بنی نضیر کے مال فے کے متعلق جھگڑ رہے تھے تو حضرت عثمان اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تائید کی کہ واقعی ان کا جھگڑا نپٹا دینا چاہیئے۔ تاکہ ان کے مغالطے رفع ہوجائیں اور ان میں پیار اور محبت بدستور قائم رہے تو حضرت عمر نے فرمایا ذرا ٹھہرو! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ اس سے آنحضرت اپنا آپ مراد لے رہے تھے۔ تو سب نے جواب دیا ٹھیک ہے پھر حضرت عمر نے حضرت عباس اور علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تم دونوں سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں ٹھیک ہے (پھر آپ نے ذکر کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنی ازواج مطہرات کا سال کا خرچ نکالا کرتے تھے اور باقی مال انھیں مدات پر خرچ کر دیتے جو اللہ تعالے نے مقرر کی ہیں اور پھر ان سے گواہی لی تو دونوں نے شہادت دی پھر اس کے بعد فرمایا) پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابوبکر نے کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوں اور اس مال کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کیا کرتے تھے وہی کچھ ابوبکر نے بھی کیا اور خدا جانتا ہے کہ وہ اس میں سچے تھے، نیک تھے صحیح راہ پر تھے حق کے تابع تھے پھر ابوبکر فوت ہوگئے تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا میں نے اس مال کو دو سال تک اپنے قبضہ میں رکھا میں بھی وہی کچھ کرتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کیا کرتے تھے اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا تھا۔ نیک نیت تھا صحیح راہ پر تھا حق کا تابع تھا پھر تم دونوں (باقی بر صفحہ ۱۱۱)

تھے۔ آپ یہ تمام باتیں نہایت جرأت اور دلیری اور ثابت قدمی اور دین کے پورے علم کی بنا پر کہہ رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) میرے پاس آئے اور تم دونوں کا مطالبہ ایک ہی تھا اور دونوں کی بات ایک تھی۔ عباس اپنے بھتیجے کا ورثہ مانگتے تھے اور تم اے علی اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرتے تھے۔ تو میں نے تم دونوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ پھر اس کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں اس مال کو تمہاری تحویل میں دیدوں تو میں نے کہا اگر تم چاہو تو میں یہ مال تمہارے سپرد کر دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم بھی اس میں وہی کچھ کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے کیا اور جو میں نے دو سال تک کیا تو تم نے کہا ٹھیک ہے اسے ہمارے سپرد کر دو تو میں نے اسی شرط پر وہ مال تمہارے سپرد کر دیا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اسی شرط پر نہ دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا ہاں تو پھر حضرت عمر نے کہا کیا اب فیصلہ کے علاوہ کوئی اور فیصلہ مجھ سے چاہتے ہو؟ اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں اب میں اس میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہ کروں گا اور اگر تم اس مال کو سنبھالنے سے عاجز آ گئے ہو تو میرے سپرد کر دو میں اسے سنبھال لوں گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب المغازی، کتاب النفقات، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ اور کتاب الفرائض میں حضرت مالک بن اوس سے روایت کیا ہے اور یہی حدیث مسند امام احمد میں بھی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء کو اس مال سے کئی گنا زیادہ دے دیا جو ان کو میراث میں ملتا اور پھر فدک ایک چھوٹی سی بستی ہی تھی جو اپنی تحویل میں لی تھی۔ کوئی شہر نہیں تھا اور نہ کوئی قصبہ اور پھر اس کے بعد کہا کہ پھر حضرت علی جب خلیفہ ہوئے اور فدک وغیرہ ان کی تحویل میں چلے گئے تو پھر آپ نے بھی تو وہ مال حضرت فاطمہ کی اولاد کو نہ دیا اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کو دیا اور نہ ہی اس میراث سے کچھ عباس کی اولاد کو ملا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ ۱۱۲)

پھر ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا اور اسلام کی برکت ظاہر ہوئی اور ان دونوں خلیفوں کے متعلق خدا کا وعدہ پورا ہوا[لہ] - اور پھر حضرت عمرؓ نے ایک مجلس شوریٰ مقرر

(حاشیہ صفحہ ۱۱۱) [لہ] موطا امام مالک کتاب الجنائز میں ہے امام مالک کو یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سوموار کو ہوئی اور منگل کے روز دفن ہوئے - لوگ آپ پر نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھتے رہے کسی نے امامت نہ کرائی - پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو منبر کے پاس دفن کیا جائے اور کچھ لوگوں نے کہا جنۃ البقیع میں دفن کرنا چاہئے پھر ابو بکر صدیق آئے تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا "نبی ہمیشہ وہیں دفن ہوئے جس جگہ ان کا انتقال ہوا"۔

حافظ ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث کئی طرق سے صحیح ثابت ہے اور امام مالک نے وہ تمام حدیثیں جمع کی ہیں - ترمذی کتاب الجنائز میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ کے دفن کرنے میں اختلاف ہو گیا - پھر ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور میں اس کو بھولا نہیں ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہر نبی کو وہیں فوت کرتے رہے ہے جہاں ان کو دفن کرنا مقصود تھا - لہذا آپ کو ان کے بستر کی جگہ دفن کیا جائے - ابن ماجہ کتاب الجنائز میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا - ایک رائے یہ تھی کہ آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے - کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جنۃ البقیع میں صحابہ کرام کے ساتھ دفن کیا جائے تو حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا "نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے" - اور یہی مضمون سیرۃ ابن ہشام میں محمد بن اسحاق ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ النہایۃ میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[لہ] اور یہ وعدہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ نور میں فرمایا - اللہ ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ اللہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ اس نے ان سے پہلے بھی

(باقی بر صفحہ ۱۱۳)

کردی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس کمیٹی سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔ اور آپ

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۲) خلیفے مقرر کیے۔ اور اللہ ان کے ذریعہ اپنے پسندیدہ دین کو مضبوط کریگا اور ان کے ذریعہ خوف کی جگہ امن وامان بپا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس ارشاد کے بعد بھی ان کا انکار کریں گے وہ ہی فاسق ہوں گے ان دونوں خلیفوں کا دور اسلامی حکومت کا وہ سنہری دور ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کیونکہ اس دور میں سبھی لوگ خواہ وہ حاکم ہوں یا رعیت انتہا درجہ کا ایثار کرتے تھے۔ ہر آدمی اپنی کمائی میں سے صرف اپنی ضروری حاجتیں پوری کرتا اور باقی سارا مال بہبودیٔ خلائق میں خرچ کر دیتا اور ہر آدمی توقع اور اپنی ہمت سے بڑھ کر خرچ کرتا تاکہ دین حق کو دنیا میں قائم کیا جائے اور لوگوں کا بھلا ہو اور ہر نیک آدمی جب کسی بُرے آدمی سے ملتا تو کوشش کرتا کہ اس کی برائیاں ختم ہو جائیں اور اس پر متواتر اس وقت تک محنت کرتا جب تک کہ اس کی برائیاں ختم نہ ہو جاتیں اور اس کی خوبیاں اجاگر نہ ہو جاتیں اور وہ بھی نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا۔

اور اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں میں شروع سے لے کر آج تک ایسے آدمی بھی رہے ہیں جن کے دل حضرت ابوبکر اور عمر جیسے حضرات سے بھی کینہ اور بغض سے بھرے ہوتے ہیں پھر ان لوگوں کے متعلق کیا کہنا جن اہل خیر وصلاح سے شیخین مدد لیتے رہتے۔ ان لوگوں نے ان پر جھوٹے الزامات اور بہتان وافتراء سے ان کی شخصیت کی ایسی شکل وصورت بنا دی ہے جس کو ان کی اصلی صورت سے کوئی واسطہ نہیں ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو مطمئن کر سکیں کہ جن سے ان کو بغض ہے واقعی وہ ان کے بغض ہی کے مستحق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ جھوٹ اور اکاذیب سے بھری پڑی ہے اور اس وقت تک مسلمان قوم کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں جب تک کہ اپنے اسلاف کی اصلی شکل وصورت سے واقف نہ ہوں اور ان سے راہنمائی حاصل نہ کریں اور اس وقت تک ان کی اصلی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسلامی تاریخ کو جھوٹ اور بہتان سے پاک صاف نہ کر لیا جائے[۱۲]

انتخاب خلیفہ میں حَکم مقرر ہوئے۔ اب وہ سوچنے لگے اور جستجو کرنے لگے کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے پھر غور و خوض کے بعد آپ نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا[۱] حضرت عبدالرحمن بن عوف نے شرائط کے مطابق پوری دیانتداری سے اس عہد کو پورا کیا۔ نہ کسی شرط میں کوئی کمی کی۔ نہ کسی بُری بات کا ارتکاب کیا اور نہ سنت کی

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الفضائل میں عمرو بن میمون سے حدیث مروی ہے اس میں حضرت عمر کی شہادت بیان ہوئی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح حضرت عمر نے چھ آدمیوں کو خلافت کے حقدار انتخاب کیا اور یہ وہ لوگ تھے جن سے زندگی بھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش رہے اور کس طرح حضرت عبدالرحمن بن عوف اس سے دستبردار ہوگئے اور کس طرح وہ خلیفہ کے انتخاب کے مجاز مقرر ہوئے اور کس طرح انہوں نے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ یہ حدیث اس مضمون کے متعلق سب سے زیادہ صحیح اور اچھی ہے اور اس کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی تحریر بھی منہاج السنۃ میں قابلِ غور ہے کہ کس طرح حضرت عمر نے چھ آدمی انتخاب کیے اور اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی خلافت میں اتفاق و محبت و تعاون تھا اور چاروں خلفاء میں سے حضرت علی اور حضرت عثمان ایک دوسرے سے سب سے زیادہ قریب تھے۔

اور ابن تیمیہ نے منہاج میں امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح حضرت عثمان کی بیعت پر مسلمانوں کا اتفاق ہوا تھا اس طرح کا اتفاق کسی کی بیعت پر نہ ہوا آپ کو مسلمانوں نے متواتر تین روز تک مشورہ کرنے کے بعد خلیفہ منتخب کیا اور سب مسلمان آپس میں متفق و متحد تھے۔ آپس میں پیار و محبت تھا اور خدا تعالے کے دین کی بہبودی مدنظر تھی اور پھر اللہ تعالے نے ان کو غالب کیا اور ان کے ذریعہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، اور دین سربلند ہوئے اللہ تعالے نے ان کو کافروں پر مدد دی۔ اور انہوں نے شام، عراق اور خراسان کے علاقے فتح کر لیے۔

مخالفت کی۔

۱۵۔ اور حضرت عثمان کے متعلق آپ کا یہ گمان کیوں نہ ہوتا کہ آپ کی پاک سیرت اور حسن خاتمہ کی خبر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے جو وحی کے بغیر اپنی مرضی سے کلام تک نہیں فرماتے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت عثمان کے ترجمہ میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو جنت کی بشارت سنائی اور انہیں جنتی لوگوں میں شمار کیا اور آپ کو شہید کہا اور وہ حدیث جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متواتر منقول ہو اس کے خلاف وہی آدمی عقیدہ رکھے گا جو جہنم میں جانا پسند کرے اور ترمذی نے حضرت طلحہ سے روایت کی ہے جو خود عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نبی کا ایک ساتھی ہوتا ہے اور میرے ساتھی جنت میں حضرت عثمان ہیں"۔

حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے اللہ تعالے سے دعا کی کہ جس آدمی کو میں نے اپنی بیٹی نکاح کر کے دی یا جس نے مجھ کو اپنی بیٹی نکاح کر دی اسے دوزخ سے بچایا جائے"۔

اور اس افضل ترین آدمی کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک شہادت ایسی ہے جس کی تمنا حضرت ابوبکر اور عمر بھی کرتے تھے وہ یہ کہ امام مسلم نے کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے متعلق فرمایا کیا میں اس آدمی سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں"۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ "ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین اور پھر ہم صحابہ کو چھوڑ دیتے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔

اور مہلب بن ابی صفرہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت عثمان کو ذوالنورین کیوں کہا

(باقی برص ۱۱۶)

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۵) جاتا ہے؟ تو فرمایا اس لیے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں گذرا جس کے نکاح میں کسی پیغمبر کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ سوائے حضرت عثمان کے۔

اور خیثمہ نے فضائل الصحابہ میں نزال بن سبرہ سے روایت کی ہے (یہ نزال ابو بکر، عثمان اور علی کے شاگرد ہیں اور شعبی اور ضحاک کے استاد) کہ ہم نے حضرت علی سے عرض کیا کہ ہمیں حضرت عثمان کی کوئی بات بتائیں تو آپ نے فرمایا "یہ وہ آدمی ہیں جن کا فرشتوں میں "ذو النورین" نام مشہور ہے۔

اور جب حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا "ہم نے اپنے میں سے بہترین آدمی کی بیعت کی ہے اور اب ہمیں کوئی کسی قسم کی پروا نہیں ہے"۔

اور جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آپ ہم سب میں سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے اور ان لوگوں سے تھے جو ایمان لائے اور پرہیزگار اور نیکوکار تھے اور اللہ تعالےٰ نیک لوگوں کو پسند کرتے ہیں"۔

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لوگ حضرت عثمان پر بعض چیزوں کا اعتراض کرتے ہیں اگر وہی کچھ حضرت عمر کرتے تو ان پر کوئی بھی اعتراض نہ کرتا"۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کی خلافت کا سارا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ سنت کی اتباع میں بڑے سخت تھے اور اس کے باوجود یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے متعلق حضرت عثمان پر اعتراض کیا گیا ہے وہ حضرت عمر سے بھی سرزد ہو سکتی ہیں حالانکہ حضرت عمر ان کے باپ تھے اگر یہ چیزیں حضرت عمر سے سرزد ہوتیں تو کوئی ان پر اعتراض نہ کرتا۔

اور مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان سے میں نے سنا آپ خطبہ میں فرما رہے تھے "اے لوگو! تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ ہر روز تم میری خلافت کی بھلائیاں (باقی ص۱۱۷)

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۶)

تقسیم کرنے ہوئے"

اور حضرت حسن بصری نے کہا "میں نے حضرت عثمان کے منادی دینے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ حضرت عثمان نے فرمایا ہے کہ آ کر اپنے اپنے عطیے لے جاؤ" پھر لوگ گئے اور بہت بہت مال لے کر واپس آتے۔ پھر منادی ہوتی لوگو! آ کر غلہ لے جاؤ" پھر لوگ گئے اور کافی غلہ لائے پھر منادی ہوئی "آ کر کپڑے لے جاؤ" پھر لوگ کپڑے لائے۔ پھر منادی ہوئی گھی اور شہد لے جاؤ" پھر لوگ گھی اور شہد لائے"

حضرت حسن نے کہا اس وقت رزق کثیر تھا اور بھلائی بہت تھی۔ اور آپس کے معاملات درست تھے کسی مسلمان کو کسی مسلمان سے کوئی خوف نہ تھا۔ آپس میں پیار، محبت، الفت اور ایک دوسرے کی مدد تھی۔ اگر لوگ" ان چیزوں پر صبر کرتے تو انہیں رزق اور عطیات کافی ملتے رہتے۔ لیکن انہوں نے صبر نہ کیا اور تلواریں اٹھا لیں۔ کفار کی طرف سے تلواریں نیام میں ڈال لیں اور مسلمانوں پر کھینچ لیں[1] (حافظ ابن عبدالبر)

اور محمد بن سیرین نے کہا (یہ حسن بصری کے بھائی اور ان کے ساتھی تھے اور حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ دیکھا تھا) "حضرت عثمان کے زمانہ میں دولت اتنی زیادہ ہو گئی کہ ایک لونڈی روپیہ سے تل کر فروخت ہونے لگی ایک ایک گھوڑا لاکھ درہم تک فروخت ہوتا۔ کھجور کا ایک درخت ہزار روپیہ میں بکتا"

حضرت عبداللہ بن عمر سے کسی نے حضرت عثمان اور علی کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے سائل سے کہا "اللہ تیرا برا کرے تو ان دو آدمیوں کے متعلق مجھ سے پوچھتا ہے جو دونوں ہی مجھ سے بہتر تھے کیا تو چاہتا ہے کہ میں ان میں سے ایک کو گرا دوں اور دوسرے کو اچھال دوں" ۱۲

---

[1] حسن بصری حضرت عثمان کی شہادت کے وقت چودہ سال کے تھے انہوں نے آپ کی خلافت کی برکات دیکھیں جسے بیان کر دیا۔ بعد کے کسی راوی (غالباً رافضی) نے "لوگ" کی بجائے "انصار" کا لفظ لکھ دیا جو اس کے اندرونی بغض کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے ۱۲

۱۵۔ صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں آ کر بیٹھے اور مجھے دربان بنا کر دروازہ پر بٹھا دیا تو ایک آدمی نے آ کر اجازت مانگی تو آنحضرت نے فرمایا اسے اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری سناؤ یہ حضرت ابو بکر تھے۔ پھر ایک اور نے آ کر اجازت مانگی آپ نے فرمایا آنے دو اور جنت کی بشارت سناؤ۔ یہ حضرت عمر تھے پھر ایک اور آدمی آیا اور اجازت مانگی۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا اسے اندر آنے دو اور اس مصیبت پر جو اسے پہنچنے والی ہے اسے جنت کی بشارت سناؤ۔ دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری میں کئی جگہ آتی ہے۔

اور اسی طرح صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ میں بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری ہی سے یہ حدیث مروی ہے اور ابن ماجہ نے مقدمہ کے باب گیارہ میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کی ہے (یہ انصار کے حلیف تھے اور صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے اور سورہ بقرہ کی فدیہ کی آیت انہی کے حق میں نازل ہوئی) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر کیا اور اسے قریب ہی بتایا تو اس وقت ایک آدمی گذرا جس نے اپنا سر اور منہ لپیٹ رکھا تھا تو آپ نے فرمایا "یہ آدمی اس دن ہدایت پہ ہوگا" میں اچھل کر گیا اور حضرت عثمان کو دونوں کندھوں سے جا کر پکڑ لیا اور ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور پوچھا کیا یہ شخص ہدایت پر ہوگا تو آپ نے فرمایا "ہاں یہی ہدایت پہ ہوگا"۔

اور مسند امام احمد میں ابو سہلہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے روز فرمایا کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس عہد پہ صبر کروں گا"۔

اور امام ترمذی نے اس کو وکیع سے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے (باقی بر صفحہ ۱۱۹)

اور آپ اور آپ کی بیوی حضرت رقیہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی
یہ دونوں حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے پہلے مہاجر تھے
جو دونوں مل کر فی سبیل اللہ ہجرت کے لیے نکلے اور یہ سب[۱] سے پہلے" والا ایک بہت
بڑا علم ہے جسے لوگوں نے جمع کیا ہے۔
اور جب آپ کی امامت و خلافت صحیح ہوئی تو آپ مظلوم شہید ہوئے[۲]۔
تاکہ اللہ کا فیصلہ شدہ کام پورا ہو جائے۔ آپ نے نہ تو جنگ[۳] کی اور نہ کوئی لشکر بھیجا[۴]

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۸) اور دو حدیثیں ابن ماجہ میں مروی ہیں ایک ابو سہلہ کی اور دوسری حضرت عائشہ کی
اور انہی دو حدیثوں کو امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے
اور صحیحین کی شرط پر کہا ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] جلال الدین سیوطی اور ان کے علاوہ اور علماء نے بھی ان سے پہلے اور پیچھے ایسی کتابیں
تصنیف کی ہیں جن میں ایسے اشخاص کے نام درج کیے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے کوئی اچھا
کام کیا چنانچہ وہ مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت عثمان سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کی راہ
میں حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔

[۲] امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر کیا اور ایک آدمی پاس سے گزرا تو آپ نے فرمایا یہ سر منہ لپیٹے
کہ جانے والا اس فتنہ میں مظلوم قتل کیا جائے گا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عثمان تھے یہ
حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ ابن حجر نے کہا اس کی سند صحیح ہے اور حاکم نے مستدرک میں
بھی حدیث مرہ بن کعب سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث شرط شیخین پر ہے
اور ذہبی نے اس کی تصدیق کی ہے۔

[۳] یعنی اہل قبلہ سے آپ نے جنگ نہ کی ورنہ اسلام کی سربلندی کے لیے آپ نے جو کفار
سے لڑائیاں لڑیں وہ تاریخ اسلامی کی بہترین جنگیں تھیں ۱۲

[۴] یعنی اپنی مدافعت کے لیے کوئی لشکر نہ بھیجا حالانکہ باغی لوگ نہایت سرکش ہو چکے تھے ۱۲

اور نہ فتنہ بپا کیا۔[1] نہ کسی کو اپنی بیعت کی دعوت دی[2] اور نہ ہی آپ سے آپ کے ساتھیوں نے کوئی جھگڑا اور لڑائی کی[3] اور نہ ہی وہ اس کے آرزومند تھے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ چیزیں حضرت عثمان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر اب حضرت عثمان کے متعلق کیا خیال ہے؟

---

[1] بلکہ وہ اس کو نہایت ناپسند کرتے تھے اور فتنہ وفساد کا دائرہ تنگ کرنے کے خواہشمند تھے تاکہ مسلمانوں کے خون نہ گریں خواہ اس میں ان کی اپنی جان جاتی رہے ۱۲

[2] بلکہ خلافت خود بخود ان کو ملی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں بیان کیا ہے کہ صحابہ نے آپ کی خلافت پر اتفاق کیا کیونکہ اس میں مصلحت بہت زیادہ تھی اور بگاڑ بہت کم تھا پھر اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن چھ آدمیوں کو حضرت عمر نے خلافت کے لیے منتخب کیا تھا اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی خوش رہے ان میں آپ سب سے زیادہ افضل تھے۔ اگرچہ ان سب میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور پائی جاتی تھی۔ لیکن حضرت عثمان کی کمزوری نسبتاً ان سب سے کم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد آپ سے بہتر اور آپ سے اچھی سیرت والا کوئی خلیفہ نہ ہوا۔

[3] ساتھیوں سے مراد وہ چھ آدمی ہیں جنکو حضرت عمر نے خلافت کے لیے انتخاب کیا تھا۔ باقی رہے عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکار جنہوں نے فتنہ وفساد بپا کیا تھا تو ان میں اور ان چھ آدمیوں میں پستی اور بلندی اور خیر اور شر سے بھی زیادہ فاصلہ ہے اور وہ برائی جو ان بدبخت لوگوں نے تاریخ اسلام میں اپنی حماقتوں اور بیوقوفیوں کی وجہ سے داخل کی ہے اگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہی ہوتا کہ جہاد اسلامی کی حرکت کئی سال تک رکی رہی تو یہ بھی بہت بڑا نقصان تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں کہا ہے کہ نیک مسلمانوں میں سے کوئی آدمی بھی حضرت عثمان کے قتل میں شریک نہیں ہوا۔ نہ کسی نے قتل کیا اور نہ قتل کا حکم دیا بلکہ آپ کو مفسدین اور اوباش لوگوں کی ایک جماعت نے قتل کیا یہ لوگ فتنہ بپا کرنے والے تھے اور حضرت علی کہا کرتے تھے اے اللہ عثمان کے قاتلوں پر جنگلوں اور سمندروں میں پہاڑوں اور میدانوں میں لعنت فرما ۱۲

جن لوگوں نے آپ کے خلاف اقدام کیا ان کے نام سامنے آ چکے ہیں۔ ہم نے ان کو غرضمند اور اقتدار پسند پایا ہے جو حضرت عثمانؓ اور ان کی خلافت میں حائل ہوئے۔[1]

---

[1] جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر بغاوت کر کے مکان کا محاصرہ کیا اور گناہ کے مرتکب ہوئے یہ کئی طرح کے لوگ تھے۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جنہوں نے دین میں غلو کیا انہوں نے معمولی چیزوں کو بہت بڑا سمجھا اور ان کے انکار میں تباہی و بربادی کی راہ اختیار کی اور کچھ وہ لوگ تھے جو قریش کے شیوخ صحابہ سے عصبیت رکھتے تھے حالانکہ اسلام میں ان لوگوں کی کوئی خدمات نہ تھیں تو ان لوگوں نے اہل کمال قریش سے حسد کیا کہ ان کو جہاد اور فتوحات اور غنائم کیوں ملے۔ چنانچہ ان کی خواہش تھی کہ بغیر اسلامی خدمات کے وہ بھی ان کی طرح ہوں اور ان میں بعض وہ تھے جو اسلامی حدود سے بغض رکھتے تھے کیونکہ وہ ان پر جاری ہوئی تھیں تو ان کے کینہ اور غصہ کی بنیاد حدود الٰہی تھیں اور ان میں کچھ وہ بیوقوف تھے جن کی بیوقوفی سے سبائیوں نے فائدہ اٹھایا اور ان کو فتنہ وفساد کی آگ میں جھونک دیا اور بدعقائد میں مبتلا کیا اور ان میں کچھ ایسے تھے جن سے حضرت عثمانؓ نے بہت زیادہ بھلائی کی تو انہوں نے ان بھلائیوں کو نظرانداز کر کے ان کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور ان سے ریاست اور امارت کے طالب ہوئے۔ چونکہ وہ اس کے مستحق نہ تھے لہذا حضرت عثمانؓ نے ان کو امارت نہ دی تو وہ مخالف ہو گئے۔ اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے اوپر اسلامی کے خلاف کارروائیاں کیں اور حضرت عثمانؓ نے ان پر تعزیر قائم کی اور اگر یہی تعزیریں ان کو حضرت عمرؓ لگاتے تو ان پر راضی رہتے اور ان کی اطاعت بھی کرتے اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جو ریاست کے لیے جلدباز تھے حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں تھے اور چونکہ وہ دھوکہ باز یا لسان تھے اور اپنی جگہ سمجھتے تھے کہ وہ اس کے بڑے اہل ہیں تو ان لوگوں نے جلدبازی کر کے حملہ کر دیا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی فطری نرمی اور قلبی رافت نے بہت سے لوگوں میں آرزو پیدا کر دی اور انہوں نے ان کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر (باقی بر صفحہ ۱۲۲)

ان کو وعظ و نصیحت اور ڈانٹ ڈپٹ کی گئی[1] اور یہ لوگ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے پاس ٹھہرے[2]۔ اس نے ان کو ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی تو ان لوگوں نے توبہ کی[3] چنانچہ اس نے ان کو حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ ان کے سامنے بھی توبہ کی[4] پھر حضرت عثمانؓ نے ان کو اختیار دیا تو انہوں نے کہا

(بقیہ حاشیہ ۱۲۱) اپنی اغراض کو پورا کرنا چاہا۔ اگر خدا تعالے نے فرصت دی تو میرا ارادہ ہے کہ حضرت عثمانؓ پر خروج کرنے والوں کی نفسیات تفصیل سے بیان کروں اور ان کے متعلق صحیح معلومات فراہم کروں تاکہ اسلامی تاریخ کے طلباء اس سبق سے عبرت حاصل کر سکیں ۱۲

(حاشیہ متعلق صفحہ ہٰذا)

[1] ان کو یہ افہمت اور اس اپنے مقدر لوگوں اور علماء نے جو کہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط کے رہنے والے تھے سمجھایا اور امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو اپنی کئی ایک مجالس میں ڈانٹا تھا جبکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو رہا کر دیا اور وہ شام آ گئے تھے۔ مدینہ پر ان لوگوں کے غالب آنے کے تمام پراسس پہ پوری بحث ہو گی یہ لوگ حج کا بہانہ بنا کر نکلے تھے اور مدینہ آ کر اسے بغاوت میں تبدیل کر دیا اور حرم مدینہ میں آنحضرت کی قبر مبارک کے پاس خلیفہ راشد کو شہید کر دیا ۱۲

[2] عبدالرحمن بن خالد بن ولید امیر معاویہؓ کی طرف سے حمص اور اس کے ماحول پر گورنر تھے یعنی شمالی شام سے لے کر جزیرہ ابن عمر کے اطراف تک ان کے حالات کی تفصیل اس مقام پر بیان ہو گی جہاں یہ تذکرہ ہو گا کہ اس مخزومی شیر نے کس طرح اپنے باپ کی طرح ان پر اپنے جھنڈے گاڑ دیے تھے ۱۲

[3] بلکہ انہوں نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کیا اور پھر جب اپنے شیطانوں کے پاس گئے تو بہک گئے ۱۲

[4] ان لوگوں کو حضرت عبدالرحمن بن خالد نے اختیار دیا تھا کہ وہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں تو ان کا ایک آدمی اشتر نخعی چلا گیا اور اس کا قصہ بڑا مفصل ہے اپنے مقام پر آئے گا ۱۲

ہم مختلف شہروں میں منتشر ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ان کو چھوڑ دیا جب یہ لوگ چلے گئے تو انہوں نے مختلف شہروں میں جا کر فتنہ اٹھایا۔ جماعتیں بنائیں اور ان کو جمع کر کے حضرت عثمان پر چڑھا لائے[۱]۔ آپ نے مکان کی چھت پر سے ان کو دیکھا اور نصیحت کی۔ وعظ کہا اور خدا سے ڈرنے کی تلقین کی[۲]۔ اور حضرت علی بھی ہوتے باہر تشریف لائے اور بلوائیوں کو باز رہنے کی تلقین کی اور حضرت علی نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا[۳]۔ تو بلوائیوں نے ان سے کہا کہ تمہی نے تو ہمیں پیغام بھیج کر بلایا تھا کہ آؤ جس نے اللہ کی سنت کو بدل دیا ہے اس سے لڑو[۴] اور اب جبکہ ہم آگئے ہیں تو وہ (یعنی حضرت علی) تو اپنے گھر جا بیٹھ گیا ہے[۵] اور تو آیا ہے[۶] اور تیری آنکھوں میں آنسو ہیں۔ خدا کی قسم اب ہم اسے قتل کر کے ہی واپس جائیں گے۔

---

۱ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ۱۲

۲ وزع کا معنی ہے کسی کو حجت اور روشن دلائل کے ساتھ کسی فعل سے روکنا ۱۲

۳ تاکہ وہ امیر المومنین حضرت عثمان کی حفاظت کریں اور جب وہ چاہیں تو اسلحہ سے ان کی طرف سے مدافعت کریں ۱۲

۴ یعنی باغیوں نے کہا وہ حضرت علی اور طلحہ اور زبیر کو خطاب کر رہے تھے ۱۲

۵ باغیوں نے کہا کہ تم ہی نے تو ہمیں بلایا۔ علی، طلحہ اور زبیر نے خط لکھ لکھ کر ہمیں حملہ کے لیے بلایا اور کہا کہ عثمان نے اللہ کی سنت کو بدل دیا ہے اور حضرت علی اور طلحہ اور زبیر کا انکار آگے چل کر نقل کیا جائے گا کہ انہوں نے کوئی خط نہیں لکھا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں فریق سچے تھے اور فتنہ بپا کرنے والے سبائیوں نے جعلی خطوط ان کی طرف سے لکھ کر باغیوں کو حملے کے لیے اکسایا اور حضرت عثمان پر چڑھا لائے ۱۲

۶ یعنی باغی حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو مخاطب کر رہے تھے ۱۲

اور یہ ایک قہر عظیم تھا۔ صحابہ پر بہتان تھا۔ ان کے سامنے ان پر بہتان لگایا جا رہا تھا۔ اور اگر حضرت عثمان ان صحابہ سے مدد لینا چاہتے تو یہ فوراً ان کی مدد کرتے۔[۱] اور یہ فتنہ پرداز لوگ تو پناہ لینے اور دادرسی کے لیے آئے تھے۔[۲] حضرت عثمان نے ان کو نصیحت کی تو یہ لوگ بھڑک اٹھے تو صحابہ کرام نے ان پر برچھیاں اٹھائیں[۳] تو حضرت عثمان نے ان کو روک دیا کہ کوئی آدمی میری وجہ سے کسی سے نہ لڑے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے خود بھی نرمی کی اور صحابہ بھی آپ کی رضا پر خاموش ہو گئے۔

اور یہ فقہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کیا آدمی کو یہ جائز ہے کہ ہتھیار ڈال دے یا یہ واجب ہے کہ اپنے نفس سے مدافعت کرے اور اس میں بھی بحث ہے کہ خود ہتھیار ڈال دے اور دوسروں پر مدافعت کو حرام قرار دے دے تو کیا دوسروں کو پھر بھی اس کی طرف سے مدافعت کرنی چاہئے یا نہیں اور کیا اس کی رضامندی پر توجہ کی جائے یا نہ۔ ان سب باتوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور حضرت عثمان نے کسی برے کام کا ارتکاب نہ شروع میں کیا نہ آخر میں اور نہ ہی کسی اور صحابی نے کوئی ناروا حرکت کی اور جو کچھ تم نے باطل خبریں پاس رکھی ہیں ان کی طرف ہرگز توجہ نہ کرنا۔[۴]

---

[۱] بلکہ صحابہ کرام نے تو خود حضرت عثمان سے کئی بار درخواست کی اور حضرت امیر معاویہ نے عرض کیا کہ آپ دارالخلافہ شام میں منتقل کر لیں اور یا پھر آپ شامی فوج کو اپنی امداد کے لیے بلا لیں جن کی تاریخ میں ناکامی اور میدان چھوڑنا آج تک نہیں سنا گیا ۱۲

[۲] یعنی باغیوں نے اظہار کیا کہ وہ مظلوم ہیں وہ کچھ باتوں کا شکوہ کرتے تھے حضرت عثمان ان کی درخواست کو جائز سمجھتے ہوئے ان کی شکایات کا ازالہ کرنا چاہتے تھے اور حقیقت حال کا پتہ کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگوں کے اعتراضات ختم ہو جائیں ۱۲

[۳] یہاں عربی لفظ آلّہ ہے لہ سے اَلّہ سے مارا اور آلّہ چھوٹے برچھے کو کہتے ہیں جس کا پھل چوڑا ہوتا ہے ۱۲

ہر ایک امت کی تاریخ میں اعتبار کا معیار اس کے اصلی مصادر کی پختگی اور وثوق دیانت ہے[۱۲۵]

قاصمہ

معترضین نے کذاب لوگوں کی روایات کا سہارا لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کئی ایک الزام لگا دیے اور کہا کہ حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں کئی ایک ظلم کیے

(بقیہ حاشیہ ص۱۲۴) ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ واقعہ جن اشخاص نے روایت کیا ہے ان کے عادات و خصائل کیسے تھے اور اسلامی تاریخ کے اخبار جن لوگوں سے منقول ہیں ناقلین نے ان کے اسماء بیان کر دیے ہیں تاکہ بعد میں آنے والے ان کی حقیقت معلوم کر سکیں اور پھر بعد والوں نے بھی اسی طرح اپنے راویوں کا تذکرہ کیا۔ اس طرح معلوم ہوا کہ کچھ اصحاب اغراض بھی ان میں شامل ہیں جنہوں نے جھوٹی خبریں پھیلائیں اور دوسروں کا نام لے دیا اور پھر کتابوں میں ان کو تحریر کیا اور اس سے ان کا مقصد یا تو اہل دنیا کا تقرب حاصل کرنا تھا یا دین اسلام سے دشمنی۔ اسلامی تاریخ کی خوبیوں میں سے "محدثین کرام کی پیروی کرتے ہوئے" ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اسلامی مورخین کا ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جنہوں نے روایت اور خود راوی کی بھی تنقید کی اور سچے جھوٹے کو الگ الگ کیا یہاں تک کہ اس اہم علم کے لیے انہوں نے کچھ قواعد مرتب کیے اور اس پر کتابیں تصنیف کیں اور راویوں کے لیے ایسی کتابیں لکھیں جن میں ان کے راویوں کے تمام حالات تحریر کیے اس میں ہر ایک راوی کی صداقت اور ذہانت بتائی امانت فی النقل پر بحث کی۔ اور اگر کسی راوی کی کسی سے مذہبی یا گروہی کد یا مخالفت ہوتی جس سے اس کے اپنی خواہش کی طرف جھک جانے کا احتمال ہوتا تو اس کو ضرور بیان کر دیا تاکہ ان اخبارات کو پڑھنے والا ان اخبار کے ضعف و قوت کو معلوم کر سکے اور جو لوگ اس قسم کی تیاری سے پہلے تاریخ اسلامی کی کتابت اور تصنیف کی طرف مائل ہوتے ہیں اور خصوصاً ایسے لوگ جن کو راویوں کی تنقید کا علم نہیں اور جو کچھ علماء محققین نے ان کے بارے میں انکی عدالت یا جرح کے متعلق لکھا ہے اس سے ناواقف ہیں تو وہ نہایت خطرناک قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کاش ایسے لوگ اس قسم کے علمی وسائل کی پہلے تکمیل کر لینے پھر بعد میں اس پر قلم اٹھاتے ۱۲

اور بہت سے ناپسندیدہ کام کیے۔ ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

۱:۔ حضرت عثمان نے حضرت عمار بن یاسر کو اتنا مارا کہ ان کی آنتیں پھٹ گئیں۔

۲:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو مارا اور ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کا وظیفہ بند کر دیا۔

۳:۔ قرآن کو جمع کرنے اور اس کی تالیف کرنے کے دوران بعض نئی چیزیں پیدا کیں اور قرآن مجید کے بقیہ نسخے جلا دیے۔

۴:۔ آپ نے اپنے لیے چراگاہ بنا لی۔

۵:۔ حضرت ابوذر کو ربذہ میں جلا وطن کر دیا۔

۶:۔ حضرت ابو الدرداء کو شام سے نکلوا دیا۔

۷:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو جلا وطن کیا تھا اور حضرت عثمان نے اس کو واپس بلا لیا۔

۸:۔ آپ نے سفر میں دوگانہ ادا کرنے کی سنت کو ختم کر دیا اور پوری نماز پڑھنے لگے۔

۹:۔ آپ نے معاویہ بن ابوسفیان کو والی بنایا۔

۱۰:۔ عبداللہ بن عامر بن کریز[1] اور مروان بن حکم کو والی بنایا۔

---

[1] جو نسخہ جزائر میں "العواصم من القواصم" کا چھپا ہے اس کے اصل میں سے ابن کریز کا نام سہواً رہ گیا ہے حالانکہ اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ابن کریز والے اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جزائر کا مطبوعہ نسخہ نہایت غیر محتاط نسخہ سے نقل کیا گیا ہے اس میں الزامات اور ان کے جوابات میں بھی کئی جگہ تقدیم و تاخیر ہے اور ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کے بعد کتاب کو جلد کرتے وقت بعض اوراق صحیح جگہ پر نہیں لگائے گئے تو ہم نے الزامات اور ان کے جوابات کو ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن اصل کتاب پر نہ تو اپنی طرف سے کوئی اضافہ کیا ہے اور نہ کوئی کمی کی ہے اور اس طرح ہم نے قارئین کے اس اضطراب کو دور کر دیا ہے جو جزائر کے نسخہ سے پیدا ہو سکتا تھا ۱۲۔

۱۲:۔ ولید بن عقبہ کو والی بنایا۔ حالانکہ یہ ایک فاسق آدمی تھا اور ولایت کا اہل نہیں تھا۔

۱۳:۔ مروان کو افریقہ کا خُمس دیا۔

۱۴:۔ حضرت عمر درّہ سے مارا کرتے تھے اور آپ نے لاٹھی سے مارنا شروع کیا۔[1]

۱۵:۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی اس سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تھے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر اور عمر نیچے کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے۔

۱۶:۔ آپ بدر میں حاضر نہ ہوئے اور اُحد کی جنگ میں بھاگ گئے اور بیعۃ الرضوان سے غائب ہوئے۔

۱۷:۔ آپ نے عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے بدلہ میں قتل نہ کیا (یہ ہرمزان وہ آدمی تھا جس نے حضرت عمر کو قتل کرنے کے لیے خنجر دیا تھا اور حضرت عمر کے قتل پر آمادہ کیا تھا)

۱۸:۔ آپ نے اپنے غلام کے ہاتھ اپنے اونٹ پر بٹھا کر عبد اللہ بن ابی سرح کی طرف رقعہ بھیجا کہ جس آدمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسے قتل کر دو۔ وغیرہ وغیرہ

خاتمہ

یہ سب اعتراضات سنداً و متناً بالکل بے بنیاد ہیں۔ اب ترتیب وار سنیں۔ جو انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان نے کئی ایک ظلم کیے اور کئی ناپسندیدہ کام کیے۔ یہ بالکل بے بنیاد ہے۔[2]

---

[1] درّہ چھوٹے عصا کو کہتے ہیں یعنی چھڑی جسے خلیفہ اپنے ہاتھ میں رکھتا۔

[2] جیسا کہ آپ کو ان دلائل سے معلوم ہو جائے گا جو مولف نے ان الزامات کی تردید میں ترتیب وار لکھے ہیں ۱۲

۲۰۱: حضرت عبداللہ بن مسعود کو مارنا اور ان کا وظیفہ بند کرنا بالکل جھوٹ[له] ہے۔ اور

[له] حاشیہ میں پہلے گذر چکا ہے کہ جب حضرت عثمان کی بیعت کی گئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا "ہم نے اپنے میں سے بہترین آدمی کی بیعت کی ہے اب ہمیں کوئی پرواہ نہیں"۔ اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ہم نے اپنے میں سے بلند ترین آدمی کو خلیفہ بنایا ہے اور اب ہمیں کوئی پرواہ نہیں جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمر کی طرف سے کوفہ کے خزانے پر عامل تھے اور سعد بن ابی وقاص جنگی امور پر مقرر تھے۔ حضرت سعد اور ابن مسعود میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ حضرت سعد نے ابن مسعود سے قرضہ مانگا اور انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ آئندہ اس کی بحث آئے گی تو حضرت عثمان نے سعد کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن مسعود کو بحال رکھا۔ یہاں تک تو عبداللہ بن مسعود اور عثمان کے حالات درست رہے۔

پھر جب حضرت عثمان نے عالم اسلامی میں صرف ایک ہی نسخہ قرآن مجید رائج کرنے کا ارادہ کیا تو اس مصحف کامل سے اس کی نقلیں کرائیں جو آپ کی وفات سے قبل سب سے آخر مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا دل چاہتا تھا کہ قرآن مجید کی کتابت کا کام ان کے سپرد کر دیا جائے اور ان کا یہ بھی دل چاہتا تھا کہ ان کا اپنا مصحف جسے انہوں نے اپنے لیے لکھا تھا وہ بھی بحال رہنے دیا جائے تو حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی دونوں خواہشوں کے خلاف عمل کیا۔ آپ نے زید بن ثابت کو قرآن مجید کی کتابت کے لیے انتخاب کیا کیونکہ حضرت ابوبکر اور عمر نے بھی اس سے پہلے اس کام کے لیے زید بن ثابت ہی کو منتخب کیا تھا۔ بلکہ حضرت ابوبکر اور عمر نے بھی زید بن ثابت کو اس لیے انتخاب کیا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب آخری بار قرآن پیش ہوا تو زید بن ثابت ہی نے اس کو یاد رکھا تھا۔ تو حضرت عثمان اس معاملہ میں حق پر تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم، صدق اور امانت کو جس طرح (باقی بر صفحہ ۱۲۹)

حضرت عمار بن یاسر کو مارنے کا قصہ بھی من گھڑت ہے اور اگر ان کی آنتیں پھٹ جاتیں تو وہ زندہ نہ رہتے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) دوسرے صحابہ جانتے تھے اسی طرح حضرت عثمان بھی اس کے معترف تھے۔ پھر حضرت عثمان دوسرے تمام مصاحف کو دھو دینے میں بھی بالکل حق بجانب تھے اور ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا مصحف بھی تھا اس لیے کہ حضرت عثمان کا ایک قرآن مجید کی کتابت پر لوگوں کو مجتمع کر دینا جہاں تک کہ انسانی طاقت میں تھا حضرت عثمان کا یہ کارنامہ باتفاق تمام صحابہ آپ کا یہ بہترین اور سب سے بڑا کارنامہ ہے اور تمام صحابہ اس معاملہ میں حضرت عثمان کے ساتھ تھے اور ابن مسعود سے متفق نہ تھے (منہاج السنۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ صفحہ ۱۹۱-۱۹۲)
بہرحال حضرت عثمان نے نہ تو حضرت عبداللہ بن مسعود کو مارا اور نہ ان کا وظیفہ روکا اور آپ ہمیشہ ان کی قدر و منزلت کو پہچانتے رہے جیسا کہ ابن مسعود ان کی اطاعت پر قائم رہے اور انکا یہی عقیدہ رہا جو بیعت کرنے کے وقت تھا۔ کہ آپ اس وقت تمام مسلمانوں سے بہتر ہیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] طبری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمار اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب میں جھگڑا ہو گیا تو حضرت عثمان نے دونوں کو سزا دی۔ میں کہتا ہوں کہ ہر والی سلطنت ایسے حالات میں ایسا کرتا ہے اور اس کی مثالیں حضرت عثمان سے پہلے بھی ملتی ہیں اور بعد بھی اور کتنے آدمیوں کو حضرت عمر نے تعزیر لگائی جو حضرت عمار کی طرح کے تھے اور بعض ان سے بھی افضل تھے۔ کیونکہ حضرت عمر والی ملک تھے۔
قصہ یہ ہوا کہ سبائیوں نے منظم ہو کر جب اعتراضات کی اشاعت شروع کی اور ہر شہر سے دوسرے شہر میں جھوٹی اور من گھڑت خبریں بھیجنے لگے تو صحابہ نے حضرت عثمان سے کہا کہ معتبر آدمیوں کو شہروں میں حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ تو حضرت عثمان نے حضرت عمار کی تعزیر کا واقعہ نظر انداز کر کے ان کو مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ تاکہ یہ وہاں کے حالات معلوم کر کے پیش کریں۔ عمار مصر میں کافی مدت تک (باقی برصفحہ ۱۳۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) ٹھہرے رہے اور سبائی ان کے گرد جمع ہو کر ان کو اپنی طرف مائل کرنے لگے۔ تو حضرت عثمان اور ان کے مصر کے گورنر نے اس بات کا تدارک کیا اور نہایت احترام سے عمار کو مصر سے مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ جب عمار حضرت عثمان کے پاس آئے تو آپ نے ان کو ملامت کی۔

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان نے کہا "اے ابوالیقظان تم نے ابولہب کے پوتے پر الزام لگایا اور اس نے تم پر الزام لگایا اور تم مجھ سے اس لیے ناراض ہو گئے کہ میں نے آپ کا حق اس سے لے کر دیا اور اس کا حق آپ سے لے کر دیدیا۔ پھر کہا اے اللہ اگر کوئی مسلمان قوم سے مجھ پر زیادتی کرے تو میں نے اس کو معاف کیا۔ اے اللہ میں تیری حدود کو جاری کر کے تیرا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں اور مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ اے عمار تم اٹھ کر یہاں سے چلے جاؤ"۔ چنانچہ عمار باہر آ گئے۔ جب آپ عوام سے ملتے تو اپنے نفس سے اس الزام کو دور کرتے اور صاف انکار کر دیتے اور جب ایسے آدمیوں میں ہوتے جن پر آپ کو اعتماد ہوتا تو اس کا اقرار کرتے اور پھر ندامت اور افسوس کا اظہار کرتے۔ پھر لوگوں نے ان کو ملامت کرنا شروع کی اور ان سے قطع تعلق کر لیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں کہا ہے کہ حضرت عثمان ہر اس آدمی سے افضل ہیں جو ان پر اعتراض کرتا ہے۔ آپ ابن مسعود، ابوذر اور عمار رضی اللہ عنہم سے کئی وجوہ سے افضل ہیں جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے۔ تو مفضول کا کلام فاضل پر قدح نہیں ہو سکتا اور فاضل کا کلام مفضول کے لیے جرح ہو سکتا ہے اور یہی کیفیت ہے حضرت عثمان پر حضرت عمار کے جرح کرنے کی (کہ وہ مقبول نہیں ہے) اور حضرت حسن نے جو جرح حضرت عمار پر کی تھی وہ یہی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمار نے حضرت عثمان کے متعلق حضرت حسنؓ کے سامنے یہ لفظ کہے کہ "عثمان تو صاف کافر ہو چکے ہیں"۔ تو حضرت حسن نے ان کی اس بات کو رد کر دیا۔ اور ایک دفعہ حضرت علی کے سامنے عمار نے یہی الفاظ کہے تو حضرت علی نے فرمایا۔ "اے عمار کیا تو حضرت عثمان کے رب سے منکر ہو گیا ہے۔ وہ تو خدا تعالے کی عبادت کرتے

(باقی بر صفحہ ۱۳۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

ہیں تم کس کی عبادت کرتے ہو۔"

امام ابن تیمیہ نے فرمایا اس بات سے معلوم ہو گیا کہ کبھی مومن متقی اور ولی اللہ شخص بھی
کسی دوسرے مومن متقی ولی اللہ کے متعلق کفر کا غلطی سے عقیدہ رکھ لیتا ہے حالانکہ
وہ اس اعتقاد میں غلطی پر ہوتا ہے اور اس سے دونوں کے ایمان میں کوئی خلل واقع
نہیں ہوتا جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ اسید بن حضیر نے رسول اللہ کے سامنے
سعد بن عبادہ کو منافق کہا۔ اور حضرت عمر بن خطاب نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق
کہا "اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دو کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔ تو آنحضرت نے
فرمایا "یہ بدری ہیں اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالے نے اہل بدر کے متعلق فرمایا تم جو چاہو عمل
کرو میں نے تمہیں بخش دیا"۔ تو عمرؓ عمارؓ سے بہتر تھے اور عثمانؓ حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے
کئی وجوہ سے افضل ہیں اور حضرت عمر کی دلیل عمار کی دلیل سے زیادہ واضح تھی اور اس کے
باوجود وہ دونوں جنتی ہیں۔ تو اسی طرح حضرت عثمان اور عمار بھی دونوں جنتی ہیں اگرچہ
ایک نے دوسرے کے متعلق کچھ الفاظ کہے ہیں۔

اور بعض علماء نے تو حضرت عمار کے اس مقولہ کا صاف انکار کیا ہے کہ یہ ان کا
کلام ہی نہیں۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا مختصر یہ کہ اگر یہ صحیح بھی ہو کہ حضرت عثمان نے حضرت
ابن مسعود اور عمار کو مارا ہو تو بھی کسی کے لیے یہ قدح نہیں ہے تو ہم گواہی دیتے ہیں
کہ یہ تینوں جنتی ہیں اور متقی اور اکابر اولیاء اللہ سے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی ولی اللہ
سے ایسے امور کا صدور ہوتا ہے جس پر شرعی عقوبت کا مستحق ہوتا ہے پھر تعزیر کا تو کیا کہنا
حضرت عمر نے ایک دفعہ دیکھا کہ ابی بن کعب کے پیچھے لوگ چل رہے ہیں تو آپ نے ان کو
درہ سے مارا اور فرمایا یہ پیچھے آنے والوں کے لیے ذلت ہے اور متبوع کے لیے فتنہ ہے
پھر اگر حضرت عثمان نے ان کی تادیب کی ہو تو یا تو حضرت عثمان ان کو تعزیر لگانے میں حق
بجانب ہوں گے اور جس چیز پر انہیں تعزیر لگائی گئی اس سے انہوں نے توبہ کی تو یہ تعزیر اور
مغز کفارہ ہو گئی یا ان کے درجات بلند ہو گئے اور یا وہ مظلوم ہوں گے

(باقی بر صفحہ ۱۳۲)

اور علماء نے کئی طرح سے ان کے جواب دینے کی کوشش کی ہے جن کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی بنیاد باطل[1] پر ہے اور حق کی عمارت باطل کی بنیاد پر کھڑی نہیں کی جاسکتی اور زمانہ جاہلوں کی رفتار پر نہیں جاتا کیونکہ اس کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

۳:- باقی رہا جمع قرآن کا معاملہ۔ تو یہ آپ کی بہت بڑی نیکی ہے اور آپ کا بہت بڑا کمال ہے۔ اگرچہ آپ نے قرآن مجید کو اکٹھا ایک جا پالیا تھا۔ لیکن آپ نے اس کو شائع کیا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا اور اختلاف کے مادے کو ختم کردیا اور قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالےٰ کا وعدہ آپ کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ جیساکہ ہم نے اس کو ان کتابوں میں بیان کر دیا ہے جو قرآن مجید کے متعلق ہیں[2]۔

(بقیہ حاشیہ ۱۳۱) تو حضرت عثمان کا قول ان کے متعلق بھی اسی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے تو حضرت عثمان ان سے افضل ہیں اور خدا تعالےٰ کی رحمت اور بخشش کے ان سے زیادہ مستحق ہیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یعنی جھوٹے لوگوں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے دعوے پر کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو مارا اور ان کی انتڑیاں پھٹ گئیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا اور ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کا وظیفہ بند کر دیا ۱۲

[2] یعنی ابن العربی کی ان مؤلفات میں جو علوم قرآن کے متعلق ہیں اور ہم نے اس کے ترجمہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تفسیر بنام "انوار الفجر" اسی یا توے جلدوں میں ہے، اور "قانون التاویل" (یہ آپ کی بہت بڑی تالیف ہے) اور "احکام القرآن"۔ یہ مصر میں چھپ چکی ہے، اور "کتاب المشکلین" اور "الناسخ والمنسوخ" وغیرہ ۱۲

تمام ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ جنگ یمامہ

ملہ امام احمد نے اپنی مسند کے مقدمہ میں اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر اور کتاب الفضائل اور کتاب الاحکام اور کتاب التوحید میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲

ملہ جب بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی سرداری اور اللہ کے دشمن رجال بن عنفوہ بن نہشل حنفی کے بہکانے سے مرتد ہو گئے تو اس وقت ان سے جنگ لڑی گئی مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید سیف اللہ تھے اور اس جنگ میں زید بن خطاب حضرت عمر کے بھائی شہید ہوئے یہ قرآن مجید کے حفاظ صحابہ میں سے تھے۔ ان لوگوں نے اس دن آپس میں وصیتیں کی تھیں اور کہتے تھے اے سورہ بقرہ والو! آج جادو باطل ہو جائے گا۔ انصار کے خطیب اور علم بردار ثابت بن قیس نے اس دن خوشبو لگائی اور کفن پہنا کر آدھی پنڈلیوں تک اپنے آپ کو زمین میں گاڑ لیا اور جھنڈا بھی اٹھائے رہے اور تلوار بھی چلاتے رہے اور اپنی جگہ پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور مہاجرین نے ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم سے کہا کیا آپ کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا تم ہماری حیثیت بتاؤ اچھی طرح کر سکو گے؟ تو جواب دیا اگر میں حفاظت نہ کر سکا تو پھر میں قرآن مجید کا بدترین حافظ ثابت ہوں گا اور پھر لڑائی کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور ابو حذیفہ نے کہا قرآن والو اپنے عمل سے زینت دو اور آپ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اس دن حزن بن ابی وہب بھی شہید ہوئے جو کہ سعید بن مسیب کے دادا تھے۔ اس دن صحابہ کا شعار یا محمداہ تھا۔ اس دن صحابہ نے ایسی پامردی سے لڑائی لڑی کہ پہلے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مرتدین کو "موت کے باغ" کی طرف دھکیل دیا۔ مسیلمہ اور اس کے ساتھی اس میں قلعہ بند ہو گئے تو براء بن مالک نے کہا اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے اس قلعہ کے اندر پھینک دو میں جا کر قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو منجنیق پر رکھ کر قلعہ کی دیوار سے اوپر کر کے قلعہ کے اندر پھینک دیا۔ وہ مرتدین سے دروازہ کے قریب لڑتے رہے یہاں تک کہ (باقی بر صفحہ ۱۳۲)

کے بعد حضرت ابوبکر نے میرے پاس آدمی بھیجا۔ جب گیا تو حضرت عمر بن خطاب آپ کے پاس بیٹھے تھے تو ابوبکر نے فرمایا۔ حضرت عمر ہمارے پاس آئے اور کہا "یمامہ کے دن قرآن مجید کے بہت سے قاری شہید ہو چکے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر اسی طرح کچھ جنگوں میں قاری شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ قرآن مجید کو جمع کر دیا جائے"۔

تو میں نے عمر سے کہا کہ "ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا"۔ تو عمر نے کہا "خدا کی قسم یہ کام بہت اچھا ہے"۔ اور مجھ سے برابر مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ میرا سینہ بھی اللہ تعالےٰ نے اس کام کے لیے کھول دیا اور بالآخر میری رائے بھی عمر کی رائے سے متفق ہو گئی"۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا "تو ایک نوجوان عقلمند آدمی ہے اور ہمیں تجھ پر کوئی شبہ بھی نہیں۔ تم ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتے تھے سو تم اس کو جمع کرو"۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے ایک پہاڑ اکھاڑ کر دوسری جگہ منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو اس قرآن مجید کے جمع کرنے کی خدمت سے مجھ پر زیادہ بوجھل نہ ہوتا۔ میں نے کہا تم ایسا کام کس طرح کرو گے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو حضرت عمر نے کہا "خدا کی قسم یہ کام بہت اچھا ہے" سو آپ برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے میرے سینہ کو بھی اس کام کے لیے کھول

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۳) انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مسلمان سیلاب کی طرح اندر داخل ہو گئے اور بالآخر مسلمانوں کو فتح ہو گئی۔ ابودجانہ بدری بھی قلعہ میں چلے گئے تھے آپ مسیلمہ کذاب تک پہنچ گئے اور اس پر تلوار سے حملہ کر دیا اور وہ قتل ہو گیا اور ابودجانہ کا پاؤں اس جنگ میں کٹ گیا اور بالآخر اسی زخم سے شہید ہو گئے۔

اور البدایہ والنہایہ میں بہت سے شہداء کے نام دیے گئے ہیں جو اس عظیم اسلامی دن میں شہید ہوئے اور ان میں قرآن مجید کے حفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی ۱۲

دیا جس کے لیے ابوبکر اور عمر کا سینہ کھولا تھا۔ سو میں نے قرآن مجید کو تلاش کرنا شروع کیا، میں نے اسے کھجور کی شاخوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ میں نے سورہ توبہ کی آخری آیت خزیمہ انصاری سے پائی اور یہ آیت اور کسی کے پاس سے نہ ملی۔ یعنی یہ آیت "بے شک تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے آئے" آخر سورۃ براءۃ تک۔

یہ قرآن مجید حضرت ابوبکر صدیق کے پاس رہا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی پھر حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی بھر رہا۔ پھر یہ قرآن مجید حضرت حفصہ کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ حضرت حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے[1] یہ عراقی لشکر لے کر آرمینیہ اور آذربائی جان کی فتوحات میں شامیوں کی معیت میں لڑ رہے تھے تو حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو بتایا کہ یہ لوگ قراءت میں اختلاف کرنے لگے ہیں۔ پھر کہا اے امیر المؤمنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب الٰہی میں اختلاف پیدا ہونے سے پہلے اس امت کو سنبھال لو تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ قرآن مجید کا وہ نسخہ آپ ہمیں بھیج دیں ہم اس کی نقلیں کرا کر آپ کو واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہ نے وہ قرآن مجید حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا تو آپ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو انہوں نے قرآن مجید کے کئی ایک نسخے نقل کیے[2]۔

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک کی روایت سے مروی ہے ۱۲

[2] اسلام میں یہ ایک عظیم احسان تھا جو حضرت ابوبکر اور عمر نے شروع کیا اور ان کے بھائی اور ان کے ساتھی حضرت عثمان نے اس کو پورا کیا یعنی قرآن مجید کو جمع کرنا اور اس کو ثابت کرنا اور اس کے رسم الخط کو ایک ہی صورت میں اجتماعی طور پر رائج کرنا یہ ان لوگوں کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا کیا کہ "ہم نے ہی قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔ (باقی صفحہ ۱۳۶)

(بقیہ حاشیہ ص۱۳۵)

اور ان تینوں بزرگوں کے بعد حضرت علی خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی ان کے اس عمل کو اسی طرح رہنے دیا اور حضرت عثمان کے رسم الخط اور ان کی تلاوت کو برقرار رکھا اور اسی کو تمام شہروں میں رائج کیا اور آپ کے اس طرز عمل سے ابتدائی عہد کے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو گیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اور ان کے بعد حضرت عثمان نے جو کچھ کیا وہ ان کی بہت بڑی نیکی تھی۔ بلکہ بعض شیعہ علماء نے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی اجماع نقل کیا ہے۔

ابوعبداللہ زنجانی کی کتاب تاریخ القرآن میں ہے کہ علی بن موسیٰ (جن کا مشہور نام ابن طاؤس ہے اور یہ شیعہ علماء سے ہیں) نے اپنی کتاب "سعد السعود" میں شہرستانی سے ان کی تفسیر کے مقدمہ سے سوید بن علقمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سنا آپ کہہ رہے تھے۔ لوگو! حضرت عثمان کے بارے میں غلو نہ کرو اور قرآن مجید کے جلانے کا الزام ان پر نہ لگاؤ۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ حضرت عثمان نے قرآن مجید کے جو اوراق جلائے وہ صحابہ کرام کی پوری جماعت کے مشورہ سے جلائے آپ نے ہم کو جمع کیا اور فرمایا "اس قراءت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک آدمی دوسرے سے ملتا ہے تو کہتا ہے میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ چیز کفر تک پہنچاتی ہے"۔ تو ہم نے کہا "آپ کی کیا رائے ہے"؟ تو آپ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو ایک ہی قرآن مجید پر جمع کر دوں۔ اگر آج تم میں اختلاف پیدا ہو گیا تو بعد میں یہ اختلاف بڑھتا ہی جائے گا"۔ تو ہم نے کہا "آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا اور خوب سوچا"۔

اور یہ بات تو بلاشبہ کہی جا سکتی ہے کہ خود باغی لوگوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید سے ہی تلاوت کی اور اسی پر صحابہ کا اجماع ہوا تھا اور حضرت علی بھی اپنی میں اسی قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ لیکن پچھلے دور میں کچھ بے حقیقت لوگوں نے اپنے کفر اور گندگی کی وجہ سے (باقی برص۱۳۷)

(بقیہ حاشیہ ص۱۲۶)

اپنے آپ کو برباد کر لیا۔ جیسا کہ "شیطان الطاق" محمد بن جعفر رافضی جیسا کہ امام ابن حزم نے
۱۸۱ فصل میں حافظ سے روایت کیا ہے کہ مجھے ابو اسحاق ابراہیم نظام اور بشر بن خالد
نے بتایا کہ انہوں نے محمد بن جعفر رافضی المعروف "شیطان الطاق" سے کہا۔ تجھ پر
افسوس! کیا تو خدا سے شرم نہیں کھاتا کہ تو نے اپنی کتاب "امامت" میں یہ لکھا ہے
کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بالکل نہیں فرمایا۔ "دو میں سے دوسرا جب
کہ وہ دونوں غار میں تھے جب اس نے اپنے ساتھی سے کہا کوئی فکر نہ کر اللہ ہمارے ساتھ
ہے" تو وہ دونوں کہتے ہیں کہ "شیطان الطاق" نے ایک لمبا قہقہہ لگایا۔ گویا کہ ہم نے
کوئی جرم کیا ہے اور یہ "شیطان الطاق" امام جعفر صادق اور ان کے چچا زید کے زمانہ میں شیعہ
کا بہت بڑا داعی تھا اور اسی نے بہت سی جھوٹی باتیں اختراع کیں کہ امامت چند مخصوص
اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے اور "شیطان الطاق" سے پہلے یہ بات کسی نے نہ کہی تھی اور
امام زید نے حضرت جعفر صادق کی مجلس میں اس پر انکار کیا۔

اور باقی رہا شیعہ کا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید تبدیل ہو چکا ہے حالانکہ تمام صحابہ کے اجماع
کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت عثمان نے جو کیا وہ درست
تھا تو شیعہ کے اس دعویٰ سے جیسا ہم ولی نے بہت فائدہ اٹھایا وہ ان کے غلط عقائد
کو پیش کر کے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن تبدیل ہو چکا ہے تو امام ابن حزم نے فصل
الہ تر میں فرمایا ہے کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک جماعت ہے جو یہودیوں اور
عیسائیوں کی طرح جھوٹ اور کفر کے مرتکب ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ شیعہ کا آخری آدمی جو اس معاملے میں بدنام ہوا وہ حسین محمد تقی
تقی نوری طبرسی ہے اس نے بھی اپنی کتاب "مشہد" میں اسی طرح لکھا ہے اور اسے امیر
المومنین حضرت علی کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ کتاب نجف میں ۱۲۹۲ھ میں اور ایران
میں ۱۲۹۸ھ میں چھپی ہے اور اس کا نسخہ میرے پاس موجود ہے اور فرقہ بندی اور تعصب
اور تشیع کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کے پہلے اخلاق اور عقلوں کو برباد (باقی برصفحہ ۱۲۸)

اور حضرت عثمان نے تینوں قریشیوں سے فرمایا "جب تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا آپس میں کسی جگہ قراءت کا اختلاف ہو جائے تو اس کو قریش کی زبان میں لکھا جائے۔ کیونکہ یہ انہی کی زبان میں اترا ہے"۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

جب حضرت حفصہ کے قرآن مجید سے کئی ایک نسخے نقل ہو گئے تو وہ نسخہ حضرت حفصہ کو واپس کر دیا گیا اور یہ لکھے ہوئے نسخے اسلامی مملکت کے مختلف کناروں میں پہنچا دیئے گئے اور جو قرآن کے نسخے یا اوراق دوسری قراءتوں میں لکھے ہوئے تھے ان کے متعلق جلا دینے کا حکم دیا۔

ابن شہاب نے کہا[1] مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے بتایا کہ زید بن ثابت نے فرمایا جب میں قرآن مجید لکھنا شروع کیا تو مجھے سورہ احزاب کی ایک آیت نہ مل رہی تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی قراءت کرتے سنتا تھا میں نے اس کو تلاش کرنا شروع کیا تو وہ مجھے خزیمہ انصاری سے ملی یعنی یہ آیت کہ "مومنوں سے کچھ آدمی ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کر دکھایا"۔ تو ہم نے اس کو سورہ احزاب میں قرآن مجید میں لکھ دیا۔

اور وہ جو قرآن مجید کے اوراق جلانے یا پھاڑنے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے تو یہ دونوں صورتیں درست ہیں بشرطیکہ ان کے باقی رکھنے میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہو اور اس کی صورتیں یہ ہیں کہ یا تو ان میں قرآن سے زائد الفاظ لکھے ہوں یا منسوخ آیات بھی اس میں درج ہوں یا اس کی وہ ترتیب نہ ہو جس پر صحابہ کا اجماع ہے تو یہ سب صحابہ نے تسلیم کیا ہے۔ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس کا خلاف مروی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) الہام کرتا ہے اور پھر ان کا دیا اور دین بھی لے جاتا ہے جیسا کہ علم النفس کے علماء نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں اور ڈاکٹر غوستاف لیبون نے اپنے مقدمہ میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انکے قول کو اپنی صحیح میں کئی ایک مقامات پر درج کیا ہے۔ ۱۲

پہلے انہوں نے کوفہ میں خطبہ دیا اور فرمایا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور جو
آدمی خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز لے کر آئے گا۔" اور میں نے اپنے قرآن
مجید کی خیانت کی ہے اور جو آدمی اپنے قرآن مجید کو چھپا سکے وہ چھپا لے۔ حضرت
عبداللہ بن مسعود کا ارادہ یہ تھا کہ ان کے قرآن مجید سے نقلیں کی جائیں اور جیسے کچھ
انہوں نے اس میں وضاحتی نوٹ دیئے ہیں وہ بھی باقی رکھے جائیں پھر جب ایسا
نہ ہوا تو انہوں نے یہ بات کہی جو کہی۔

تو حضرت عثمان نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنے قرآن مجید کو اٹھا لیں اور اس کے
رسم الخط اور وضاحتی بیانات کو محو کر دیا اور ان کی قراءت کو ثابت نہ رکھا اور اس
معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کی مدد کی اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف
کو زمین سے اٹھا لیا۔

ل حضرت عبداللہ بن مسعود بہت بڑے علماء صحابہ میں سے ہیں کتاب اللہ کی قراءت بہت
اچھی کیا کرتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اچھی قراءت کی تعریف
فرمائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ابن
مسعود کو پہنچائی تھی (مسند امام احمد) البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ طریقہ تھا کہ جب
کوئی قرآن مجید کی آیت نازل ہوتی تو اس کو آگے لکھتے جاتے اور آپ کا قرآن مجید اس
ترتیب آیات سے مختلف تھا جو حضرت عثمان کے قرآن مجید میں تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی آخری قراءت کی ترتیب کے مطابق لکھا گیا اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو
چکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں پوری آیات نہ تھیں،
بلکہ صرف وہی تھیں جن کا حضرت عبداللہ بن مسعود کو علم پہنچا [illegible]
یہ بات بھی تھی کہ آپ اپنی قوم بنی ہذیل کے لہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے
اور یہ تو صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قراءتوں میں قرآن مجید پڑھنے
کی اجازت دے رکھی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ حق تو نہیں تھا (باقی ص ١٤٠)

(۴) باقی رہا چراگاہ کا معاملہ تو وہ قدیم سے چلی آرہی تھی[۱] ۔ تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) کہ وہ تمام امت کو قیامت تک کے لیے اپنے مخصوص لہجہ پر مجبور کر دیتے کیونکہ قرآن مجید کو اللہ تعالے نے قریش کی زبان (مضری لہجہ) میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا اور امت کا اس لہجہ پر متفق ہو جانا ایک بہت بڑی بھلائی تھی"۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کوئی سردار اپنی قوم سمیت کسی جگہ میں اترتا۔ تو اپنے کتے کو بھونکنے کے لیے کہتے اور جہاں تک کتے کی آواز پہنچتی اتنی زمین وہ اپنے مویشیوں اور اونٹوں کے لیے مخصوص کر لیتا اور اس میں کسی کا دخل گوارا نہ کرتا۔ پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا اور چراگاہ کو صرف صدقے اور زکوٰۃ کے جانوروں کے لیے مخصوص کر دیا جو جہاد اور رفاہ عامہ کے کام آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چراگاہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے"۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المساقات اور کتاب الجہاد میں حضرت صعب بن جثامہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مسند امام احمد میں صعب بن جثامہ سے مروی ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ چراگاہ بنائی تھی جسے نَقِیع کہتے تھے اور وہ "نقیع خضمات" ہے۔ جیساکہ مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے لیے نقیع کو چراگاہ بنایا۔ اس حدیث کے راوی حماد نے عبد اللہ بن عمر عمری سے سوال کیا "کیا اپنے گھوڑوں کے لیے چراگاہ بنائی تھی؟ تو کہا مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے یعنی وہ جو جہاد کے لیے تیار کیے جاتے تھے یا جو بیت المال کی ملکیت تھے اور یہ مقام نقیع مدینہ منورہ سے ۲۰ میل دور تھا اور اس کا عرض ایک میل اور طول آٹھ میل تھا جیساکہ موطا میں امام مالک نے ابن وہب سے روایت کیا ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں یہ چراگاہ اسی حالت پر رہی کیونکہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی نہ کی (باقی بر صفحہ ۱۴۱)

عثمان نے اس میں توسیع کر دی کیونکہ صدقات کے مویشی زیادہ ہو گئے تھے۔ اور
جب اس کا اصل ضرورت کے لیے جائز ہوا تو ضرورت کے مطابق اس میں اضافہ
بھی جائز ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) نہیں کی حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی نسبت ابوبکر کے
زمانہ میں گھوڑوں کی ضرورت بہت بڑھ گئی تھی۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں چراگاہ میں توسیع
ہوئی اور مقام ربذہ اور سرف کو بھی چراگاہ بنا دیا گیا۔ حضرت عمر کا آزاد کردہ ایک غلام
ہُنَی نامی تھا جسے اس چراگاہ کا نگران مقرر کیا گیا اور صحیح بخاری کے کتاب الجہاد میں زید
بن اسلم کی روایت موجود ہے کہ حضرت عمر نے اپنے اس غلام کو حکم دے رکھا تھا کہ اس چراگاہ
میں غریب لوگوں کے مویشیوں، اونٹوں کو چرنے کی اجازت دے دینا البتہ امیر لوگوں کو
اجازت نہ دینا مثلاً حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف وغیرہ
اور جیسا کہ حضرت عمر نے اس چراگاہ میں اضافہ کر لیا جو کہ رسول اللہ اور ابوبکر کے
زمانہ میں تھی کیونکہ اس کی ضرورت بڑھ گئی تھی۔ بیت المال کے اونٹ اور مویشی بہت زیادہ
ہو گئے تھے اسی طرح حضرت عثمان نے بھی اپنے زمانہ میں اس چراگاہ میں اور اضافہ کر لیا
کیونکہ اب مویشیوں کی تعداد پہلے کی نسبت اور بھی زیادہ ہو گئی تھی کیونکہ اسلامی سلطنت
کی حدود دور تک پھیل گئی تھیں اور فتوحات کا سلسلہ برابر جاری تھا۔
پھر وہ چراگاہ جسے آنحضرت نے بیت المال کے مویشیوں کے لیے مقرر کیا اور وہ حضرت
ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں بھی رہی تو اسی طرح حضرت عثمان کو بھی اپنے زمانہ میں اس کی اجازت
ہونی چاہیے اور اس معاملہ میں ان پر اعتراض کرنا ایک ایسے کام پر اعتراض ہے جو شریعت
اسلامی میں داخل ہے اور حضرت عثمان پر جب اس معاملہ میں اعتراض کیا گیا تو انہوں نے
صحابہ کرام کی جماعت کی موجودگی میں اس کا یہ جواب دیا کہ پہلے خلفاء نے چراگاہ میں عام
[illegible] کی اجازت نہ دے رکھی تھی [illegible] مویشیوں کے
نگران میں کوئی جھگڑا نہ ہوا اور میں نے عام اجازت دے دی اور اپنے [illegible]

(۵) باقی رہا حضرت ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کرنے کا معاملہ تو وہ آپ نے نہیں کیا[۵۱]
اصل معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر ایک زاہد آدمی تھے یہ حضرت عثمان کے عمال کو
ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہتے اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سناتے کہ جو لوگ سونے چاندی کو
جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی
خوشخبری سناؤ۔" (توبہ)

اور حضرت ابوذر نے دیکھا کہ لوگ لباس اور سواری میں حتی الوسع توسیع کرتے
جاتے ہیں تو آپ نے ان کو روکنا شروع کیا اور ان کے ہاتھوں سے تمام مال چھین
لینا چاہا۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سب خرچ کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن
عمر اور دیگر صحابہ نے کہا کہ "جب مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے تو پھر وہ خزانہ نہیں ہے"[۵۲]
تو شام میں حضرت ابوذر اور امیر معاویہ میں اس موضوع پہ جھڑپ ہو گئی[۵۳]۔ چنانچہ آپ نے

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۱) بیان فرمایا کہ خلافت سے پہلے میرے اونٹ اور بکریاں سب سے زیادہ تھے
اور آج یہ کیفیت ہے کہ میرے پاس دو اونٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ بھی حج کے لیے رکھے
ہیں۔ پھر صحابہ کرام سے پوچھا کیوں یہ بات صحیح ہے یا نہیں تو سب نے کہا ہاں ٹھیک ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۵۱] حضرت ابوذر نے خود ربذہ میں چلے جانا پسند کیا تھا اور حضرت عثمان نے ان سے موافقت
کی جیسا کہ آئندہ بیان آئے گا اور حضرت عثمان نے آپ کے آرام و آسائش کا پورا پورا
سامان مہیا کیا۔

[۵۲] شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ میں اس مسئلہ کی شرعی تفصیل اور فقہی بیان
ملاحظہ کرنا چاہیئے ۱۲

[۵۳] طبری اور اکثر اسلامی مصادر نے بیان کیا ہے کہ جب ابن سوداء (عبداللہ بن سبا) شام میں
آیا تو ابوذر سے ملاقات کی اور کہا "اے ابوذر کیا آپ کو امیر معاویہ کے اس قول پر تعجب نہیں وہ
کہتے ہیں کہ "مال اللہ کا مال ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے"۔ گویا آپ کا مقصد یہ ہے (باقی برصفحہ ۱۴۳)

دمشق چھوڑا اور مدینہ منورہ چلے آئے اور لوگ آپ کے پاس اکٹھے ہونے لگے تو آپ ان کو اپنے اسی مسلک کی تلقین کرنے لگے تو حضرت عثمانؓ نے آپ سے کہا "آپ علیحدہ رہیں تو اچھا ہے" اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے ایک ایسا مسلک اختیار کرلیا ہے جو عام لوگوں کے لیے مناسب نہیں اور لوگوں سے آپ کا اختلاط کوئی اچھا نتیجہ نہ پیدا کرے گا۔ کیونکہ اختلاط کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں اور عزلت کے لیے بھی۔ اور جو آدمی حضرت ابوذر جیسا مسلک اختیار کرے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ علیحدہ ہی رہے اور یا پھر میل جول کرے ہے تو لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے جب تک شریعت میں حرام نہ ہو لوگوں کو مجبور نہ کرے۔ چنانچہ آپ اپنے زہد اور فضیلت کی بنا پر ربذہ چلے آئے اور ایک بہت بڑی فضیلت کا نمونہ چھوڑا۔ اور صحابہ سب ہی خیر و برکت اور فضیلت پر تھے لیکن ابوذر کا حال ان سے بہتر ہے اور سب لوگوں کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) کہ مال کو دوسرے مسلمانوں کے علاوہ خود سمیٹ لیں اور اس میں سے مسلمانوں کا نام مٹا دیں"۔ تو حضرت ابوذر امیر معاویہ سے ملے اور پوچھا کہ "تم مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہو؟" تو امیر معاویہ نے جواب دیا "اے ابوذر اللہ آپ پہ رحم کرے کیا ہم سارے اللہ کے بندے نہیں ہیں؟ اور کیا مال اسی کا مال نہیں ہے؟ اور کیا خلق اور امر اسی کا نہیں ہے؟" تو ابوذر نے کہا "آپ ایسا نہ کہا کریں"۔ تو امیر معاویہ نے کہا "میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ مال اللہ کا نہیں ہے لیکن میں یہ کہہ دیا کروں گا کہ مسلمانوں کا مال ہے"۔ پھر اس کے بعد ابن سوداء (عبد اللہ بن سبا) حضرت ابوالدرداء کے پاس آیا تو حضرت ابوالدرداء نے اس سے کہا "تو کون ہے؟ خدا کی قسم مجھے تو یہودی معلوم ہوتا ہے"۔ پھر ابن سبا عبد اللہ بن صامت کے پاس آیا تو ابن صامت اس کے ہمراہ ہوگیا اور اس کو لے کر امیر معاویہ کے پاس آیا اور کہا۔ خدا کی قسم اسی آدمی نے حضرت ابوذر کو آپ کے پاس جرح کرنے کے لیے بھیجا تھا ۱۲

ہے۔ اور وہ یہ طریقہ اختیار کریں تو ہلاک ہو جائیں۔[1] تو پاک ہے وہ اللہ جو لوگوں کے مراتب مقرر کرنے والا ہے۔

---

[1] مال کے معاملہ میں نصوص شرعیہ کے مطالعہ اور ان نصوص میں تطبیق دینے کے لئے مراقبہ سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے اور سلف صالحین کی سیرت اور عمل نے اس پر گواہی دی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی ملکیت کے مال میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے ضروری اخراجات کا حق رکھتا ہے جیسا کہ اہل عفت اور قناعت اور دیندار لوگوں کا دستور ہے اور جو مال اس سے بچ رہے سب سے پہلے اس کی شرعی زکوٰۃ ادا کرے اگر اسلامی حکومت نے اس کا انتظام کر رکھا ہو تو فبہا ورنہ اپنے اجتہاد سے کوشش کر کے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اب دولتمند اللہ کے امتحان میں ہے کہ وہ اس مال کو کس طرح خرچ کرتا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو اور مسلمانوں کی قوت، سعادت اور عزت میں اضافہ ہو۔ اگر وہ تاجر ہو تو تجارت کے طریق سے اور اگر زراعت پیشہ ہے تو زراعت کی راہ سے اور اگر صنعت پیشہ ہے تو صنعت سے اور اسلام نے اپنے دور قیام میں دولتمندوں کی دولت سے مدد اور قوت حاصل کی ہے اور مسلمان تاجر کی تجارت اگر مسلمانوں کو مشرکوں کی تجارت سے بے نیاز کر دے تو جب تک وہ دیانت اور صداقت سے تجارت کرے گا تو اس سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہو گی اور اسی طرح مسلمان صنعت کار اور اسی طرح زراعت پیشہ مسلمان اور ان تمام امور میں نیت سب سے اہم کام ہے اور اس کی میزان ایسے کام میں حق کی طرف حاجت ہو۔ مختصر یہ کہ مسلمان آدمی کو حق پہنچتا ہے کہ غیر محدود دولت کا مالک بن جائے بشرطیکہ حلال طریقہ سے حاصل کرے اور دستور کے مطابق اسے خرچ کرنے کی بھی اجازت ہے اور جو مال زکوٰۃ اور ضروری اخراجات کے بعد بچ جائے گا وہ اس کے پاس اللہ کی امانت ہو گی وہ اس کو ایسے طریق سے خرچ کرے جس سے مسلمانوں کی ثروت، قوت، عزت اور سعادت میں اضافہ ہو۔ اور حضرت ابوذر کا طریق کار کہ مسلمانوں کے پاس کچھ جمع نہ ہو اس دور میں یہ مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔ آج کل کے مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خود کھاتے پیتے ہیں (باقی بر صفحہ ۱۴۵)

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان پر ایسے معاملہ میں گرفت کی جا رہی ہے جو حضرت عمر نے بھی کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو چند دیگر صحابہ کے ساتھ قید کر دیا تھا۔ ایک سال قید میں رہ چکے تو حضرت عمر شہید ہو گئے پھر حضرت عثمان نے ان کو آزاد کیا اور حضرت عمر نے ان کو اس لیے قید کیا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے احادیث روایت کرتے تھے۔[1]

اور حضرت ابو ذر اور امیر معاویہ میں جھڑپ ہو گئی کہ حضرت ابو ذر جس طرح حضرت عمر کے زمانہ میں مخاطرہ کہ گفتگو کیا کرتے تھے حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ اندازہ نہ رہا تو امیر معاویہ نے حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی۔ امیر معاویہ کو یہ خطرہ تھا کہ کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو کیونکہ حضرت ابو ذر ان کو زہد اور ایسے امور کی تعلیم دیتے تھے جس کے عوام متحمل نہیں ہو سکتے یہ طریق صرف مخصوص لوگوں میں راس آسکتا ہے تو حضرت عثمان

(بقیہ حاشیہ ص۱۴۴) اور اسلام کی عزت، دولت، قوت اور حرمت کی پرواہ نہیں کرتے۔ حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں اور جو لوگ اسلام کو نہیں جانتے اسلام بھی ان کو نہیں جانتا ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ابن حزم کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے ایک مرسل حدیث مروی ہے کہ حضرت عمر نے ابن مسعود اور ابوالدرداء اور ابو ذر سے کہا یہ کیا ہے جو تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کرتے رہتے ہو۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر نے اپنی وفات تک ان کو مدینہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی ۱۲ ابن حزم کہتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے اور اس سے حجت لینا صحیح نہیں۔ جیسے شیخ احمد شاکر نے اس پر تعلیق کی ہے کہ بیہقی نے ابن حزم سے موافقت کی ہے کیونکہ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ ابن العربی نے اسی مرسل حدیث پر اعتماد کیا ہے یا کسی اور حدیث سے استدلال کیا ہے جسے ہم نہیں جانتے ۱۲

نے انھیں لکھا (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) کہ تم یہاں آجاؤ۔ جب ابوذر مدینہ میں آئے تو لوگ آپ کے پاس اکٹھے ہونے لگے تو انہوں نے حضرت عثمان سے کہا۔ "آپ کہیں تو میں ربذہ چلا جاؤں؟" حضرت عثمان نے کہا "چلے جائیں۔ بہتر ہے کہ آپ تنہا رہیں"۔ اور یہ ہی ایک طریقہ تھا جس سے اس فتنہ کی اصلاح ہو سکتی تھی جو آپ کی روش سے پیدا ہو سکتا تھا۔[۱]

(۶) اور حضرت ابوالدرداء اور معاویہ میں تلخ گفتگو ہو گئی۔ معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابوالدرداء ایک زاہد فاضل آدمی تھے دمشق میں قاضی تھے۔ جب انہوں نے حق کے معاملہ میں سختی کی اور ایسے لوگوں میں حضرت عمر کا سا طرز عمل اختیار کیا جو اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے تو انہوں نے ان کو معزول کر دیا۔[۲] تو ابوالدرداء مدینہ چلے آئے اور یہ

---

[۱] قاضی ابوالولید بن خلدون نے "عبر" میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت عثمان سے مدینہ سے باہر چلے جانے کی اجازت مانگی اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ "جب عمارتوں کا سلسلہ جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم مدینہ سے چلے جانا"۔ تو آپ نے ان کو اجازت دیدی اور ربذہ میں چلے آئے اور یہاں آکر ایک مسجد بنائی۔ حضرت عثمان نے آپ کو کچھ اونٹ دے دیئے اور کچھ غلام اور آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ گاہے گاہے مدینہ منورہ آتے جاتے رہے اور مدینہ اور ربذہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ ربذہ مکہ کے راستہ میں ایک بہترین منزل تھی۔

[۲] امیر معاویہ خود بھی چاہتے تھے کہ نظام ملکی حضرت عمر کے طریقہ پر رہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں زہری سے روایت کیا ہے کہ "امیر معاویہ نے دو سال تک حضرت عمر کے طریقہ ہی پر عمل کیا اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی پھر اس کے بعد اس راہ سے ہٹ گئے" جس آدمی کی نگاہ زندگی کے مختلف اطوار اور اس کی سیاست پر نہیں ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ حاکم وقت جس طرح چاہے اور جہاں چاہے نظام حکومت قائم کر سکتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جتنا اثر حاکم پر نظام ملکی کا پڑتا ہے وہ اس سے بہت (باقی برصفحہ ۱۴۷)

سب کچھ مصلحت ملکی کے پیش نظر تھا اس سے دین میں کوئی قدح نہیں ہوتی اور
کسی مسلمان کی قدر و منزلت میں یہ کسی طرح بھی موثر نہیں ہو سکتا اور حضرت ابو الدرداءؓ
اور حضرت ابوذر نکتہ چین لوگوں کی تنقید سے بری ہیں اور حضرت عثمان اس الزام
سے ان سے بھی زیادہ بری اور پاک وصاف ہیں۔ جو شخص بھی یہ کہتا ہے کہ آپ نے
ان کو جلاوطن کیا اور انھیں چلتا کیا وہ سب باطل ہے۔

(۷) باقی رہا حکم کو واپس لانے کا معاملہ تو وہ صحیح نہیں ہے[1]۔

ہمارے علماء نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عثمان کو حکم کے واپس لانے کی اجازت دے دی تھی اور پھر آنحضرت کا وصال
ہو گیا بعد ازاں حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر اور عمر سے کہا تو انہوں نے جواب
دیا کہ اگر آپ کے پاس کوئی گواہ ہو تو ہم اسے واپس بلا سکتے ہیں لیکن چونکہ اس کا
گواہ کوئی نہ تھا لہذا انہوں نے حکم کو واپس نہ بلایا پھر جب حضرت عثمان خود خلیفہ
ہوئے تو انہوں نے اپنے علم کی بنا پر اس کو واپس بلا لیا۔ اور اگر رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے اجازت نہ دی ہوتی تو حضرت عثمان کی کیا مجال تھی کہ اس کو واپس بلاتے
آپ[2] آنحضرت کے حکم کو کبھی نہ توڑ سکتے تھے خواہ وہ آپ کا باپ ہی کیوں نہ ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ) انتظام زیادہ ہوتا ہے جتنا کہ وہ خود نظام ملکی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت
نہیں بدلتے جب تک کہ وہ خود نہ بدلیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یعنی باغیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ حضرت عثمان نے اس معاملہ میں شریعت کے
تقاضا کے خلاف کیا ہے ۱۲

[2] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے حکم کو جلاوطن کرنے کے واقعہ میں بہت سے لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ کچھ لوگ
کہتے ہیں کہ حکم اپنے اختیار سے طائف گیا تھا۔ حکم کو جلاوطن کرنے کا واقعہ صحاح میں (باقی برصفحہ ۱۴۸)

(۸) اور وہ جو دوگانہ چھوڑ دینے کا واقعہ ہے وہ ایک اجتہاد ہے کیونکہ آپ سے

(بقیہ حاشیہ ۱۴۷) نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند ہے۔ پھر اس کے بعد کہا کہ طلقاء لوگ (جو فتح مکہ پر مسلمان ہوئے اور ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معافی دی) مدینہ میں رہتے ہی نہ تھے اور اگر اسکو جلا وطن کیا ہوتا تو مکہ سے کرتے نہ کہ مدینہ سے اور اگر اس کو مدینہ سے نکالتے تو مکہ بھیجتے نہ کہ طائف اور بہت سے لوگوں نے تو اس واقعہ ہی سے انکار کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ وہ اپنے اختیار سے گیا تھا اور اگر بالفرض نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو تعزیر کے طور پر جلا وطن کیا بھی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ جلا وطن ہی رہے اور یہ ہمیشہ کی جلا وطنی تو کسی بھی گناہ میں ثابت نہیں ہے اور نہ شریعت نے کوئی ایسا گناہ بتایا ہے جس کی سزا ہمیشہ کی جلا وطنی ہو۔

اور حضرت عثمان نے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے معاملہ میں سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سفارش کو قبول کر لیا اور اس کی بیعت لے لی تو پھر آپ حکم کے بارے میں حضرت عثمان کی سفارش کیوں نہ قبول کرتے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان نے حکم کو واپس لانے کی اجازت لے لی تھی اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حکم کا گناہ عبد اللہ بن سعد کے گناہ سے چھوٹا ہے اور پھر عبد اللہ کا قصہ مشہور سند سے ثابت ہے اور حکم کا قصہ مرسل سند سے مروی ہے اور اس واقعہ کو ان مورخین نے ذکر کیا ہے۔ جو جھوٹی روایات بیان کرنے کے عادی ہیں اور کوئی منقول روایت ایسی نہیں ہے جس سے حضرت عثمان تو کجا معمولی آدمی پر بھی جرح نہیں بن سکتی اور حضرت عثمان کے فضائل اور رسول اللہ کی آپ سے محبت اور آنحضرت کا آپ کی تعریف کرنا اور ان کو اپنی دو بیٹیاں نکاح کر دینا اور آپ کو جنت کی بشارت سنانا اور آپ کو مکہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجنا اور آپ کی طرف سے آنحضرت کا اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا اور صحابہ کا آپ کو خلافت کے لیے منتخب کرنا اور آپ کے متعلق حضرت عمر کی شہادت کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان پر اپنی وفات تک خوش رہے یہ سب کچھ معلوم ہے اور ان (باقی بر ص ۱۴۹)

سنا تھا کہ نئے مسلمان دوگانہ کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو رہے ہیں اور وہ یہ سمجھ کر اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸) چیزوں سے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالٰے کے کبار اولیاء متقین میں سے ہیں جن سے اللہ تعالٰے خوش ہیں اور وہ اللہ تعالٰے سے خوش ہیں تو ایک ایسے واقعہ کے باعث جس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ یہ واقعہ کس طرح ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ کیونکر گناہ لگایا جا سکتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ منہاج السنۃ کے صفحات ۲۳۵ - ۲۳۶ بھی ملاحظہ کریں۔

اور ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب "الامامت والمفاضلہ" جو کہ آپ کی کتاب "الفصل" کی چوتھی جلد میں شامل ہے میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جنہوں نے حضرت عثمان پر اعتراض کرنے والوں کا جواب دیا ہے کہ حد واجب کے طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی کو جلاوطن کرنا ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ہمیشہ کی شریعت ہے بلکہ یہ صورت کسی ایسے گناہ کی تعزیر ہو سکتی ہے جو جلاوطنی کا حق رکھتا ہے اور پھر توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب کوئی گنہگار توبہ کر لے تو اس سے تعزیر ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہے اور تمام زمین رہائش کے لیے مباح ہو جاتی ہے۔

اور شیعہ کے زیدی فرقہ کے مجتہد سید محمد بن ابراہیم وزیر یمنی نے اپنی کتاب "الروض الباسم" میں حاکم محسن بن کرامۃ معتزلی شیعہ کا قول نقل کیا ہے جو اس نے اپنی کتاب "شرح العیون" میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو حکم کے واپس لانے کی اجازت دے دی تھی"۔

ابن الوزیر نے کہا کہ معتزلہ اور زیدی شیعہ کے لیے اس حدیث کو قبول کرنا اور حضرت عثمان پر اعتراض نہ کرنا لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس حدیث کا راوی ان کے مشہور علماء سے ہے اور ان کو اس کے علم اور صحت عقیدہ پر اعتماد ہے۔ پھر ابن الوزیر نے اس موضوع پر بڑی مفصل بحث کی ہے اور حضرت عثمان کی براءت میں تمام دلائل کو جمع دیا (باقی برصفحہ ۱۵۰)

گھروں میں بھی دو رکعت پڑھنے لگے ہیں کہ نماز ہے ہی دو رکعت۔ تو حضرت عثمان کو معلوم ہوا کہ اس طرح یہ سنت فرض کے اسقاط تک پہنچا دے گی تو آپ نے دوگانہ کو اس خوف سے چھوڑ دیا۔[۱] پھر یہ معاملہ بھی تھا کہ صحابہ کی ایک جماعت نے کہا کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ پوری نماز پڑھ لے خواہ دوگانہ اور صحابہ کا اس میں اختلاف تھا۔[۲]

(بقیہ حاشیہ ۱۴۹) کیا ہے جو تین صفحات تک چلے گئے ہیں اور ایک زیدی شیعہ مجتہد کے یہ دلائل اور شیعہ معتزلی سے مندرجہ بالا حدیث روایت کرنا اس کا بہت بڑا وزن ہے۔ خصوصاً جبکہ اہل سنت کے دو امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ ابن العربی اور اہل ظاہر کے امام ابن حزم بھی ان کے ہمنوا ہوں۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یہ واقعہ ۲۹ھ کے حج کے موقع پر منیٰ میں پیش آیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان پر پوری نماز پڑھنے کے متعلق اعتراض کیا تو حضرت عثمان نے یہ جواب دیا کہ بعض یمنی حاجی اور بدو لوگ جنہوں نے پچھلے سال حج کیا تھا وہ یہ سمجھنے لگے کہ نماز ہے ہی دو رکعت کیونکہ امیرالمومنین نے دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے۔ اور پھر اپنے گھروں میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور پھر اس کے بعد کہا کہ میں نے مکہ میں نکاح بھی کر لیا ہے (یعنی اب میں مقیم ہوں مسافر نہیں) تو میں نے اس خوف سے چار رکعت نماز پڑھی ہے۔" پھر حضرت عبدالرحمن حضرت عثمان کے پاس سے اٹھ کر عبداللہ بن مسعود کے پاس گئے اور اس معاملہ میں گفتگو کی تو ابن مسعود نے کہا "اختلاف گوارا ہے مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ نے نماز چار رکعت پڑھی ہے تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں سمیت چار رکعت ہی پڑھی ہیں"۔ تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا "مجھے بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ نے چار رکعت پڑھی ہیں لیکن میں نے اپنے ساتھیوں سمیت دو رکعت نماز پڑھی تھی لیکن اب آئندہ میں بھی چار رکعت ہی پڑھا کروں گا۔ (طبری ۵۶-۵۷/۵)

[۲] محمد بن یحییٰ اشعری مالکی المعروف ابن بکر نے اپنی کتاب "التمہید و البیان" کے صفحہ ۲۷۰ اور ۲۷۱ پر نقل کیا ہے (اور یہ کتاب مصری کتب خانہ کے قلمی نسخوں میں موجود ہے) کہ صحابہ کی ایک جماعت سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھی۔ ان میں سے حضرت عائشہ (باقی بر صفحہ ۱۵۱)

(۹) باقی رہا حضرت امیر معاویہ کو والی بنا لینے کا واقعہ تو ان کو حضرت عثمان نے نہیں بلکہ حضرت عمر نے والی بنایا تھا اور شام کے تمام علاقے ان کی تحویل میں دے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰) سلمان اور چودہ صحابہ کے نام لیے ہیں۔

اور صحیح بخاری ابواب التقصیر میں حضرت عائشہ کی روایت موجود ہے وہ فرماتی ہیں کہ پہلے پہل جب نماز فرض ہوئی تو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر سفر کی نماز تو وہی رہی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی۔ زہری کہتے ہیں میں نے حضرت عروہ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت عائشہ پوری نماز پڑھتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا وہ بھی اسی لیے پوری نماز پڑھتی ہیں جس لیے حضرت عثمان پوری پڑھتے تھے۔

مسند امام احمد میں عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جب امیر معاویہ ہمارے پاس حج کے لیے آئے تو ہم بھی آپ کے ساتھ مکہ آئے تو آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر دار الندوہ کی طرف چلے آئے اور حضرت عثمان ظہر عصر اور عشا کی نمازیں چار چار رکعت پڑھایا کرتے تھے اور جب عرفات کو جاتے تو دوگانہ پڑھتے۔ پھر جب وہاں سے واپس منیٰ آتے تو پھر چار رکعت پڑھاتے یہاں تک کہ مکہ سے رخصت ہو جاتے تو امیر معاویہ نے جب ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں تو مروان اور عمرو بن عثمان نے سوال کیا کہ جس بری طرح آپ نے حضرت عثمان پر اعتراض کیا ہے اس طرح تو کسی نے بھی آپ کے چچا زاد بھائی پر اعتراض نہ کیا تھا۔ تو امیر معاویہ نے کہا کس طرح؟ تو انہوں نے کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان مکہ میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے؟ تو امیر معاویہ نے کہا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر کے پیچھے چار رکعت والی نمازیں دوگانہ پڑھی ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ آپ کے چچا زاد بھائی تو پوری نماز پڑھتے تھے۔

تو اب یہ ظاہر بات ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ دوگانہ نماز کی رخصت ہے اور مسافر کو اختیار ہے خواہ دوگانہ پڑھے خواہ پوری پھر آپ نے عصر کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔

دیے تھے اور حضرت عثمان نے ان کو برقرار رکھا۔ بلکہ آپ کی ولایت کا تعلق حضرت ابوبکر صدیق سے ہے کیونکہ انہوں نے ان کے بھائی یزید بن معاویہ کو والی بنایا اور یزید نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ تو حضرت عمر نے آپ کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اس کا تعلق حضرت ابوبکر سے تھا کہ انہی کے والی نے ان کو مقرر کیا تھا تو پھر حضرت عثمان نے حضرت عمر کی پیروی کرتے ہوئے ان کو برقرار رکھا۔ اب اس سلسلہ کو دیکھو کہ ان کی کڑیاں کتنی مضبوط ہیں اور ان کے بعد اس جیسا شاندار سلسلہ اور کوئی نہ لا سکا۔[1]

---

[1] حضرت ابوبکر اور عمر کی خلافت میں دولت اسلامیہ عزت کی انتہائی بلندی پہ پہنچ گئی۔ اور اجتماعی سعادت اور انسانی فلاح و بہبود میں ضرب المثل ہو گئی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر اور عمر دونوں اللہ تعالٰے کی عطا کردہ فراست سے لوگوں کی عادات اور مردانگی کے جوہر کو دیکھتے پھر ان کو قیادت سپرد کرتے اور سرداری کی مسند پر بٹھاتے اور ان کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر امین بناتے اور وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں ان سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یزید بن ابوسفیان اور ان کے بھائی امیر معاویہ دونوں حضرت ابوبکر کے عاملین میں سے تھے جن کو انہوں نے صلح و جنگ میں مسلمانوں کی حاشیہ برداری کے لیے انتخاب کیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے یہ بہترین کام کیا تھا۔ جب یزید کو ابوبکر نے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا تو ان کو وداع کرنے کے لیے پیدل ساتھ چلے (طبری ج ۳ ص ۴۸)
اور امیر معاویہ کا تذکرہ تاریخ میں یزید کے بعد ملتا ہے اس لیے کہ امیر معاویہ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ اس لیے نہیں کہ امیر معاویہ میں سرداری اور قیادت کی صفات میں کچھ کمی تھی اور امیر معاویہ بکری اور عمری خلافتوں میں ایک بلند مقام حاصل کرنے سے پہلے ان لوگوں میں سے تھے جن کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ خدمات سپرد کی تھیں اور ان سے مدد لی اور آنحضرت ان کو وقتاً فوقتاً ان امور کے لیے بلایا کرتے کبھی معاویہ روٹی کھا رہے ہوتے تو آنحضرت دوبارہ سہ بارہ پیغام بھیج کر ان کو جلدی بلا لیتے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود بعض خدمات پر والی بنایا اور بعد ازاں ز باقی برصفحہ ۱۵۳)

(۱۰) باقی رہا عبداللہ بن عامر بن کریز کا واقعہ تو ان کو آپ ہی نے والی بنایا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۲) حضرت ابوبکر اور عمر نے ان کو والی بنایا اور یزید بن ابوسفیان نے ان کا انتخاب کیا جیسا کہ فتوح البلدان بلاذری ص۱۴۸ طبع مصر میں مذکور ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کینہ اور بغض بھرا ہوا ہے خصوصاً بنی امیہ کے متعلق تو وہ بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابت وحی کی خدمت سپرد کی تھی۔

ہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ دوسری چیزیں لکھا کرتے تھے وحی نہ لکھتے تھے اور وہ جو یہ تمیز کرتے ہیں وہ اس وحی کے ذریعہ کرتے ہیں جو شیطان نے ان کی طرف وحی کی ہے۔ ان کے ہاتھ میں کوئی تاریخی اور شرعی دلیل نہیں ہے جس کی طرف وہ رجوع کریں۔ اور وہ ان امور میں تمیز کریں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتابت میں کچھ تمیز کرتے تو یہ چیز محدثین متواتر نقل کرتے جیسا کہ وہ اس سے بھی بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا (اس کا خیال تھا کہ علم رجال میں میری معلومات وسیع ہیں) امیر معاویہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا "میری کیا بساط ہے کہ میں اس امت کے ایک نہایت عظیم انسان کے متعلق اپنی رائے پیش کروں جو کہ ایک عظیم صحابی بھی تھے وہ اسلام کے چراغوں میں سے ایک چراغ ہیں لیکن اس چراغ کی چمک اس طرف پیدا ہوئی جہاں چار سورج موجود تھے۔ جن کے انوار سے دنیا بھر چکی تھی تو ان کا نور اس چراغ کی روشنی پر غالب آگیا۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۳۳ میں نقل کیا ہے کہ لیث بن سعد نے کہا (یہ مصر کے امام، عالم اور رئیس ہیں ۱۷۵ھ میں وفات ہوئی) انہیں بکیر نے حدیث سنائی (یہ عبداللہ اشج کے بیٹے ہیں پہلے مدنی تھے پھر مصری ۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ امام نسائی نے ان سے روایت کی ہے اور ان کو ثقہ کہا ہے) انہوں نے لیث بن سعد (باقی ص۱۵۴)

جیسا کہ کہا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ننہال اور ددھیال کے لحاظ سے نہایت

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۳) سے حدیث سنی (یہ نہایت عبادت گذار تھے اور زہد و ورع میں مشہور ہیں) کہ سعد بن ابی وقاص نے کہا (یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) میں نے حضرت عثمان کے بعد اس دروازے والے سے زیادہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتے کسی کو نہیں دیکھا اور اشارہ امیر معاویہ کی طرف کیا۔

اور ابن کثیر نے ج۸ ص۱۳۵ پر یہ بھی کہا ہے کہ ابن عباس نے کہا میں نے معاویہ سے بہتر سلطنت کے اخلاق والا کوئی آدمی نہیں دیکھا (اور اس حدیث کے راویوں میں عبدالرزاق بن ہمام صنعانی بھی ہے جس کو شیعہ کہا جاتا ہے اور وہ ان ایک بہت بڑا حافظ اور عالم ہے) اور سلطنت کے اخلاق والا آدمی وہی ہو سکتا ہے جو عادل اور بردبار اور عقلمند ہو اور حکومت کی حفاظت اچھی طرح کر سکے اور دوسرے ممالک میں اسلامی دعوت کو پھیلا سکے اور اس امانت میں خیانت نہ کرے جس کا اسے اللہ نے امین بنایا ہے اور ایسا آدمی جو سلطنت کے اخلاق نہایت اچھے رکھتا ہو اس کو والی بنانے پر حضرت عثمان پر اعتراض کیا جا سکتا ہے؟

اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت عثمان پر اعتراض کیا جائے حالانکہ آپ سے پہلے ان کو حضرت عمر نے والی بنایا تھا اور عمر سے پہلے ابوبکر نے ان کو والی بنایا اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بعض امور پر والی بنایا اور تینوں خلفائے راشدین کی خلافتیں ان کے بعد ہوئیں۔ اور وہ دماغ جس میں شیطان اس قسم کے وسوسے پیدا کرے بلاشبہ وہ دماغ فاسد ہے جو پہلے لوگوں کی عقلیں بگاڑتا ہے پھر ان کے دین اور تاریخ کو تباہ کرتا ہے۔ حق اور خیر سے محبت رکھنے والوں پر لازم ہے کہ ایسے آدمی سے جس کے سر میں ایسا دماغ ہو اس طرح بچیں جس طرح کوڑھی سے پرہیز کی جاتی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے جب عمیر بن سعد انصاری اوسی کو حمص کی ولایت سے معزول کیا اور امیر معاویہ کو ان کی جگہ (باقی بر ص۱۵۵)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۵۴)

والی بنایا تو لوگوں نے کہا کہ عمیر کو معزول کر کے معاویہ کو ان کی جگہ والی بنایا گیا دیغوی نے معجم صحابہ میں کہا ہے کہ عمیر کا لقب "نسیج وحدہ" یعنی بے مثال تھا۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر ان کو اسی نام سے پکارا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کو بہت پسند تھا) تو عمیر نے کہا امیر معاویہ کا تذکرہ بھلائی سے کرو میں نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے دعا کی "یا اللہ معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے" اور یہ حدیث خود حضرت عمر نے بھی امیر معاویہ کے متعلق روایت کی ہے۔ جب حضرت عمرؓ امیر معاویہ کے متعلق یہ شہادت دیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کریں تو یہ ایک بہت بڑی خوبی اور فضیلت ہے کیونکہ حضرت عمر کا خود بھی مقام نہایت بلند ہے اور جب خود عمیر بن سعد انصاری نے یہ روایت کی جن کو معزول کر کے امیر معاویہ کو والی بنایا گیا تھا تو یہ شہادت بھی حضرت عمرؓ کی شہادت سے کم نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت عمیر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور نہایت زاہد آدمی تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۸۹ میں روایت کیا ہے کہ امیر معاویہ کے اخلاق اپنی رعیت کے ساتھ بہترین حکمران کے سے تھے اور آپ کی رعیت آپ سے محبت کرتی تھی اور صحیحین میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ بہترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم محبت رکھو اور وہ تم سے محبت رکھیں تم ان سے تعلق رکھو اور وہ تم سے تعلق رکھیں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم دشمنی رکھو اور وہ تم سے دشمنی رکھیں اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

اس مقام پر اس سے زیادہ وضاحت نہیں ہو سکتی ہم امیر معاویہ کی اصلی شکل و صورت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ضمن میں بیان کریں گے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمیں کس قدر دھوکہ دیا گیا ہے اور اسلام کے پہلے دور کے دشمنوں نے کس قدر جھوٹ بولے ہیں ۱۲

شریف آدمی تھے۔[1]

---

[1] آپ باپ کی طرف سے اموی ہیں اور ماں کی طرف سے ہاشمی۔ آپ کے باپ کی والدہ اردی بنت کریز ہے اور ان کی والدہ عبدالمطلب بن ہاشم کی بیٹی بیضا ہے جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ جب ان کی پیدائش ہوئی تو ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا "اے بنی عبد شمس! اس کی شکل تم سے زیادہ ہم سے ملتی ہے۔ پھر آپؐ نے اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور عبداللہ نے اسے نگل لیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے امید ہے کہ یہ کبھی پیاسا نہ ہوگا" پھر عبداللہ جہاں بھی جا کر ڈیرا لگاتے اس زمین سے پانی باہر آجاتا۔ آپ نہایت سخی۔ نہایت شریف اور بابرکت آدمی تھے۔ آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے سارا خراسان اور فارس کے کچھ علاقے اور سیستان اور کرمان کو فتح کیا۔ یہاں تک کہ غزنی کی سرحد تک پہنچ گئے اور یزدجرد بن شہریار کو موت کے گھاٹ اتارا جو کہ فارس کا آخری بادشاہ تھا۔ ایرانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے بادشاہوں کا سلسلہ ان کے آدم سے شروع ہوا ہے جسے وہ جیو مرث (کیو مرث) کے نام سے پکارتے ہیں تو اس کی اولاد کی بادشاہی ہمیشہ منتظم رہی یہاں تک کہ ان پر آخری ضرب اسلام کے غلبے نے امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس عبشمی اور ہاشمی نوجوان کے ہاتھ سے لگائی جن کا نام عبداللہ بن عامر بن کریز ہے اور یہ مجوسیوں کے دلوں میں اسلام اور عثمان اور ابن کریز کے خلاف ایک جلن ہے۔ یہ لوگ ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور جھوٹ، بغض اور مکاری کے اسلحہ سے ان کے خلاف جنگ لڑتے رہیں اور ان کی یہ جنگ قیامت تک جاری رہیگی۔

جن دنوں ایران شافعی المذہب تھا ان دنوں اس میں سچے مسلمان پیدا ہوئے اور ان میں سنت محمدیہ کے علماء باکمال پیدا ہوتے رہے ان میں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین اور فقہاء بھی ہوئے جنہوں نے ان لوگوں کے دلوں سے ایمانداروں کے خلاف کینہ اور حسد کو صاف کیا یہاں تک کہ اللہ تعالے نے ان کے ہاتھوں دور دراز تک

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۶)

اسلام پھیلایا اور امتوں کو ان کے سبب سے ہدایت فرمائی یہ لوگ ان سے محبت کرتے اور ان کی تعظیم ان کی قدر و منزلت کے مطابق کرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی معصوم نہیں سمجھتے۔ خواہ کوئی صحابی ہو یا تابعی یا کوئی تبع تابعین میں سے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کو نیکیوں سے بھر دیا تھا گویا کہ وہ پہاڑ ہیں۔

پھر جو لوگ ان سے اندھے ہیں اور گندگی کے ڈھیروں کو سونگھتے پھرتے ہیں کہ کوئی گندگی ان پر لاڈالیں اور ان بڑے لوگوں کی مذمت کریں اور اگر کچھ نہ ملے تو جھوٹ لولیں یا افترا کریں۔ تو مسلمان آدمی کے نفس کی یہ کرامت ہے کہ ایسے لوگوں اور ان کی دھوکہ بازیوں سے اپنے آپ کو بلند رکھیں اور ان کی طرف مائل نہ ہوں۔

عبد اللہ بن عامر بن کریز کی فتوحات کا تذکرہ چھوڑ دو جو کہ مشرق بعید تک پہنچ چکی تھیں اور مجوسیوں کی سلطنت کی تباہی بھی جانے دو۔ اس کی انسانی نیکیاں بھی اتنی ہیں جو لکھنے کے قابل ہیں۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج۸ ص۸۸ میں کہا ہے کہ اسی عبد اللہ نے بیت اللہ شریف کے حاجیوں کے لیے عرفات میں حوض بنائے اور ان میں پانی جاری کیا۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ج۳ ص۱۸۹-۱۹۰ میں لکھا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور نیکیاں اتنی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر اس طرح کے لوگ انگریزوں یا فرانسیسیوں میں پیدا ہوتے تو وہ ان کی عظمت کا ڈنکہ اپنی درسی کتابوں اور ثقافت اور تہذیب میں ہمیشہ بجاتے رہتے اور ہم لوگ انکو اپنی درسی کتابوں میں نقل کرنے کے لیے ان پر ٹوٹ پڑتے تاکہ ہماری نسلیں مستشرقین کے اسلاف کی عظمت پر ایمان لائیں۔ باقی رہی ہمارے اسلاف کی عظمت تو اس پر شیطان نے ایسے دلوں کو مسلط کر رکھا ہے جو خود فاسد ہو چکے ہیں اور ہر دم برائی پھیلاتے رہتے ہیں اور ان کی اکثر جھوٹی باتوں کو ہم میں سے اکثر لوگ سچ سمجھتے ہیں۔ تو ہم ایک ایسی امت بن گئے ہیں جس کی کوئی بزرگی نہیں حالانکہ یہ امت بزرگی کے ایسے ورثہ پر سوئی پڑی ہے جو کسی امت نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ۱۲

(۱۱) باقی رہا ولید بن عقبہ کے والی بنانے کا واقعہ۔ تو اصل یہ ہے کہ یہ لوگوں کی نیتوں کا بگاڑ ہے۔ وہ نیکی کے بجائے برائی کا رخ دیکھتے ہیں۔ اعتراضات کرنے والوں نے تو کہا کہ ان کو اس لیے والی بنایا گیا کہ وہ ان کا رشتہ دار تھا۔ لیکن حضرت عثمان نے کہا میں نے ان کو اس لیے والی نہیں بنایا کہ وہ میرا بھائی ہے[۵۱]۔ بلکہ اس لیے بنایا ہے کہ یہ ام حکیم بیضاء کا بیٹا ہے جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور آنحضرت کے والد عبد اللہ کے ساتھ جوڑے میں پیدا ہوئی تھی اور اس کا بیان ان شاء اللہ آئندہ آئے گا۔[۵۲]

---

[۵۱] ولید بن عقبہ حضرت عثمان کے ماں کی طرف سے بھائی تھے ان کی ماں اروٰی بنت کریز تھی اور اس کی ماں عبد المطلب بن ہاشم کی بیٹی بیضاء تھی۔

[۵۲] جو آدمی اس امت کے ابتدائی دور کو نہیں جانتا وہ تو یہ سمجھتا ہوگا کہ امیر المومنین حضرت عثمان ولید بن عقبہ کو راستے سے پکڑ لائے اور انہیں کوفہ کا والی بنا دیا لیکن وہ لوگ جن پر اللہ تعالے نے اس زمانے کے حالات اور ان لوگوں سے انس ومحبت ڈال کر احسان کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام کی پہلی دولت نے ابوبکر کی خلافت میں اس نوجوان، ارادہ کے دھنی اور با اخلاق نوجوان کو انتخاب کیا جس کا ایمان سچا تھا تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات تک اپنی خداداد استعداد خدا کی راہ میں لگاتے رہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں آپ کی پہلی ڈیوٹی یہ مقرر ہوئی کہ خفیہ پولیس کے محکمہ میں ان کو جنگی خطوط کی روانگی پر مقرر کیا گیا جو کہ خلیفہ وقت ابوبکر اور ان کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید کے درمیان آتے جاتے تھے یہ سنہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے جبکہ ایرانیوں کے ساتھ جھڑپیں ہو رہی تھیں (طبری ص۲۳ ج۴)

پھر اس کے بعد ان کو حضرت ابوبکر نے اپنے سپہ سالار عیاض بن غنم فہری کی امداد کے لیے لشکر دے کر روانہ کیا (طبری ص۲۲ ج۴)

پھر سنہ ۱۳ھ میں ابوبکر نے ان کو بنو قضاعہ کے علاقہ پر زکوۃ وصدقات کی (باقی بر ص۱۵۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸)

وصولی کے لیے مقرر کیا۔ پھر جب صدیق اکبر نے شام کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اسی ولید نے ابوبکر کی نگاہ میں عمرو بن عاص کا مرتبہ حاصل کیا۔ حرمت، ثقاہت اور کرامت سب میں عمرو بن عاص کی طرح معزز تھے۔ چنانچہ آپ نے عمرو بن عاص اور ولید بن عقبہ دونوں کو بلایا اور جہاد کی قیادت (سپہ سالاری) ان کے سپرد کی۔ عمرو بن عاص تو اسلام کا جھنڈا لے کر فلسطین چلے گئے اور ولید بن عقبہ شرق اردن روانہ ہوئے (طبری صفحہ ۲۹-۳۰ ج ۴)

پھر ۱۵ھ میں ولید بن عقبہ کو بنی تغلب اور جزیرہ کے اعراب پر والی بنایا گیا۔ (طبری صفحہ ۱۵۵ ج ۴) پھر آپ نے شمالی شام میں مجاہدین کی پشت پناہی کی تاکہ پیچھے سے ان پہ کوئی حملہ آور نہ ہو۔ آپ کے لشکر میں خاندان ربیعہ اور تنوخ کے مجاہدین تھے۔ ولید بن عقبہ نے اس سمت میں اپنی ولایت اور قیادت کو غنیمت سمجھا کیونکہ اس سمت میں قبائل عربیہ کے نصاریٰ بھرے ہوئے تھے۔ آپ جنگی جہاد اور دوسری تدبیروں سے اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے اور آپ نے حکمت اور نصیحت کے تمام طریقے استعمال کیے کہ ایاد اور تغلب کے عیسائی بھی دوسرے عرب کی طرح مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ ایاد تو اناطولی کے علاقہ کی طرف چلے گئے اور یہ علاقہ رومیوں کے ماتحت تھا۔ چنانچہ ولید نے خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ قیصر کو ایک دھمکی آمیز خط لکھیں کہ ان لوگوں کو دولت اسلامیہ کی حدود کی طرف واپس کر دے۔ اور بنو تغلب نے ولید پر سرکشی کرنے کے لیے حیلے بہانے سوچنے شروع کیے کہ ولید اس علاقہ میں دعوت اسلامیہ نہ پھیلا سکیں تو ان کی مضری رگ پھڑک اٹھی جس میں ایمان کی قوت بھری ہوئی تھی۔ اور آپ نے اپنا مشہور شعر اسی موقع پر کہا۔

"جب میں اپنے سر پر عمامہ باندھ لوں گا تو اے تغلب بنت وائل تیری تمام سرکشی ختم ہو جائے گی"۔

جب یہ بات حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ یہ نوجوان سپہ سالار تغلب کے نصاریٰ سے قیادت کی لگام نہ چھین لے کیونکہ اس وقت تک (باقی برصفحہ ۱۶۰)

اور ولایت میں اجتہاد[۵۱] سے کام لیا جاتا ہے اور حضرت عمر فاروق نے حضرت سعد

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۹) تغلب صرف عربی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی حمایت کر کے کفار سے لڑتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر نے ان سے ولید کے ہاتھ کو روک لیا اور ان کو اس علاقہ سے تبدیل کر دیا۔ یہی دن تھے جب ولید واپس آئے اور حضرت عمر کی شہادت کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو پھر حضرت عثمان نے ان کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور یہ کوفہ کے والیوں میں سے عدل۔ نرمی اور احسان میں سب سے بہتر والی ثابت ہوئے۔ جن دنوں آپ کوفہ کے والی تھے آپ کا لشکر مشرق وسطیٰ میں فتوحات حاصل کرتا رہا اور ہمیشہ کامیاب رہا۔ جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۵۱ مولف نے اس کتاب کے آخر میں ایک فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے "نکتہ" اس میں ان معانی و حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے جن کو بادشاہ والیوں کے نصب و عزل میں اجتہاد کرتے وقت ملحوظ رکھے اور یہ ایک بہت بڑی فقہ ہے اور عجیب معلومات ہیں جن کو ائمہ اسلام اور علماء نے ان فصلوں میں بیان کیا ہے جو انہوں نے امامت اور سیاست علکومت کے لیے اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں دین کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی ہیں۔ غالی شیعہ اور حسن بن المطہر الحلی نے اپنی کتاب "منہاج الکرامۃ" میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے مسلمانوں پر ایسے والی مقرر کیے جو ولایت کے اہل نہ تھے"۔ تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ص۱۷۳ تا ص۱۷۶) میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی نے زیاد بن ابی سفیان اور اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر اور ان جیسے لوگوں کو والی بنایا اور اس میں کسی عقلمند کو کوئی شبہ نہیں کہ امیر معاویہ ان سب سے بہتر تھے۔

پھر آپ نے کہا تعجب کی بات ہے کہ شیعہ حضرت عثمان پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اقارب بنی امیہ کو والی بنایا اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علی نے بھی اپنے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے اقارب کو والی بنایا۔ فہرست ملاحظہ فرمائیں۔ (باقی بر ص۱۶۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰)

آپ نے یمن پر عبید اللہ بن عباس کو مقرر کیا اور مکہ اور طائف پر قثم بن عباس کو اور مدینہ پر بقول بعض سہل بن حنیف کو اور بقول بعض ثمامہ بن عباس کو اور بصرہ پر عبد اللہ بن عباس کو اور مصر پر اپنے ربیب محمد بن ابی بکر کو جن کو آپ نے پرورش کیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد محمد کی والدہ سے حضرت علی نے نکاح کیا تھا اور یہ اس وقت چھوٹے تھے)

پھر امامیہ شیعہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی اولاد کے لیے خلافت کی صراحت کر دی تھی۔ یا انہوں نے اپنے لڑکے کے لیے وصیت کی اور پھر اس نے اپنے لڑکے کے لیے اور اسی طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اگر قرابتداروں کو والی بنانا بُرا ہے تو خلافت عظمیٰ کی ولیعہدی جزوی کاموں کی ولایت سے زیادہ بُری ہے اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے جو کچھ کیا ان کے پاس اس کی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان کے پاس ان کے اپنے افعال کی دلیل اس سے بہت بڑی ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرنے والوں کو خاموش کرنے کے لیے حضرت علی کی عصمت کا دعوےٰ کرے تو حضرت عثمان کا اجتہاد جو قوی دلیل پر مبنی تھا اس سے زیادہ منقول اور معقول طریقہ پر معترضین کو خاموش کرنے والا ہے۔

پھر اس کے بعد کہا ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو اپنی زندگی میں والی بنایا اور پھر آپ کے بعد ابوبکر اور عمر نے بھی ان کو عامل مقرر کیا۔ حالانکہ ان پر ان کی قرابت کی کوئی تہمت نہیں تھی اور قریش کے قبائل میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کے عامل بنی امیہ جتنے ہوں۔ اس کے کئی وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ یہ قبیلہ نسبتاً تعداد کے لحاظ سے بہت بڑا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ ان کے خاندان میں سرداری پہلے سے وراثتاً چلی آرہی تھی۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی بہترین جگہ مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسید بن ابوالعاص بن امیہ کو مقرر کیا اور نجران پر ابوسفیان بن حرب بن امیہ کو اور بنی مذحج (باقی بر صفحہ ۱۶۲)

بن ابی وقاص کو معزول کیا اور ایسے لوگوں کو ان کی جگہ مقرر کیا جو ان سے درجے[۱] میں کم تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) کے صدقات پر اور صنعاء اور یمن پر خالد بن سعید بن عاص کو (یہ آنحضرت کی وفات تک یہیں عامل رہے) اور تیماء، خیبر اور عرینہ کے علاقہ پر عثمان بن سعید بن عاص کو اور ابان بن سعید بن عاص کو پہلے سپہ سالار رکھا بعد میں بحرین پر عامل مقرر کر دیا۔ (ان سے پہلے بحرین پر علاء بن حضرمی عامل تھے جو بنی امیہ کے حلیف تھے۔)

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے بھی انہی لوگوں کو عامل مقرر کیا ہے جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر نے عامل مقرر کیا تھا اور انہی کے قبیلہ اور انہی کے امثال کو انتخاب کیا ہے۔ تو بنی امیہ کو عامل مقرر کرنے پر تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نص ثابت ہے اور یہ بنی ہاشم میں سے ایک معین شخص کو خلافت سپرد کر دینے سے زیادہ ہر عقلمند آدمی کو اپیل کرتی ہے، کیونکہ خلافت کی نص کا دعوی بہ اتفاق اہل علم بالکل جھوٹ ہے اور علم منقول کے اہل علم کے اتفاق سے حضرت عثمان والی بات بالکل سچ ہے اور منہاج السنۃ صفحہ ۲۳۶-۲۳۷ ج ۳ بھی ملاحظہ فرمائیں اور جن لوگوں نے عمال عثمانی کی زندگی اور ان کے جہاد اور فضائل کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اسلامی حکومت کی بلند چوٹیوں تک پہنچے تھے اور یہی اسلام کی بندگی اس کی لشکری اور عمومی زندگی کی مضبوط بنیاد کے بانی ہیں اور ان کو ثواب ہے ان اعمال کا جس کے نتائج فتوحات اور دعوت اسلامیہ کی توسیع ہیں، جن کو آج تک تاریخ ایک معجزہ اور خرق عادت سمجھتی آرہی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یہ سنہ ۲۱ھ کا واقعہ ہے اور وہ جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے بعد والی ہوئے وہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان ہیں (انہی کے زمانہ میں نہاوند کی لڑائی ہوئی) پھر ان کے بعد زیاد بن حنظلہ (انہوں نے بڑی منت سماجت کر کے اپنا استعفی پیش کیا جو قبول کر لیا گیا) اور ان کے بعد حضرت عمار بن یاسر (طبری صفحہ ۲۶ ج ۲) اور اس کا ماقبل ۱۲

(۱۲) باقی رہا مروان اور ولید کے متعلق معترضین کا اعتراض تو یہ بہت بڑا افترا ہے اور ان دونوں پر فسق کا الزام لگانے والے خود فاسق ہیں۔ مروان ایک عادل آدمی ہے اور صحابہ، تابعین اور فقہاء مسلمانوں کے نزدیک امت کے کبار میں سے ہے صحابہ میں سے تو سہل بن سعد ساعدی نے ان سے روایت[۱] کی ہے اور تابعین میں سے اس کے ہم عمر تابعینوں نے اور دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق تو مروان صحابی[۲] ہے۔ باقی رہے شہروں کے فقہاء تو سب ہی اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس

---

[۱] حضرت سہل کی مروان سے روایت صحیح بخاری اور دیگر کتابوں میں بھی ہے ۱۲

[۲] کبار تابعینوں میں سے جن لوگوں نے مروان سے روایت کی ہے ان میں امام زین العابدین علی بن حسین بھی ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ص ۱۲۳/۲ میں اس پر تصریح کی ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں۔ اگر پوری تفصیل چاہو تو طبقات شافعیہ کبری (تاج الدین سبکی کی تصنیف) میں مشہور لغوی ابو منصور محمد بن احمد بن ازہر (صاحب تہذیب اللغۃ) کا ترجمہ دیکھو ۲/۱۰۶-۳۷۰) حافظ ابن حجر نے جن تابعین کی مروان سے روایت پر تصریح کی ہے ان میں سعید بن مسیب بھی ہیں۔ جو علماء تابعین کے سردار ہیں اور فقہائے سبعہ یعنی ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور عروہ بن زبیر اور ان کی مثل اور لوگ بھی جیسے عراک بن مالک غفاری مدنی فقیہ اہل مدینہ (آپ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے) اور عبد اللہ بن شداد بن الہاد جنہوں نے حضرت عمر و علی اور معاذ سے روایت کی ہے اور عروہ بن زبیر کی مروان سے روایت صحیح بخاری کتاب الوکالۃ میں ہے اور مسند امام احمد میں ۴/۳۲۱ طبع اولیٰ میں ہے اور مروان سے عراک کی روایت کو امام اہل مصر لیث بن سعد نے یزید بن حبیب سے مسند احمد ص ۴/۳۲۱ میں روایت کیا ہے اور عبد اللہ بن شداد بن الہاد کی مروان سے روایت مسند امام احمد ص ۴/۳۲۱ و ۴/۳۲۳ میں ہے۔

اور جو آدمی بھی مروان کی روایات کو غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہوگا (باقی بر ص ۱۶۴)

کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کے فتوی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔ باقی رہے بیوقوف مورخ اور ادیب تو وہ اپنے اندازے کے مطابق کہتے ہیں۔

اب رہا ولید کا معاملہ تو یقیناً بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اپنے قول میں فاسق رکھا ہے "اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسے اچھی طرح معلوم کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی میں کسی قوم پر جا پڑو" (حجرات) تو یہ آیت ان کے قول کے مطابق اسی ولید کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بنی مصطلق کی طرف بھیجا اس نے آکر خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس خالد بن ولید کو بھیجا اس نے جا کر پتہ کیا تو ولید کی بات جھوٹ نکلی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت بنی مصطلق کے

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۳) کہ اس کی سند کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں۔ ان کی روایات دو صدیوں کی مدت تک مسلسل چلی آئی ہیں اور وہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جن کا اسلام میں مقام خاصا بلند ہے اور یہ ان لوگوں کے سینہ کو ٹھنڈا کرتے ہیں جن کے دلوں میں مروان کی عداوت بھری ہوئی ہے۔ بلکہ ان لوگوں کی عداوت بھی جو مروان سے اچھے تھے۔ بلکہ مروان کی احادیث کے راویوں میں عبد الرزاق بھی ہیں جو اہل یمن کے امام ہیں اور ان میں کسی حد تک تشیع بھی تھا اور مسند امام احمد ص۳۱۲ پر عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کی حدیث ہے کہ وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کی طرف مروان کا ایلچی بن کر گئے اور بعض احکام شرعیہ کی تحقیق کی۔ اور مسند امام احمد کے ص۲۹۹ پر کچھ نمونہ دیا گیا ہے کہ مروان سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح تعظیم کیا کرتا تھا اور وہ اسی طرح ہے جیسے ائمہ مسلمین اور ائمہ سنت کا انتہائی احترام پایا جاتا ہے ۱۲

بارے میں نازل ہوئی[1]۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علی اور ولید کے ایک اور واقعہ میں

له مجھے ابتدا میں تعجب ہوا کرتا تھا کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں اگر نازل ہوئی ہو اور خداوند تعالےٰ نے اس کو فاسق کہا ہو تو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر اور عمر کے دلوں میں وہ مرغوب کیوں رہے جیسے تاریخ بیان کرتی ہے اور ہم نے اس کی مثالیں پہلے بیان کر دی ہیں جہاں ہم نے ولید کا ماضی بارہ تیرہ سال تک بیان کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کو والی بنایا تو یہ ایک بہت بڑا تناقض ہے کہ اللہ تعالےٰ تو اس کو فاسق کہیں اور ابوبکر اور عمر ولید پر اعتماد کریں۔ تو اس طرح میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ یہ آیت ولید کے حق میں نازل نہیں ہو سکتی اور یہ استبعاد اس لیے نہیں تھا کہ ولید سے ایسے کام کا صدور نا ممکن ہو جسے خداوند تعالےٰ فسق سے تعبیر کریں استبعاد اس لیے تھا کہ جس کو قرآن مجید فاسق کہے اس کے متعلق ابوبکر اور عمر اعتماد کریں جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اولیاء اللہ میں سے سب سے زیادہ خدا کے قریب ہیں۔

جب اس طرح کا شبہ میرے دل میں پیدا ہوا تو میں نے ان احادیث کو بغور دیکھنا شروع کیا جن میں اس آیت کا شان نزول بیان کیا گیا تھا۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ سب روایات موقوف تھیں کوئی مجاہد تک کوئی قتادہ تک یا ابن ابی لیلیٰ اور یزید بن رومان تک اور کسی نے بھی ان راویوں کے اسماء کا تذکرہ نہ کیا تھا جو اس ایک صدی میں گذر چکے تھے جو ان کے زمانہ اور اس حادثہ کے درمیان حائل تھی اور یہ موضوع ایسے راویوں سے بھرا پڑا ہے جو مختلف مسلک رکھتے تھے اور جن لوگوں کے دلوں پر دنیا یا ان سے بھی برے لوگوں کے متعلق یہ جھوٹی باتیں منسوب کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔ انہوں نے تو ایک دنیا جھوٹی خبروں سے بھر دی ہے جن کی کوئی علمی قیمت نہیں ہے اور جب تک ان اخبار کے راویوں کے حالات علماء جرح و تعدیل سے مخفی رہیں جو اس آیت کے سبب نزول میں آئے ہیں بلکہ حالات تو کجا ان کے (باقی برصفحہ ۱۶۶)

نازل ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے روز دوسرے بچوں کے ہمراہ آنحضرت

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۵) اسماء تک نہیں ملتے۔ صرف ان راویوں کے نام معلوم ہیں جن پر یہ روایات موقوف ہیں تو نہ تاریخی طور پر یہ جائز ہے نہ شرعی طور پر کہ ان روایات پر اعتماد کر کے ان پر حکم لگایا جائے جو کہ خود منقطع ہیں اور جن کا کوئی نسب نہیں ہے۔

ہاں دو روایتیں موصول بھی ہیں ایک ام سلمہ کی۔ موسیٰ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت سے سنا جو حضرت ام سلمہ کے غلام تھے۔ تو موسیٰ بن عبیدہ کو امام نسائی۔ ابن مدینی۔ ابن عدی اور محدثین کی پوری جماعت نے ضعیف کہا ہے اور پھر ثابت ایک فرضی نام ہے جسے ام سلمہ کا غلام بتایا گیا ہے۔ اسماء الرجال کی علمی کتابوں میں میں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں دیکھا۔ تہذیب التہذیب۔ خلاصہ تذہیب الکمال کسی میں بھی اس کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ متہم اور مشکوک راویوں کی فہرست میں بھی ان کا نام نہ ملا یعنی میزان الاعتدال اور لسان المیزان بھی ان کے نام سے خالی ہیں۔

پھر میں نے مسند امام احمد میں حضرت ام سلمہ کی احادیث کے مجموعہ کو بڑے غور سے دیکھا ایک ایک حدیث کر کے دیکھا۔ لیکن اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہ پایا اور نہ کوئی اس حدیث کا نشان ملا۔ بلکہ حضرت ام سلمہ کی کوئی بھی ایسی حدیث نہ ملی جس کا راوی ام سلمہ کا غلام ثابت ہو۔ پھر اس کے بعد یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اگر بفرض محال یہ حدیث حضرت ام سلمہ سے ثابت بھی ہو جائے جو کہ ناممکن ہے تو پھر بھی اس میں ولید کا نام نہیں آیا بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق میں "ایک آدمی" بھیجا۔

اور دوسری موصول روایت کو طبری نے تفسیر میں ابن سعد۔ سعد۔ سعد کے چچا ان کے باپ اور ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ طبری کی ابن سعد سے ملاقات نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی سماع ہے کیونکہ جب ابن سعد بغداد میں سنہ ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے اس وقت طبری صرف چھ سال کا بچہ تھا اور اس

(باقی بر ص۱۶۷)

صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے دوڑ کر گیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی اور ولید کے سر پر ہاتھ نہ پھیرا کیونکہ اس کے سر پر خوشبو لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور جس آدمی کی فتح مکہ کے روز اتنی عمر ہو کیا اسے صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا جا سکتا ہے[۱] ؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶) وقت تک اپنے شہر آمل (طبرستان) سے باہر نہ نکلا تھا نہ بغداد اور نہ کسی اور جگہ۔ اور ابن سعد اگرچہ خود تو اہل علم ہے اور عادل ہے۔ لیکن اس سے اوپر کا سلسلہ سند سب مجہول راویوں سے بھرا پڑا ہے۔ علماء جرح و تعدیل ان کے نام تک نہیں جانتے۔ ان کے حالات تو کجا۔

تو یہ سب روایتیں شروع سے لے کر آخر تک ایسی ہیں کہ ان کی بنا پر ایک ایسے مجاہد پر مواخذہ نہیں کیا جا سکتا جس پر حضرت ابوبکر و عمر جیسے خلفاء کو اعتماد رہا ہو۔ جس نے اسلام میں ایسی خدمات سرانجام دی ہوں جن کے بہت بڑے ثواب کی ان شاء اللہ تعالے امید ہے۔ پھر اس پوری بحث کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنے کی چیز ہے کہ جب بنی مصطلق والا حادثہ پیش آیا اور یہ آیت نازل ہوئی اس وقت ولید کی عمر بہت چھوٹی تھی، جیسا کہ آئندہ فقرہ میں اس کا تذکرہ ہو رہا ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] اس حدیث میں فتح مکہ کے دن ولید بن عقبہ کی عمر بیان کی گئی ہے اس کو امام احمد نے اپنی مسند طبع اولیٰ ص۳۲ ج۴ میں اپنے شیخ فیاض بن محمد رقی۔ جعفر بن برقان رقی۔ ثابت بن حجاج کلابی رقی۔ عبداللہ ہمدانی (اور یہ عبداللہ بن مالک بن حارث ہیں) سے ولید بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ اور ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن عقبہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی جب وہ اپنی آخری عمر میں تمام ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر رقہ میں اقامت پذیر ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راویوں کا سلسلہ رقیوں سے تعلق رکھتا ہے اور امام نے بھی اس کو اپنے رقی استاد سے لیا ہے۔ اور لاباقی برصفحہ ۱۶۸)

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۷)

عبداللہ ہمدانی ویسے ثقہ ہے۔ لیکن اس کا نام اس روایت کے علاوہ دوسری روایتوں میں ایک اور ہمدانی سے مشتبہ ہوگیا ہے۔ جس کی کنیت ابوموسیٰ ہے اور نام مالک بن حارث (یعنی عبداللہ ہمدانی کے والد کے نام پر) اور وہ ہمدانی۔ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک مجہول ہے۔ ہاں عبداللہ ہمدانی جس پر یہ حدیث منتہی ہوتی ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے یہ معروف اور ثقہ ہے اور اسی کی اور اس جیسے لوگوں کی روایات پر قاضی ابن العربی نے اعتماد کیا ہے اور ولید بن عقبہ کی عمر پر حکم لگایا ہے کہ وہ فتح مکہ کے روز ایک چھوٹا بچہ تھا اور جس کے متعلق یہ آیت (اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو اس کا پتہ کر لیا کرو) نازل ہوئی ہے وہ کوئی اور شخص ہے۔

اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اس نوجوان مجاہد، پاکیزہ سیرت، طیب النفس کے متعلق یہ خواہش ہے کہ اس کو کسی طرح بدنام کیا جائے انہوں نے اس حدیث کو جس میں ولید کی چھوٹی عمر کا تذکرہ ہے ایک اور حدیث سے توڑنا چاہا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا بھائی عمارہ ان کو ساتھ لے کر ۷ھ میں مدینہ آیا۔ تاکہ اپنی بہن ام کلثوم رضؓ کو آنحضرت سے لے کر مکہ چلے جائیں (یہ مسلمان ہو کر آ گئی تھیں۔ اور حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق یہ اس کو واپس لے جانے کے لیے آئے تھے)

اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا اصل صرف اتنا ہے کہ اس میں ولید کے نام پر عمارہ کا نام مقدم ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں اصل مقصود وہی عمارہ ہے اور ولید اس کے ساتھ آ گئے اور اگر ولید بچپن میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا ہو تو اس میں کونسی چیز مانع ہے؟ ایسا تو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ہوتا رہتا ہے اور ولید کا یہ کہنا کہ میں فتح مکہ کے سال ایک چھوٹا بچہ تھا۔ یہ آپ کے اپنے بھائی کے ساتھ ۷ھ میں مدینہ آنے کے برخلاف تو نہیں ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ ولید بن عقبہ کے متعلق جو روایات اس آیت کے شان نزول کے بارے میں آئی ہیں ان کی بنا پر کوئی شرعی اور تاریخی حکم نہیں لگایا جا سکتا اور پھر

(باقی بر ص۱۶۹)

اور ایسے اختلاف سے تو علماء حدیث اچھی اچھی قوی حدیثوں کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں۔ پھر ایسی روایات سے کسی کو فاسق کیسے کہا جا سکتا ہے؟ پھر کسی ایسے شخص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہو؟

باقی رہا ان پر شراب کی حد لگنا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ بن مظعون کو شراب کی حد لگائی اور قدامہ ان دنوں امیر تھے چنانچہ حضرت عمر نے ان کو معزول کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ ان سے مصالحت[1] ہو گئی اور جب گئے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵) جب ان کے ساتھ اس حدیث کو سامنے رکھو گے جس کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ ولید فتح مکہ کے دن ایک چھوٹا بچہ تھا تو آپ کو حضرت ابوبکر اور عمر کے ان کو اپنی خلافت میں عامل بنانے کی حکمت سمجھ میں آجائے گی کہ کیوں ان دونوں نے ولید پر اعتماد کیا جاتا کہ وہ ان دنوں اپنی ابتدائی جوانی کے ایام میں تھا ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] حضرت قدامہ بن مظعون سابقین الاولین میں سے ہیں آپ نے مدینہ اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ بدر کی جنگ میں شامل ہوئے حضرت عمر کی ہمشیرہ ان کے نکاح میں تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت حفصہ ام المومنین اور ان کے بھائی عبداللہ کے ماموں تھے حضرت عمر کی خلافت میں جن دنوں حضرت قدامہ بحرین پر عامل تھے ان دنوں قبیلہ عبد القیس کا سردار جارود بحرین سے حضرت عمر کے پاس آیا اور دعوی کیا کہ "قدامہ نے شراب پی اور مست ہو گیا" حضرت عمر نے پوچھا "آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟" تو انہوں نے کہا "ابوہریرہ گواہ ہیں" حضرت عمر نے ابوہریرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا "میں نے ان کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن ان کو مست دیکھا ہے وہ الٹیاں کر رہے تھے" تو حضرت عمر نے کہا "تم نے بڑے فصیح الفاظ سے شہادت دی" اور قدامہ کو بحرین سے منگوایا تو جارود نے حضرت عمر سے کہا "اس پر اللہ کی حد قائم کیجئے" تو حضرت عمر نے ان سے کہا "تم مدعی ہو یا گواہ؟" تو جارود نے کہا "گواہ" تو حضرت عمر نے کہا "تو اب تو نے اپنی شہادت دیدی"

(باقی بر صفحہ ۱۷۱)

سے توبہ واقع ہو جائے تو گناہ سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۹) تو جارود خاموش ہو گیا۔ پھر وہ کسی وقت حضرت عمر کے پاس گیا تو کہا۔ "اس پر اللہ کی حد قائم کرو۔" تو حضرت عمر نے کہا: "تم اپنی زبان کو روکو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔" تو اس نے کہا "اے عمر! یہ حق نہیں ہے کہ شراب تو پئے آپ کا چچا زاد بھائی اور سزا ملے مجھ کو۔" پھر قدامہ کی بیوی کو بلایا گیا تو اس نے بھی اپنے شوہر کے خلاف شہادت دی۔ پھر حضرت عمر نے اس پر حد لگانے کا ارادہ کیا تو صحابہ نے آپ سے کہا۔ جب تک قدامہ بیمار ہیں اس پر حد نہ لگائی جائے۔ پھر ایک دفعہ آپ نے حد لگانا چاہا تو صحابہ نے پھر پہلے کی طرح کہا تو حضرت عمر نے کہا "اگر یہ کوڑوں کے نیچے اللہ سے جا ملے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں اللہ سے ملوں اور اس لئے میری گردن میں ہا لحمد اللہ ہو" پھر آپ نے اس کو حد لگا دی۔ تو قدامہ ان سے ناراض ہو گئے اور پھر جب یہ دونوں حج سے واپس آئے تو قدامہ کو حضرت عمر کے پاس لایا گیا حضرت عمر نے ان سے گفتگو کی اور ان کے لیے بخشش مانگی۔ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی سمجھو کہ وہ قریشی جُمحی ہیں (بنو جمح سے) اور اگر آپ قریشی اموی ہوتے تو جب تک دنیا میں جھوٹ رہتا ان کے متعلق جھوٹی داستانیں گھڑی جاتیں اور ریکارڈ اس کیسے جاتے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

۱۷۰ یہ حق ہے لیکن قدامہ بن مظعون جیسے لوگوں کے لیے یا جو لوگوں میں مشہور ہو جیسے ابو محجن ثقفی شاعر اور شہسوار کے لیے جس نے قادسیہ کی جنگ میں بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ لیکن ولید بن عقبہ کے لیے نہیں جو مجاہد، فاتح، عادل اور مظلوم تھا جس نے اپنی ہمت کے مطابق امت کے لیے اچھے کام کیے اور پھر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ باطل پرست لوگ کس طرح نیک لوگوں پر سرکشی کرتے ہیں اور ان میں انکا باطل کس طرح کام کرتا ہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد وہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر اپنی زمین میں چلے گئے جو لوگوں کے شور و غوغا سے بالکل الگ تھلگ تھی اور یہ رقہ شہر سے پندرہ میل کے فاصلہ پر جزیرہ کے علاقہ میں واقع تھی۔ جہاں آپ جہاد کرتے رہے (باقی بر ص۱۷۱)

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۰)

اور حضرت عمر کی خلافت میں نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اب مکار اور
جھوٹے لوگوں کے لیے وقت آچکا تھا کہ وہ ان کی خانگی زندگی میں بھی دخل دیتے۔ اور اگر
تیرہ سو سال تک حق واضح نہیں ہوا تو اس سے ولید کا کوئی نقصان نہیں۔ حق قدیم ہے
اور اس کی قدامت میں کسی کام پر پردہ پڑا رہنا موثر نہیں ہوتا۔ جب ولید بن عقبہ
امیر المومنین عثمان کی خلافت میں کوفہ کے حاکم بنے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ عدل و
انصاف، سیرت، علم اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ایک مثالی حاکم بنیں گے جیسا کہ
اب سے پہلے وہ اسلام کی نشر و اشاعت اور جہاد اسلامی میں ایک بے مثال سپہ سالار
تھے۔

آپ کوفہ پر پانچ سال تک حاکم رہے اور آپ کا مکان آج تک موجود ہے جہاں آپ
نے کوفہ کی زندگی گذاری۔ اس مکان کا کوئی دروازہ نہیں ہے جو ان کے اور لوگوں
کے درمیان حائل ہو خواہ وہ واقف ہوں یا ناواقف۔ جو آدمی آپ کے پاس جس
وقت آنا چاہتا تھا آسکتا تھا خواہ رات ہو یا دن اور ولید کو کوئی ضرورت بھی نہیں
تھی کہ لوگوں سے پردہ کرتے۔

"پردہ تو ہمیشہ برائیوں سے کیا جاتا ہے اور نیکیوں سے تو کبھی پردہ نہیں کیا گیا
چاہیئے تو یہ تھا کہ سب آدمی اس شریف النفس امیر سے محبت کرتے کیونکہ انہی
لشکر کے لیے مہمان خانے بنائے اور لوگوں کو خیر و برکت سے بھر دیا یہاں تک کہ آپ
بچوں اور غلاموں کا وظیفہ بھی مقرر کرتے اور بچے ہوئے مال کو غلاموں پر خرچ
کر دیتے اور مالکوں کو بھی حکم دیتے کہ ان کا روزینہ کم نہ کریں۔"

مختصر یہ کہ اس مثالی حکمران کی پوری مدت ولایت میں تمام لوگ ان سے محبت
کرتے رہے مگر شریر اور مفسد لوگوں کا ایک گروہ جن کی اولاد کو ولید کے ہاتھوں شرعی تعزیر
سے کوڑے کی مار پڑی ان لوگوں نے اس کو تکلیف دینے کے منصوبے سوچے اور انہی
لوگوں میں سے کچھ آدمی تھے۔ مثلاً ابو زینب بن عوف ازدی اور ابو مورع۔ اور

(باقی برص ۱۷۲)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱)

جندب ابوزبیر وغیرہ ان کے لڑکوں نے ابن الحیسمان کے گھر رات کو نقب لگائی اور اسکو قتل کر ڈالا۔ ابو الحیسمان کے ہمسایہ میں ایک آدمی رہتا تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور سابقین الاولین میں سے تھا وہی جس نے فتح مکہ کے دن بنو خزاعہ کے لشکر کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا یعنی ابو شریح خزاعی۔ یہ خود اور ان کا بیٹا مدینہ منورہ سے کوفہ اس ارادہ سے آئے تھے کہ ولید بن عقبہ کے لشکر میں شمولیت کریں جو مشرق میں اپنی فتوحات کر رہا تھا اور اسلام کی دعوت کو پھیلا رہا تھا۔ تو اس صحابی اور ان کے بیٹے نے گواہی دی کہ آج کی رات ان شریر لوگوں نے ابن الحیسمان کے گھر حملہ کیا اور یہی قاتل اور مجرم یہ لوگ ہیں۔ تو ولید بن عقبہ نے باب القصر کے کھلے میدان میں ان پر شریعت کی حد جاری کی۔

تو ان اشرار کے باپوں نے شیطان سے عہد کیا کہ اس پاکیزہ نفس اور شفیق حکمران کے خلاف سازش کریں گے اور پھر ان لوگوں نے ولید پر جاسوس اور نگران مقرر کر دیئے کہ وہ ان کی حرکات وسکنات کا پتہ لگاتے رہیں اور آپ کا گھر تو کھلا تھا جس کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ پھر ایک روز ایسا ہوا کہ ولید کے پاس ایک مہمان آیا یہ جزیرہ کی سرزمین کے شمالی حصہ کے شعراء میں سے تھا اور شاعر تھا اس کا ننھیال بنو تغلب میں تھا یہ آدمی پہلے عیسائی تھا پھر ولید کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

کینہ پرور جاسوسوں نے خیال کیا کہ یہ مہمان چونکہ عیسائی ہے لہذا ضروری ہے کہ شراب بھی پیتا ہو گا اور شاید ولید بھی اس لیے اس سے محبت کرتا ہے کہ وہ بھی اس کے ساتھ شراب پیتا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے ابو زینب اور ابو المورع اور ان کے ساتھیوں کو بلایا وہ مسجد کی طرف سے ولید کے مکان میں گھس آئے۔ کیونکہ ولید کے مکان کا دروازہ نہیں تھا جس سے کچھ مزاحمت ہوتی جب یہ لوگ ناگہانی طور پر اندر آئے تو ولید نے کوئی چیز اپنی چارپائی کے نیچے چھپا دی۔ کسی آدمی نے چارپائی کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس کو بلا اجازت باہر نکال لیا تو معلوم ہوا کہ (باقی بر ص ۱۷۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲)

تھال میں انگور کے کچھ دانے بکھرے پڑے تھے اور ولید نے اسے اس لیے چھپایا تھا
کہ وہ انگور کے خوشے نہ تھے بلکہ علیحدہ علیحدہ کم قیمت دانے تھے۔ تو یہ لوگ شرمندہ
ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ جب لوگوں کو یہ بات معلوم
ہوئی تو انہوں نے ان کو لعنت ملامت کی۔ ولید نے اس واقعہ کو چھپایا اور حضرت
عثمان کو اس کی اطلاع نہ کی۔ اور صبر کر لیا۔

لیکن اس کے بعد بھی جندب، ابوزینب اور ابوالمورع اپنی مکاریوں سے باز
نہ آئے وہ ہر حادثے کو غنیمت سمجھتے اور اس کی بری تاویل کرتے اور ڈھونڈتے رہتے
پھر مدینہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جو پہلے حکومت میں کچھ عہدوں پر دخل رکھتے تھے، اور ولید
بن عقبہ نے ان کو ان کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے معزول کر دیا تھا۔ ان لوگوں
نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ولید کی شکایتیں کیں اور کوفہ کی امارت
سے ان کو معزول کرنے کا مطالبہ کیا۔

ابھی یہ لوگ مدینہ ہی میں تھے کہ ایک دن ابوزینب اور ابوالمورع کوفہ کے
دارالامارت میں اپنے شہر کے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوئے اور گفتگو کرتے رہے
پھر ولید آرام کرنے کے لیے چلے گئے۔ دوسرے لوگ تو چلے آئے لیکن یہ دونوں وہیں
بیٹھے رہے اور انہوں نے تلاش کر کے ولید کی مہر چرالی اور باہر نکل آئے۔ جب ولید
سو کر اٹھے تو مہر نہ ملی۔ آپ نے اپنی دونوں بیویوں سے پوچھا اور وہ دونوں ولید
کے پاس آنے والوں کو کہیں پردہ سے دیکھتی رہی تھیں تو انہوں نے کہا کہ سب سے
آخر میں جو آدمی دارالامارت سے نکلے وہ دو شخص تھے اور ان کا حلیہ بیان کیا۔ تو
ولید کو معلوم ہو گیا کہ وہ ابوزینب اور ابوالمورع تھے اور فوراً ان کے ذہن میں یہ
بات آئی کہ ان لوگوں نے جو مہر کو چرایا ہے تو یہ کسی سازش کے لیے چرایا ہے۔ چنانچہ
ان کے پیچھے آدمی دوڑائے گئے لیکن یہ کوفہ میں نہ ملے۔ کیونکہ یہ اسی وقت مدینہ کی
راہ اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے مدینہ آکر حضرت عثمان کے سامنے (باقی برصفحہ ۱۷۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳)

شہادت دی کہ ولید نے شراب پی ہے (اور میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جھوٹی شہادت میں پہلے حادثہ کی تفاصیل سے استفادہ کیا جس کا وقوع حضرت عمر کی خلافت میں قدامہ بن مظعون کے مقدمہ میں ہو چکا تھا) حضرت عثمان نے ان سے پوچھا۔ "تم نے ان کو شراب پیتے کیسے دیکھا؟" تو انہوں نے کہا ہم ولید کے ندماء میں سے ہیں۔ ہم جب ان کے پاس آئے تو وہ شراب کی قے کر رہے تھے"۔ تو حضرت عثمان نے کہا۔ "شراب کی قے شراب پینے والا ہی کر سکتا ہے"۔

پھر ولید کو کوفہ سے بلایا گیا تو اس نے حضرت عثمان کے سامنے قسم اٹھائی اور ان کو ان کی شرارتوں کی اطلاع دی۔ تو حضرت عثمان نے کہا "ہم حدیں قائم کریں گے اور جھوٹی شہادت دینے والے جہنم میں جائیں گے"۔

یہ تھا ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کے الزام کا قصہ جیسا کہ طبری نے سنہ ۳۰ھ کے حوادث میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کے کئی ایک پرانے مصادر ہونے کے باوجود اس کے علاوہ اور کسی چیز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور طبری کے نزدیک ولید پر گواہی دینے والے یہی وہ کینہ پرور شخص ہیں جن کی ولید بن عقبہ کی دشمنی کے متعلق کئی شہادتیں موجود ہیں۔

اور اس شہادت میں نماز کا کوئی تذکرہ ہی نہیں دو رکعت اور چار رکعت کی تفصیل تو کجا۔ اور نماز کے ذکر کی زیادت ایک اور بڑا عجیب معاملہ ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اس خبر کا ناقل حضین بن منذر ہے (یہ حضرت علی کے اتباع میں سے تھا) وہ کہتا ہے کہ جب حضرت عثمان نے ولید پر حد قائم کی تو میں بھی حضرت علی کے ہمراہ حضرت عثمان کے پاس تھا اور اسی سے یہ خبر نقل کی گئی ہے۔ صحیح مسلم کتاب الحدود میں الفاظ اس طرح ہیں کہ میں حضرت عثمان کے پاس تھا کہ ولید کو لایا گیا اس نے صبح کی نماز (دو رکعت) پڑھائی پھر کہا "کیا اور بھی پڑھا دوں؟" تو اس پر دو آدمیوں نے گواہی دی جن میں سے ایک حمران تھا کہ "اس نے شراب پی ہے"۔ اور دوسرے (باقی بر صفحہ ۱۷۵)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۴)

نے گواہی دی کہ اس نے "اس کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے"۔ تو دونوں گواہوں نے یہ بالکل نہیں کہا کہ ولید نے صبح کی نماز دو رکعت پڑھائی اور پھر پوچھا کیا اور بھی پڑھاؤں؟ بلکہ ایک نے تو شراب پینے کی شہادت دی ہے اور دوسرے نے قے کرنے کی۔ اور "صبح کی نماز دو رکعت پڑھائی" اور یہ کلمہ "کہ کیا اور بھی پڑھا دوں" یہ خود حضین کا کلام ہے۔ اور حضین گواہوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اس فرضی واقعہ کے حادثہ کے وقت وہ کوفہ میں تھا۔ پھر حضین نے اس واقعہ کو کسی معروف اور خاص آدمی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اصل خبر جو صحیح مسلم میں ہے وہ مسند امام احمد میں تین جگہ مروی ہے اور تینوں جگہ راوی حضین ہی ہے اور حضین سے جس آدمی نے سنا ہے وہی آدمی مسلم اور مسند امام احمد کی تینوں جگہوں میں روایت کرنے والا ہے۔ مسند کے پہلے دو مقامات پر یعنی ج ۱ ص ۸۲ اور ۱۴۰ اور حدیث نمبر ۶۲۴ اور ۱۱۸۴ ج ۲ ان میں نماز کا کوئی ذکر تک نہیں نہ حضین سے نہ کسی اور سے۔ شاید جلد کے کسی راوی کو سمجھ آ گئی کہ نماز کا تذکرہ گواہوں کا کلام نہیں ہے تو اس نے صرف حد کا تذکرہ کر دیا اور نماز کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور مسند امام احمد کے تیسرے مقام یعنی ص ۱۴۴ - ۱۴۵ ج ۱ پر حضین کی زبانی نماز کا تذکرہ موجود ہے کہ "ولید نے لوگوں کو صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی" اور یہ روایت حضین کی صحیح مسلم کی اپنی ہی روایت کے خلاف ہے۔ بہرحال ان دونوں میں سے ایک میں تو تحریف ضرور ہوئی ہے۔

اب روایت خواہ کوئی بھی تسلیم کی جائے اتنا تو بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ نماز کا تذکرہ حضین کا کلام ہے اور حضین گواہ نہیں ہے اور جب گواہوں نے یہ تذکرہ نہیں کیا تو حضین کا کلام کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے۔ طبری نے تو یہ روایت اپنے شیوخ کی زبانی ان کینہ پرور لوگوں کی سنائی ہے۔ اس کے بعد میں آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے حمران کا تعارف بھی کرا دیتا ہوں۔ یہ حضرت عثمان کے غلام ہوں (باقی ۱۸۷)

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۵)

میں سے تھا۔ اس نے ولید کے معاملہ میں شہادت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی وہ یہ کہ اس نے مدینہ منورہ میں ایک مطلقہ عورت سے عدت کے اندر نکاح کر لیا۔ اور پھر اس سے صحبت بھی کر لی تو حضرت عثمانؓ اس پر ناراض ہوئے اور اس سے پہلے اس کے کچھ اور امور بھی تھے جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے ان کو اپنے ہاں سے نکال دیا اور یہ کوفہ چلا آیا۔ یہاں آ کر اس نے فتنہ و فساد پیدا کرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک نہایت عابد اور صالح آدمی عامر بن عبد القیس کے پاس رہنے لگا اور پھر حکومت کے آدمیوں کے سامنے جا کر اس نے عامر پر ایک جھوٹا بہتان لگا دیا اور اس سبب سے اس کو کوفہ سے نکل کر شام جانا پڑا۔

اب میں ان گواہ اور دوسرے گواہوں کی بحث چھوڑتا ہوں اور معاملہ پڑھنے والے کے ضمیر کے سپرد کرتا ہوں، وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ میرا اپنا اعتقاد تو یہ ہے کہ ایسے کینہ پرور لوگوں کی شہادتوں سے تو بازاری لوگوں اور چرواہوں پر بھی حد نہیں لگائی جا سکتی ہے چہ جائیکہ ایک صحابی۔ مجاہد پر حد لگائی جائے جس کے ہاتھ میں خلیفہ نے ایک اسلامی علاقے کی باگ ڈور دے رکھی ہو جو لشکروں کا سپہ سالار رہا ہو اور عوام میں حسن سیرت، صدق اور امانت میں مشہور ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تینوں خلفائے راشدین کو اس پر اعتماد رہا ہو۔

اور ولید کی حضرت عثمانؓ سے قرابت جسے ان چھوٹے لوگوں نے محبت کا سبب بنایا یہ محض حضرت عثمانؓ کی چشم پوشی کا نتیجہ تھا کہ اس طرح آپ اس کو معزول کرنے میں پیش و پیش نہ کر سکے اور ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو لوگوں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں وہ ایک خبیث طبع احمق کے شعر پڑھ پڑھ کر خوش ہوتے ہیں جو اس کے دیوان کے ص۸۵ پر درج ہیں اور ان لوگوں کو نہ شعر گوئی کا سلیقہ ہے نہ ان پر نقد و تبصرہ کا اور ان شعروں کے مضمون میں تعارض اور تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ شاعر ولید کی تعریف کر رہا ہے یا ہجو اور وہ شعر کچھ اس طرح کے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۶)

(۱) اور لوگوں نے اس کے صحائف میں شرافت اور غیرت دیکھی ہے جو امیر و غریب سب پر اپنی بخشش کرتا ہے۔

(۲) تو نے چھوٹے لوگوں کے تمام اعتراضات دور کر دیے اور تو کبھی محتاجی اور فقر سے پریشان نہیں ہوا۔

اور پھر آگے چل کر یہ شعر ہے۔

(۳) اس نے آواز دی حالانکہ ان کی نماز پوری ہو چکی تھی کیا میں نہیں اور بھی پڑھاؤں؟ اور وہ اس وقت مست تھا کچھ نہ جانتا تھا۔

تو جو آدمی یہ آخری شعر کہتا ہے اسے اتنا بھی پتہ نہیں کہ پہلے دو شعروں کے ساتھ یہ شعر نہ کہے وہ ایک چھوٹے سے قصیدہ میں جس کے صرف چھ شعر ہیں کہیں مذمت کرتا نظر آتا ہے کہیں مدح۔ میں نے ایک اچھا طویل مقالہ اشعار کے خلط ملط کرنے پر لکھا ہے اور اس میں مثالیں دی تھیں کہ کسی کے قصیدہ میں کسی اور شخص نے اپنے مصنوعی شعر اسی قافیہ اور اسی روایت میں بنا کر داخل کر دیے۔ بہرحال وہ گواہ جو ان لئے حضرت عثمان کے سامنے گواہی دی انہوں نے نماز کا کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ وہ بھی خدا تعالے اور قیامت سے ڈرنے والے نہ تھے۔

اور اب میں بلا خوف و خطر کہتا ہوں کہ کاش ولید پوری تاریخ کا آدمی ہوتا۔ جیسے قدیس اور لویس جیسے ہم نے منصورہ میں ابن لقمان کے گھر میں قید کیا کیونکہ وہ قدیس کا دشمن تھا۔ اور لویس نے فرانس پر اتنے احسان نہیں کیے جتنے ولید نے مسلمانوں پر کیے ہیں اور لویس نے عیسائیت کے لیے اتنی فتوحات نہیں کیں جتنی ولید نے اسلام کے لیے کی ہیں اور اس امت پر تعجب ہے جو اپنے بہادروں سے برا سلوک کرتی ہے اپنی خوبصورت تاریخ کو بگاڑتی ہے ان کی بزرگی کی بنیادیں گراتی ہے جیسا کہ ہم نیا سے شریر لوگ کرتے ہیں اور پھر ان شریر لوگوں کے فریب اس طرح پھیل جاتے ہیں کہ نیک لوگ بھی خیال کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ صحیح ہوں ۱۲

اور حضرت عثمان پر اعتراض کیا گیا کہ آپ نے ولید کو اس لیے والی بنایا ہے کہ وہ آپ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کی طرف سے آپ کا بھائی ہے تو آپ نے جواب دیا "اس لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم بیضا کا بیٹا ہے" (یہ ام حکیم عثمان اور ولید کی ان کی ماں کی طرف سے نانی ہے اور یہ ام حکیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے ساتھ جوڑے سے ہی پیدا ہوئی تھیں)

اور یہ بھی کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہے کہ آدمی اپنے بھائی یا قریبی کو کسی جگہ کا والی بنا دے[1]۔

---

[1] پہلے حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب نے اپنی خلافت کی مدت میں اکثر شہروں پر اپنے رشتہ داروں کو مقرر کر دیا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کے ذی الاول اور آدمیوں کو مقرر کیا تھا اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر نے بھی بنی امیہ کو مقرر کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی وہی کچھ کیا۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر او عمر نے کیا تھا۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ماں جائے بھائی ولید پر غرض مند اور ناخدا ترس لوگوں کی شہادت پر حد قائم کر کے وہ کارنامہ سر انجام دیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک طرف اگر آپ ایسے لوگوں کی ولید کے برخلاف شہادت سن چکے ہو تو اب ایک ایسے شخص کی ولید بن عقبہ کی پیٹھ پیچھے شہادت بھی سن لیں جسے تاریخ نے علم و فضل اور انصاف کے لحاظ سے اسلام کے بہترین قاضیوں میں شمار کیا ہے اور وہ ہے امام عامر بن شراحیل شعبی۔ طبری (ص ۶۱/۵) نے روایت کیا ہے کہ شعبی نے جب لوگوں سے مسلمہ بن عبدالملک (ولید بن عقبہ کے پوتے) کی بہادری کی داستانیں سنیں تو فرمایا "اگر ولید کے جہاد اور ان کی امارت کو دیکھ لیتے تو معلوم نہیں کیا کچھ کہتے اگر اس کا جہاد جاری رہتا تو فلاں فلاں ملک تک پہنچ جاتا۔ نہ اس نے (باقی بر صفحہ ۱۶۹)

(۳۲) باقی رہا حضرت عثمان کا کسی ایک آدمی کو افریقہ کا خمس دے دینا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ امام مالک اور ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) کبھی کوتاہی کی اور نہ اس کا کبھی کوئی مدمقابل ہوسکا یہاں تک کہ وہ سپہ سالاری سے معزول ہوا اور یاسپہ بد (یعنی دربند) پرجو بحیرہ خزر کے پیچھے روس کے علاقہ میں ہے اور دنیا کی محفوظ ترین جائے پناہ ہے۔ اعبد الرحمن باہلی مقرر تھا اور وہ ولید کے امراء میں سے تھا۔ باوجودیکہ حضرت عثمان نے ولید کے ہاتھوں پر لوگوں کا وظیفہ بڑھا دیا تھا پھر بھی ولید کو فہ میں بچے ہوئے مال کو غلاموں پر ہر مہینہ میں تین دفعہ تقسیم کر دیتے تھے جس سے وہ بڑے دولت مند ہو گئے حالانکہ جو وظیفہ ان کو مالکوں سے ملا کرتا تھا وہ بھی برابر قائم تھا۔

ولید بن عقبہ کے متعلق امام شعبی کی یہ شہادت ان کی کامیاب جنگوں کے متعلق ہے اور رعیت پر اس کے احسانات کی داستان ہے جو گمراہوں کی آنکھیں پھوڑتی ہے اور صالحین کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی ہے اور امیر المؤمنین حضرت عثمان نے جس دن لیبے مظلوم بھائی پر حد لگائی تو ان کے دل کو خوش کر کے بالکل سچ فرمایا تھا کہ ہم تو حد قائم کریں گے اور جھوٹی شہادت دینے والے جہنم میں داخل ہوں گے" ۔ اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں فوت ہو گئے اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے متعلق بغض اور کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

سلہ اور جو کچھ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے خمس کا خمس (یعنی پچیسواں حصہ) عبد اللہ بن ابی سرح کو ان کے کامیاب جہاد پر بطور انعام دیا تھا۔ اور پھر جب وہ دوبارہ آئے تو ان سے واپس لے لیا۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۹ سنہ ۲۷ھ کے واقعات میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے جب حضرت عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر کی جنگ سے ہٹا کر تونس فتح کرنے کے لیے روانہ کیا تو ان سے کہا "اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھوں (باقی بر صفحہ ۱۸۰)

خمس میں امام اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے اپنے اجتہاد سے اگر ایک آدمی کو دینا چاہے تو دے دے اور ہم نے اس کو اس کے مقام پر بیان کر دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۹) افریقہ فتح کر دیا تو تقسیم سے کے مال خمس میں سے تجھے پانچواں حصہ بطور انعام دوں گا۔"

چنانچہ وہ اپنا لشکر لے کر نکلے جب مصر کا علاقہ ختم ہوگیا اور افریقہ میں داخل ہو گئے تو اس کا تمام میدانی اور پہاڑی علاقہ فتح کر لیا تو عبد اللہ بن ابی سرح نے مالِ غنیمت کے چار حصے تو فوجیوں پر تقسیم کر دیے اور پانچویں حصہ کے چار حصے حضرت عثمان کے پاس فتح کی خوشخبری کے ساتھ روانہ کیے اور پانچواں حصہ خود رکھ لیا۔ تو لشکریوں میں سے کچھ لوگوں نے حضرت عثمان سے شکایت کی کہ عبد اللہ نے اتنا مال اپنے پاس رکھ لیا ہے"۔ تو حضرت عثمان نے ان سے کہا "میں نے ہی اس کی اجازت دی تھی اور اگر تم اس پر ناراض ہو تو عبد اللہ اس کو واپس کر دے گا۔" تو انہوں نے کہا "ہم واقعی ناراض ہیں"۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ کو حکم دیا کہ "تم مال واپس کر دو"۔ تو انہوں نے مال واپس کر دیا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ افریقہ کو فتح کر کے پھر مصر واپس آگئے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

ملہ یعنی اپنی دوسری تالیفات میں جہاں اس مسئلہ کو فقہ اسلامی کے احکام میں بیان کیا ہے امام عامر بن شراحیل شعبی نے کہا "مال فے میں سے جاگیریں اور انعامات کسی کو دو حصوں سے زائد بھی دیے جا سکتے ہیں"۔ پھر کہا حضرت عمر نے حضرت طلحہ اور جریر بن عبد اللہ اور ربیل بن عمرو کو جاگیریں دیں اور حضرت عمر نے ابو مفرز کو دار الفیل عنایت کر دیا اور جن لوگوں کو حضرت عمر نے جاگیریں دیں ان میں زیاد اور ابو بکرہ کے بھائی نافع بھی ہیں۔ ان کو بصرہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کے چرانے کے لیے زمین جاگیر میں دی تھی جس کی پیمائش دس جریب تھی (اصابہ ترجمہ نافع) قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج صلالا میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی طرف مائل کرنے کے (باقی بر صفحہ ۱۸۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰)

دیے کچھ لوگوں کو انعامات اور جاگیریں دیں اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی ان لوگوں کو جاگیریں دیں جن کے دینے میں مصلحت تھی (دیکھیے امام ابو یوسف نے ان کی مثالیں بیان کی ہیں)

اس کے علاوہ یحییٰ بن آدم قرشی کی کتاب الخراج کا صفحہ ۷۸ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام شعبی نے بعض ایسے لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں جن کو حضرت عثمان نے انعامات یا جاگیریں دیں ان میں حضرت زبیر بن عوام، خباب بن ارت، سعید اور عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر اور ابن ہبار بھی ہیں۔ پھر اگر حضرت عثمان نے جاگیریں دینے میں غلطی کی ہے تو جن لوگوں نے جاگیریں حاصل کی ہیں ان کی کوئی غلطی نہیں ہے؟ حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم نے اپنا دین حاصل کیا (طبری ج ۵ ص ۱۲۸) اور حضرت علی بن ابی طالب نے کردوس بن ہانی کو جاگیر دی اور سوید بن غفلہ کو زمین جاگیر میں دی پھر یہ معترض حضرات حضرت عثمان پر کیسے اعتراض کر سکتے ہیں جبکہ یہ لوگ حضرت عمر و علی کے بارے میں خاموش رہتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب کتاب الخراج ص ۶۰ تا ۶۲ میں اس موضوع پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔

اور یہ جو حضرت عثمان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے قرابتداروں سے محبت کرتے اور ان کو مال دیا کرتے تھے تو ان کی اپنے قرابتداروں سے محبت ان کی خوبی ہے نہ کہ برائی اور حضرت علی نے ان کی اس خوبی پر تحسین کی کہ وہ انتہا درجے کے صلہ رحمی کرنے والے تھے" اور حضرت عثمان نے خود اس کا یہ جواب دیا تھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل بیت سے محبت کرتا اور ان کو مال دیتا ہوں تو میری ان سے محبت نے مجھ کو کسی ظلم پر مائل نہیں کیا بلکہ میں ان پر ذمہ داریاں ڈالتا رہتا ہوں اور جب ان کو دیتا ہوں تو وہ اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں اور میں مسلمانوں کا مال اپنے نفس پر حرام سمجھتا ہوں اور نہ کسی اور کے لیے اسے جائز سمجھتا ہوں اور میں اپنے ذاتی مال میں سے بڑے بڑے عطیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کے زمانہ میں بھی دیا کرتا تھا حالانکہ میں ان دنوں جوان اور تندرست تھا اور (باقی بر صفحہ ۱۸۲)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۱)

مال کی ضرورت محسوس کرتا تھا اور اب جب کہ میرے اہل بیت ضرورت مند ہیں اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور اپنا مال بھی قرابت داروں میں چھوڑ کر جانے والا ہوں اب بے دین لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں ناجائز تصرف کرتا ہوں۔؟

اور طبری نے بیان کیا ہے (ص ۱۰۳ ج ۵) کہ حضرت عثمان نے اپنا مال اور اپنی زمین بنی امیہ میں تقسیم کر دی تھی اور اپنے بیٹوں کو بھی اتنا ہی دیا تھا جتنا دوسرے بنی امیہ کو۔ آپ نے ابو العاص کی اولاد سے شروع کیا تو آل حکم کے سب مردوں کو دس دس ہزار روپیہ دیا وہ ایک لاکھ روپیہ لے گئے اور حضرت عثمان نے اپنے بیٹوں کو بھی اتنا ہی دیا اور بنی عاص اور بنی عیص اور بنی حرب کو بھی دیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ص ۱۸۷-۱۸۸ ج ۳ میں اس موضوع پر لمبی چوڑی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ قرابتداروں کے حصوں کے متعلق بعض فقہاء نے کہا ہے کہ یہ امام کی قرابت کی وجہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ امام حسن اور ابو ثور کا مذہب ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اقارب کو یہ حیثیت والی دیا کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہر اس آدمی کا حق ہے جو آپ کے بعد خلیفہ بنے۔ پھر آپ نے کہا ہے کہ جو لوگ حضرت عمر کے بعد خلیفہ ہوئے ان میں سے اکثر نے اپنے بعض اقارب کو ولایت یا مال سے مخصوص کیا۔

پھر ص ۲۳۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں جو کچھ حضرت عثمان نے مال کے متعلق کیا اس کے تین ماخذ ہیں۔ ایک یہ [illegible] دوسرے یہ کہ حضرت عثمان کے قرابتدار امام وقت کے قرابتدار تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کا قبیلہ حضرت ابوبکر و عمر کے قبائل کی نسبت بہت بڑا تھا تو تقسیم کرتے وقت ان کی تعداد کے لحاظ سے بھی ان کی طرف زیادہ مال جانا چاہیے تھا۔ اور یہ کچھ بیان کیا گیا ہے خود حضرت عثمان نے یہ توجیہات پیش کی تھیں ۱۲

(۱۴) اور معترضین کا یہ قول کہ آپ نے لاٹھی سے مارا۔ تو میں نے یہ بات کسی نیک یا بدکردار سے نہیں سنی یہ بالکل جھوٹ ہے جیسے بیان کیا جاتا ہے اور افترا ہے جیسے مشہور کیا جاتا ہے[1] عقلمند و خدا سے ڈرو۔

(۱۵) اور یہ بات کہ حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منبر کی سیڑھی پر بیٹھ گئے ہوئے تو میں نے یہ بات کسی متقی آدمی سے نہیں سنی یہ ایک بڑی بات کی اشاعت ہے جیسے بعض لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے[2] اور علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے ان کا قتل کر دینا کیسے جائز ہو گیا۔ ویسے اگر ایسا ہو جائے تو صحابہ نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس کا جواز ابتداء میں صحیح کہا ہے یا اگر کوئی سبب پیدا ہو جائے جو اس کا تقاضا کرے تو درست ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو بات ختم ہو گئی۔

---

[1] یہاں عربی لفظ نثّ ہے جس کا معنی ہے "مشہور کرنا" اور نثّ اور ثنا دو لفظوں کا ایک ہی معنی ہے فرق صرف یہ ہے کہ نثا بھلائی اور برائی دونوں معنوں میں آتا ہے اور ثنا صرف بھلائی کے معنی میں آتا ہے ۱۲

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے زمانہ میں مسجد نبوی کا صحن تنگ تھا۔ پھر جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان نے اپنے مال سے زمین خرید کر مسجد میں شامل کر دی اور یہ ان کی ایک فضیلت ہے پھر اس کے بعد حضرت عمر فاروق نے مسجد میں توسیع کی اور عباس بن عبد المطلب کا مکان اس میں شامل کر دیا پھر جب مدینہ کی آبادی بڑھ گئی کیونکہ ہر طرف سے لوگ مدینہ کی طرف آ رہے تھے تو پھر نمازیوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تو حضرت عثمان نے پھر اس میں توسیع کی اور اب مسجد کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ ہو گیا اور اس کی نئی تعمیر ہوئی مسجد فراخ ہو گئی صحن بڑھ گیا اور بعض لوگوں کو منبر سے بہت دور جگہ ملتی تھی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ خطیب بلند جگہ کھڑا ہو تاکہ لوگ اس کو دیکھ سکیں اور اس کی آواز سن سکیں ۱۲

(۱۶) اب رہا معاملہ آپ کے حنین کے دن شکست کھانے اور احد کے دن فرار ہونے اور غزوۂ بدر اور بیعۃ الرضوان سے غیر حاضر ہونے کا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر نے بیعتِ رضوان اور بدر اور احد کے متعلق تو وجوہات بیان کر دی تھیں۔ اور باقی رہا حنین کے روز کا واقعہ تو اس دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند آدمی ہی رہ گئے تھے اور صحیح روایات میں باقی رہنے والوں کے اسماء گرامی نہیں ملتے۔ ان میں مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ صرف حضرت عباس اور ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور قثم باقی رہ گئے تھے اور اتنا اختلاف ہی کافی ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں سب صحابہ شریک تھے۔ صرف حضرت عثمان ہی نہ تھے اور پھر اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے اس کو معاف کر دیا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور مومنوں نے ساقط کر دیا اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت سعد بن عبیدہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور آپ سے حضرت عثمان کے متعلق پوچھا تو آپ نے ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ کیا اور پھر پوچھا کیا یہ باتیں تجھے بری معلوم ہوتی ہیں؟ اس نے کہا "ہاں" تو فرمایا "اللہ تجھے ذلیل کرے" پھر اس نے حضرت علی کے متعلق پوچھا تو آپ نے ان کے اچھے اعمال کا ذکر کیا اور پھر کہا "دیکھو ان کا گھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے درمیان ہے" اور پھر پوچھا "کیا تجھے یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہیں"؟ تو اس نے کہا "ہاں" تو فرمایا "اللہ تجھے ذلیل کرے۔ جا جو کچھ میرا بگاڑ سکتا ہے جا کر بگاڑ لے"۔

اور پہلے اس حدیث میں گذر چکا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور اس میں امام بخاری نے حضرت علی اور حضرت عثمان کا تذکرہ کیا ہے (شاید مؤلف کا اشارہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کی طرف ہے جسے کتاب التفسیر میں تفسیر سورہ بقرہ کے تحت روایت کیا ہے)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب فضائل الصحابہ میں عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی مصر سے حج کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا "یہ کون لوگ ہیں"۔ انہوں نے کہا "یہ قریش ہیں"۔ اس نے پوچھا "ان میں شیخ الحدیث کون ہیں"؟ تو انہوں نے کہا "عبداللہ بن عمرؓ"۔ تو اس نے کہا "اے ابن عمر! میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں وہ مجھے بتا دو۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان احد کے دن بھاگ گئے تھے" تو جواب دیا "ہاں"۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان بدر کی جنگ میں غیر حاضر تھے"؟ آپ نے فرمایا "ہاں"۔ پھر اس نے کہا "کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ عثمان بیعت الرضوان میں شامل نہیں ہوئے تھے"؟ آپ نے فرمایا "ہاں"۔ تو اس نے اللہ اکبر کہا (اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا)

پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "اب آؤ میں ان کی حقیقت بیان کر دوں۔ آپ کا احد کے دن جو بھاگنا تھا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا اور بخش دیا ہے۔ اور آپ کے بدر سے غیر حاضر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے گھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی اور وہ بیمار تھیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے کہا تھا کہ تم تیمارداری کے لیے رہو آپ بدری لوگوں کے برابر اجر بھی پائیں گے اور غنیمت کا حصہ[1] بھی۔

---

[1] نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی فتح کی خوشخبری زید بن حارثہ کے ذریعہ حضرت عثمان کو مدینہ میں پہنچائی۔ طبری ج ۲ ص ۲۸۶ میں اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ہمیں فتح کی خوشخبری اس وقت ملی جب ہم رقیہ بنت رسول اللہ کی قبر میں مٹی ڈال رہے تھے اور یہ رقیہ حضرت عثمان کے گھر تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی حضرت عثمان کے ہمراہ پیچھے چھوڑا تھا۔ پھر غزوہ بدر کے دوسرے سال ربیع الاول میں (باقی بر صفحہ ۱۰۶)

باقی رہا آپ کا بیعت رضوان سے غائب ہونا تو اگر کوئی آدمی مکہ میں آپ سے زیادہ معزز ہوتا تو آنحضرت اس کو بھیجتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان کو روانہ کر دیا[1] اور بیعۃ الرضوان حضرت عثمان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی[2]۔ تو رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ ص۱۸۵) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا اور ان کی رخصتی چار ماہ بعد جمادی الثانی میں ہوئی۔۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] حضرت عثمان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلایا اور کہا "تم مکہ جا کر قریش کو بتاؤ کہ ہم کیوں آئے ہیں"۔ تو حضرت عمر نے کہا "اے اللہ کے رسول مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے کیونکہ بنی عدی بن کعب میں سے کوئی بھی مکہ میں موجود نہیں ہے جو میری حمایت میں اٹھ کھڑا ہو اور میں آپ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جس کی عزت مکہ میں مجھ سے زیادہ ہے اور وہ ہیں عثمان بن عفان"۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ابوسفیان اور دوسرے قریش کے پاس ان کو بھیج دیا اور جس دن اسلامی حکومتیں اسلامی سفارتوں کی تاریخ مرتب کریں گی تو حضرت عثمان کا نام اسلام کے سفیروں کی تاریخ میں سرفہرست ہوگا۔۱۲

[2] اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب حضرت عثمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قریش کو پہنچایا تو قریش نے ان کو کچھ دنوں تک قید کر دیا جب حضرت عثمان وقت مقررہ تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس نہ پہنچے تو یہ خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی کہ آپ کے سفیر کو قتل کر دیا گیا ہے تو آنحضرت نے صحابہ کو بیعۃ الرضوان کے لیے بلایا تاکہ حضرت عثمان کا بدلہ لیا جائے اور یہ بیعت اس نیت سے لی گئی تھی کہ مشرکوں سے جنگ لڑی جائے۔

تو بیعۃ الرضوان اصل میں حضرت عثمان کی بزرگی کا ایک نشان ہے اور اس سے بڑا شرف اللہ کو کیا ہو سکتا ہے کہ اسلام کی اجتماعی قوت رسول اعظم کی قیادت میں اس لیے مجتمع ہوئی کہ اس آدمی کا انتقام لیا جائے جو تمام مسلمانوں کا محبوب ہے (باقی بر ص۱۸۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶)

اور سید الاولین و الآخرین کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ پھر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آخر وقت میں پتہ چل گیا کہ حضرت عثمان زندہ ہیں تو پھر بھی آپ نے بیعت لینے کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی اچھے کام کو شروع کر لیتے تو پھر اسے پورا کرتے اگرچہ اس کا سبب زائل ہو جائے اور اس وقت تو حضرت عثمان کی بزرگی کئی گنا بڑھ گئی جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر آپ کی طرف سے بیعت کی۔

تو بیعت رضوان حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لیے ہوئی تھی اور دوسرے تمام صحابہ نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی تھی مگر عثمان کی بیعت کے لیے دنیا کا بہترین ہاتھ اٹھا۔ اگر حضرت عثمان کا اور کوئی بھی شرف نہ ہوتا تو یہی ایک شرف ان کو کافی تھا؟

ص۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان یعنی وہ بیعت جس میں حضرت عثمان کی شہادت کا بدلہ لینے پر بیعت لی تھی۔ قریباً چودہ سو صحابہ نے کی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت عثمان زندہ تھے اور شہادت عثمان کی خبر غلط نکلی۔ لیکن جب قریباً انیس سال بعد واقعتاً حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور اس وقت ابھی تک بیعت رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرام موجود بھی تھے جنہوں نے خود رسول اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کیا تھا کہ خون عثمان کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے اب وہ پیچھے کیسے رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام میں سے بہت سے افراد خون عثمان کی طلب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دراصل اپنی زندگی میں ہی صحابہ کرام سے عہد لیا تھا کہ عثمان شہید ہوں گے اور ان کے خون کا بدلہ ضرور لینا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد تسلط قائم نہ رہ سکا اور حضرت عثمان کا بدلہ نہ لیا جا سکا۔ البتہ حضرت عثمان نے شہادت سے پہلے باغیوں پر اپنی بیگناہی ثابت کرنے کے بعد انہیں تنبیہ کر دی اور اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ یا اللہ ان سے تو خود نپٹ لے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ قاتلین عثمان میں سے ایک بھی آدمی قتل سے نہ بچ سکا۔ (خالد گھرجاکھی)

صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں دکھا کر فرمایا "یہ عثمان کا ہاتھ ہے" - پھر آپ نے
اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا تو فرمایا "یہ عثمان کی بیعت ہے" - پھر حضرت عبد اللہ
بن عمر نے اس سے کہا "اب یہ جواب بھی اپنے ساتھ لے جا"[1]

(۱۷) اور یہ معاملہ کہ آپ نے عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے بدلے قتل کیوں نہ

---

[1] اگر امیر المومنین حضرت عثمان مسیح علیہ السلام کے حواریوں سے ہوتے اور وہ قرب و منزلت جو آپ کو نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے ہوتا تو عیسائی لوگ ان کی پرستش کرتے - اور تعجب ہے اس امت پر جس میں ایسے جاہل بھی ہیں جو حضرت عثمان پر ان کی زندگی ہی میں بیعۃ الرضوان سے غیر حاضری پر اعتراض کرنے لگے اور ایسے آدمی بھی پیدا ہوئے جو اس رحیم خلیفہ کے قتل ناحق کے اقدام کو دلیری اور بہادری سمجھنے لگے اور پھر ایسے جاہل بھی ہوئے جو اللہ کی عبادت کے لیے حج کے ارادہ سے آئے اور قریشی صحابہ کرام کے سامنے آکر ان کے رئیس عبد اللہ بن عمر سے حضرت عثمان پر اعتراضات کرنے کو ایک بہت بڑا معرکہ سمجھا۔

اور پھر یہ الزامات ان پر صدیوں تک آ رہے ہیں - یہاں تک کہ قاضی ابوبکر ابن العربی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان الزامات کی حقیقت کو بیان کیا جائے - پھر ہمارے جیسے آدمی بھی اپنے زمانہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمان امت محمدیہ کے بعض لوگوں کے نزدیک ایسے مقام پر کھڑے ہیں کہ وہ بدکرداروں کی بدگوئیوں سے الضاف کے طالب ہیں۔

بالکل صحیح ہے ہم ایک مسکین امت ہیں - اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس نے ہمیں دوسری امتوں میں اس حال کو پہنچا دیا - جس میں ہم اب تک رہے اور آئندہ بھی اسی میں غرق رہیں گے - سچ ہے "اللہ تعالے اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ خود نہ بدلیں"۔

کیا تو یہ دعویٰ باطل[۱] ہے۔ کیونکہ اس وقت بہت سے صحابہ موجود تھے اور ان سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا[۲]۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہرمزان نے حضرت عمر کے قتل کرنے

---

[۱] اس اعتراض کے باطل ہونے پر ہرمزان کے بیٹے قماذبان کی شہادت موجود ہے۔ طبری ص ۴۳-۴۴ ج ۵ میں سیف بن عمر اپنی سند سے ابو منصور سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے قماذبان سے سنا وہ اپنے باپ کے قتل کا واقعہ بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا جب عثمان خلیفہ بنا دیے گئے تو آپ نے مجھے بلایا اور عبید اللہ بن عمر بن خطاب کو میرے سپرد کر دیا اور کہا "بیٹا یہ تیرے باپ کا قاتل ہے اور ہم سے زیادہ تو اس کا حق رکھتا ہے۔ جا اس کو جا کر قتل کر دے"۔ میں اس کو لے کر نکلا اور مدینہ کے سب لوگ میری حمایت میں تھے۔ مگر ان کا دل یہ ضرور چاہتا تھا کہ میں ان کو چھوڑ دوں۔ میں نے ان سے پوچھا "کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں"؟ انہوں نے کہا "ہاں" اور عبید اللہ کو سخت سست کہنے لگے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا "کیا تم اس کو بچا سکتے ہو"؟ تو کہنے لگے نہیں اور عبید اللہ کو گالی دینے لگے۔ پھر میں نے اس کو اللہ اور مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ چنانچہ لوگوں نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ تو خدا کی قسم میں اپنے گھر لوگوں کے سروں اور ہاتھوں پر سوار ہو کر آیا"۔

یہ ہرمزان کے بیٹے کا بیان ہے اور ہر منصف یہ جانتا ہے اور شاید ہرمزان کا بیٹا بھی یہ جانتا ہوگا۔ کہ امیر المومنین حضرت عمر کا خون ہرمزان کی گردن پر ہے۔ اور ابو لولؤ تو اس سیاسی فارسی کے ہاتھوں میں صرف ایک آلہ تھا اور حضرت عثمان اور ان کے علاوہ دوسرے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں جو موقف اختیار کیا۔ عدالت انسانی کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ۱۲

[۲] حضرت عثمان نے صحابہ کرام سے مذاکرہ کرنے کے بعد اس معاملہ میں تصرف کیا طبری نے ص ۱۹ میں کہا ہے کہ حضرت عثمان مسجد کی ایک طرف بیٹھے اور عبید اللہ کو بلایا اور یہ اس وقت سعد بن ابی وقاص کے مکان میں قید تھے اور حضرت (باقی ص ۱۹۰)

کوشش کی اور خنجر اٹھایا اور وہ خنجر اس کے کپڑوں کے نیچے سے برآمد ہوا[۱] اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) سعد ہی نے ان کے ہاتھ سے تلوار چھینی تھی۔ تو حضرت عثمان نے مہاجرین و انصار کی جماعت کو مخاطب کرکے کہا: "اس آدمی کے متعلق مجھے مشورہ دو جس نے اسلام میں ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔ تو حضرت علی نے کہا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے"۔ بعض مہاجرین نے کہا کہ کل عمر قتل ہوئے اور آج ان کے بیٹے کو قتل کیا جائے؟ پھر عمرو بن عاص نے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالے نے آپ کو بچا لیا ہے (آپ خواہ مخواہ پریشان کیوں ہوتے ہیں) جب یہ حادثہ پیش آیا اس وقت آپ امیر المومنین نہیں تھے (لہٰذا آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں)۔ تو حضرت عثمان نے کہا آج میں مسلمانوں کا والی ہوں میں اس میں دیت کا فیصلہ کرتا ہوں اور وہ دیت میں اپنے مال سے ادا کروں گا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] تاریخ طبری ص ۴۲ میں سعید بن مسیّب کی حدیث ہے کہ جس دن صبح حضرت عمر کو زخمی کیا گیا اسی دن حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر نے کہا کہ میں کل پچھلے پہر ابو لؤلؤ کے پاس سے گذرا اس کے ساتھ ہرمزان بھی تھا اور جفینہ بھی (یہ جفینہ حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کا رضاعی باپ تھا) یہ تینوں آپس میں کوئی سرگوشی کر رہے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بھاگ نکلے اور ان میں سے کسی کے پاس خنجر تھا وہ گر پڑا۔ اس خنجر کے دو سر تھے اور پھل درمیان میں تھا۔ اب یہ پتہ کرو کہ ابو لؤلؤ نے حضرت عمر کو کس چیز سے زخمی کیا ہے"۔

اور اتفاق کی بات یہ کہ جب ابو لؤلؤ زخم لگا کر بھاگ نکلا تو ایک تمیمی آدمی نے اس کا تعاقب کیا اور بالآخر اس کو جا پکڑا اور اس کو لے کر واپس آ گیا اور وہ خنجر بھی اس کے ہاتھ میں تھا جس کا حلیہ عبد الرحمٰن بن ابوبکر صدیق نے بیان کیا تھا جب عبید اللہ بن عمر نے یہ بات سنی تو خاموش رہے جب حضرت عمر کی وفات ہو گئی تو عبید اللہ نے تلوار اٹھائی اور جا کر ہرمزان کو قتل کر دیا ۱۲

جب عبید اللہ نے اس کو قتل کیا اس وقت حضرت عثمانؓ ابھی خلیفہ منتخب نہ ہوئے تھے۔ اور شاید حضرت عثمانؓ عبید اللہ کو قتل کرنا نہ چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ ہرمزان کے حال اور اس کی کارستانی سے واقف ہو چکے تھے[1]۔ اور پھر کوئی بھی اس مطالبہ کے لیے کھڑا نہ ہوا اور پھر ان تمام احتمالات کے باوجود ایسے معاملہ پر کیسے غور کیا جا سکتا تھا جس کی صحت ثابت نہ ہوئی ہو۔؟

---

[1] حضرت ابن عباس حبر الامت کا بھی یہی خیال تھا بلکہ ان کا خیال تو یہاں تک تھا کہ جو بھی فارسی غلام مدینہ میں موجود ہیں ان سب کو بلا استثناء قتل کر دینا چاہئے (کیونکہ ان لوگوں کی سازشیں ختم ہونے میں نہ آ رہی تھیں) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ ص۳ میں فرمایا ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے گفتگو کی (یعنی فارسی غلاموں کو قتل کرنے کے متعلق) تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ "تم اور تمہارے والد ہی زیادہ زور دیتے تھے کہ مدینہ میں فارسی غلاموں کی کثرت ہونی چاہئے"۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اگر آپ کہیں تو ہم ان کو قتل کر دیتے ہیں"۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اب یہ غلط ہے۔ کیا جب وہ تمہاری زبان میں گفتگو کرنے لگے اور تمہارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھنے لگے ہیں تو کیا اب تم ان کو قتل کرو گے"؟

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "یہ ابن عباس ہیں اور یہ عبید اللہ بن عمر سے زیادہ فقیہ دار بھی ہیں، متدین بھی ہیں اور کئی وجوہ سے بہتر بھی۔ یہ حضرت عمرؓ سے تمام فارسی غلاموں کے قتل کرنے کی اجازت لے رہے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے مدینہ میں فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔ تو ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دینا جائز ہے اور جب ہرمزان ایسے لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت عمرؓ کے قتل پر مدد کی تو مدینہ میں فساد برپا کرنے والا اور خدا اور رسول سے جنگ کرنے والا تھا اسی لیے اس کا قتل جائز بلکہ واجب تھا اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مقتول کا خون باقی رہتا (۱۹۴

(۱۸۱) باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ ایک سوار کے پاس سے یا ایک غلام کے پاس سے ایک رقعہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام برآمد ہوا اور یہ مفسدین یہ نہیں کہتے کہ وہ غلام حضرت عثمان کا غلام تھا جس میں لکھا تھا کہ آنے والے آدمی کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) کرنا جائز نہ تھا اور اس کا قتل حرام تھا۔ لیکن قاتل تاویل کرتا تھا اور اس کے قتل کو جائز سمجھتا تھا۔ کیونکہ اس پر شبہ بالکل ظاہر تھا اور اگر شبہ پیدا ہو جائے تو قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمان نے بھی یہی سمجھا اور دیت پہ اکتفا کیا اور وہ بھی اپنے ذاتی مال سے ادا کر دی اور اگر حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب کے قتل کا حادثہ اپنی اسی کیفیت کے ساتھ کسی اور سلطنت میں پیش آتا خواہ وہ تمدن و تہذیب کی کتنی ہی بلند چوٹی تک پہنچ چکی ہوتی تو پھر بھی اتنی چشم پوشی نہ کرتی جتنی صحابہ کرام نے کی کہ ایک غدار، مفسد اور بدترین سرکش مقتول کا بیٹا خلیفۂ وقت کے بیٹے کے قتل کا مطالبہ کرے۔ ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

سلہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ وہ صدقہ کا غلام تھا۔ یعنی صدقہ کے اونٹوں کو چرانے والے چرواہوں میں سے ایک غلام تھا اور زکوۃ کے اونٹ کئی ہزار کی تعداد میں تھے جن کے چرواہوں کی تعداد بھی سینکڑوں تک تھی۔ اور اگر یہ صحیح بھی ہو کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے چرواہوں میں سے تھا تو ان کی کثرت کی وجہ سے اور ہمیشہ تبادلہ ہوتے رہنے کی وجہ سے ان کے سردار بھی ان کو بسا اوقات نہ پہچان سکتے چہ جائیکہ امیر المومنین یا ان کے بڑے بڑے عمال اس کو جانتے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ صدقے کے اونٹوں کے چرواہوں میں سے تھا تو ممکن اور بہت آسان ہے کہ ان بلوائیوں نے اپنی اغراض کے لیے لالچ دے کر رضامند کر لیا ہو (کیونکہ اس چیز کے امکان بڑے واضح ہیں) یہ تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جب ان باغیوں نے حضرت عثمان سے مطالبے کیے اور انہوں نے ان کو معقول جواب دیا تو باقی سب لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے اور اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ مدینہ میں ہی باغیوں کے جاتے (باقی برصفحہ ۱۹۳)

قتل کر دیئے۔ تو حضرت عثمان نے ان سے کہا "یا تو اس پر دو عادل گواہ پیش کر دیا
پھر مجھ سے قسم لے لو کہ نہ تو میں نے یہ رقعہ خود لکھا ہے اور نہ میں نے اس کا حکم

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹۲) کے بعد ٹھہرے رہے اور اسی دوران میں اشتر اور حکیم نے رقعہ لکھنے اور اس کو
لے جانے والے کا انتظام کرنے کا بندوبست کیا تاکہ ایک نیا فتنہ اٹھایا جائے اور باغیوں
کو واپس بلایا جائے اور اشتر اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ تو اور کسی کی بھی فتنہ اٹھانے
میں مصلحت نہ تھی۔

بلکہ یہ بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ جس کو حضرت عثمان نے
پرورش کیا تھا اور وہ ان کی نعمتوں کا کفران کر کے بھاگ گیا تھا وہ اس وقت مصر میں
موجود تھا وہ امیر المومنین کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات
کے نام پر جھوٹے خطوط لکھاتا۔ پھر یہ آنے جانے والے قافلوں کو پکڑ لیتے اور ان کو فسطاط
لے جاتے اور مکانوں کی چھتوں پر سورج کی طرف منہ کر کے بٹھا دیتے تاکہ مسافروں کی طرح
ان کے چہرے سورج کی گرمی سے سرخ ہو جائیں۔ پھر باغی ان کو حکم دیتے کہ اب تم حجاز
کی راہ پر ہو کر مصر میں آؤ اور مصر پہنچنے سے پہلے اپنے قاصد مصر میں روانہ کر دو تاکہ لوگ تمہارے
استقبال کو آئیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ ان کے استقبال کو آتے تو وہ جعلی خطوط جو باغیوں
نے امہات المومنین کے نام لکھے ہوتے ان کو دے دیتے جن میں حضرت عثمان اور آپ کے
عمال کی شکایتیں درج ہوتیں۔

پھر ان خطوط کو فسطاط کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا۔ حالانکہ وہ خطوط
جعلی ہوتے اور ان کے لانے والے خود مصری ہوتے کوئی آدمی حجاز نہ گیا ہوتا (دیکھو استاد
محقق شیخ عرجون کی کتاب حضرت عثمان کے حالات صفحہ ۱۳۲-۱۳۳) تو جعلی خطوط کا بنا
کرنا اور حضرت عثمان پر فرضی اتہام لگانا یہ باغیوں کے ہتھیار تھے جن کو وہ ہر طرح سے
ہر حالت میں استعمال کرتے تھے اور اس کا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے اور آئندہ بھی ان
شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ ۱۹۷)

دیا[۱] ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی طرف سے رقعہ لکھا جاتا ہے اور اس کے خط کی نقل کی جاتی ہے اور اس کی مہر بھی لگائی جا سکتی ہے[۲]"۔ تو ان سے بلوائیوں نے کہا "آپ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیں"۔ تو آپ نے فرمایا "میں ایسا نہیں کروں گا"۔ اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کو ان کے سپرد کر

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹۳) سے[۱] امیر المومنین حضرت عثمان کی اس خط سے بریت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ نے اس وقت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو اپنے پاس مدینہ میں بلا بھیجا تھا اور آپ جانتے تھے کہ عبداللہ اس وقت مصر میں نہیں ہے (طبری ۱۲۲/۵) اور فسطاط میں ان دنوں محمد بن ابی حذیفہ تسلط جمائے ہوئے تھا جو کہ باغیوں کا رئیس اور اس علاقہ میں ان کا معتمد تھا اور اس جعلی خط کا مضمون بھی ایک نہیں ہے۔ ان روایات کے راوی اس کے مضمون میں مضطرب ہیں اور ان تمام باتوں پہ آئندہ مفصل گفتگو ہوگی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

سے[۱] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ۱۸۸/۳ میں کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو حضرت عثمان کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت عثمان محمد بن ابی بکر اور ان جیسے آدمیوں کے قتل کا حکم دینے والے نہیں تھے اور نہ ہی آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے باغیوں میں سے کسی کو قتل کیا ہو یا قتل کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ان باغیوں نے حضرت عثمان کے قتل کی کوشش کی اور محمد بن ابی بکر بھی دوسرے باغیوں کے ہمراہ ان کے مکان میں گھس آیا اور آپ انکی مدافعت کے لیے بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ پھر غور کرو کہ آپ ایک ناکردہ گناہ آدمی کے قتل کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟ یہ ناممکن ہے ۱۲

سے[۲] اور اس طرح کا ایک حادثہ حضرت عمر فاروق کی خلافت میں پیش آچکا تھا۔ جیسا کہ فتوح البلدان ص۴۴۸ میں بلاذری نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ۵۲۸/۳ میں ۱۲

دیتے تو آپ ظلم کرتے[1]۔ اس کی صحیح صورت یہ تھی کہ وہ حضرت عثمان کے پاس مروان یا اور کسی پر مقدمہ دائر کرتے اگر ان کا جرم ثابت ہو جاتا تو آپ حکم نافذ کرتے اور اس سے حق لیتے۔ لیکن ایسا حق کوئی بر آمد نہ ہوا۔

حضرت عثمان کے متعلق سابقہ تفصیلات اور ان کی فضیلت اور منزلت بھی یاد رکھو اور پھر ان سے کوئی ایسی چیز ثابت نہ ہو سکی جس سے ان کو اس عہدہ سے ہٹایا جا سکتا۔ چہ جائیکہ ان کو قتل کیا جاتا اور سب سے عجیب چیز جو اس قصہ میں بیان کی گئی ہے (سابقہ چیزوں کے علاوہ) آپ کے خلاف ایسے لوگوں نے فساد برپا کیا۔ جن کے دلوں میں ان کے متعلق کینہ تھا۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے کوئی ملازمت چاہی اور ان کو نہ مل سکی اور حاسدوں کے حسد کو ان کی اندرونی بیماری نے ظاہر کر دیا۔ اور ان کو اس بات پر ان کے دین کی کمی اور ایمان کی کمزوری اور آخرت کی بجائے دنیا پسندی نے آمادہ کیا[2]۔ اور اگر تم ان کو بغور دیکھو گے تو تم کو صاف طور پر ان کے

---

[1] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۹ میں کہا ہے کہ اگر حضرت عثمان محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم دیتے تو یہ اس سے زیادہ مناسب تھا جو باغیوں نے مروان کے قتل کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ عثمان امام ہدایت اور خلیفۂ راشد تھے ان پر رعیت کی سیاست واجب تھی ان کو ایسے آدمی کے قتل کا حق تھا جس کے قتل کے بغیر فتنہ فرو نہ ہوتا۔ اور جن لوگوں نے مروان کے قتل کا مطالبہ کیا یہ خارجی لوگ تھے جو زمین میں فتنہ و فساد پھیلا رہے تھے وہ نہ کسی کو قتل کرنے کا حق رکھتے تھے نہ کسی پر حد لگانے کا اور مروان محمد بن ابی بکر کی طرح فتنہ نہ پھیلا رہا تھا اور نہ محمد بن ابی بکر مروان سے زیادہ علم اور دین میں مشہور تھا۔ بلکہ صحاح ستہ والوں نے مروان کی چند احادیث کو روایت کیا ہے اور مروان سے کچھ ایک فتوے بھی منقول ہیں اور اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور محمد بن ابی بکر لوگوں کے نزدیک اس مقام کا نہیں تھا اور مروان عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ملے ہیں ۔۔۔۔

[2] حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جو آپ نے کوفہ باقی ۔۔۔

دلوں کی کمینگی اور ان کے کام کا بطلان معلوم ہو جائے گا۔[1] غافقی مصری ان کا

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۵) میں اپنے ناتجربہ کار لشکریوں کے سامنے دیا تھا ان لوگوں کے یہی ادعاءات بیان فرماتے تھے جبکہ قعقاع بن عمرو تمیمی جو کہ ایک صحابی۔ شہسوار اور مجاہد آدمی تھے اس مہم کو کامیاب کرنے کے لیے کوشش کر رہے تھے جس میں حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر آئے ہوئے تھے تو طبری نے ج۵ ص۱۹۴ پر روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امت پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کیا کہ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ سے اجتماعی زندگی بخشی پھر ان کے بعد وہ تھے (حضرت عمر) جو ان کے پیچھے ہوئے پھر وہ جو ان کے بعد ہوئے (یعنی حضرت عثمان) اور پھر آپ نے حضرت عثمان کے قاتلوں کو سنا کر کہا۔

"پھر وہ حادثہ ہوا جس کو امت پر وہ لوگ لائے جنہوں نے اس دنیا کو طلب کیا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی تھی ان کا حسد کیا اور چیزوں کو انہوں نے الٹے رخ پھیر دیا۔"

پھر آپ نے ذکر کیا کہ میں کل بصرہ چلنے والا ہوں تاکہ ام المومنین اور ان کے دونوں ساتھیوں حضرت طلحہ و زبیر کے ساتھ ملاقات کروں اور پھر کہا کل میرے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہ چلے جس نے حضرت عثمان کے قتل میں کسی طرح کی بھی کوئی مدد کی ہو اور بیوقوف لوگ اپنے آپ کو مجھ سے آزاد سمجھیں"۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ہم پہلے بھی ان لوگوں کے ادعاءات اجمالی طور پر بیان کر چکے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان پر خروج کیا اور سب سے پہلا آدمی جس نے ان کے اندرونی خصائل کو ظاہر طور پر بیان فرمایا وہ اسلام کی باعزت شخصیت۔ محدث امیر المومنین حضرت عمر فاروق تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی فراست عطا کر رکھی تھی جو کبھی خطا نہیں جاتی تھی۔ طبری نے ج۴ ص۸۴ پر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے سن۲۱ھ میں جہاد کے لیے لشکروں کے معائنے کا حکم دیا تو آپ کے سامنے سے قبائل السکون کے بیچ آدمی تو کندہ کے ہراول کے (باقی بر ص۱۹۹)

امیرِ عام[1] تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) ہمراہ گذرے ان کے آگے آگے حصین بن نمیر سکونی اور معاویہ بن خدیج تھے (یہ معاویہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مصر فتح کیا پھر یہ مصر پر والی بھی رہا) تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا ان کو ایک ایک کرکے گزارو تو ان میں کچھ نوجوان سیاہ رنگ تھے ہاتھوں میں کوڑے لیے ہوئے گزر رہے تھے۔ تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر منہ پھیرا پھر منہ پھیرا۔ آپ سے پوچھا گیا "ان کے متعلق کیا بات ہے"؟ تو آپ نے فرمایا۔ "میں ان کی طرف سے متردد ہوں۔ عرب کی کوئی قوم ان سے زیادہ ناپسندیدہ میرے سامنے سے نہیں گذری اور انہی میں سودان بن حمران اور خالد بن ملجم بھی تھے جو حضرت عثمان کے باغیوں میں سے تھے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہ غافقی بن حرب عکی ہے یہ ان بنی قبائل کے سرداروں کی اولاد سے تھا جو فتح مصر کے بعد یہیں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ جب عبداللہ بن سبا نے حضرت علی کا گروہ تیار کرنے کی ٹھانی تو اس نے اپنے اس فتنہ و فساد کے لیے حجاز اور شام میں کوئی جگہ نہ پائی تو اس نے بصرہ اور کوفہ میں اپنے بعض مددگار بنانے پر اکتفا کیا اور فسطاط میں اقامت اختیار کی تو یہ غافقی اس کا سب سے پہلا شکار رہا۔ ابن سبا نے اس کو ریاست اور حکومت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملایا تھا۔ اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ اموی جس کو حضرت عثمان نے پرورش کیا تھا اور وہ آپ کا نمک حرام بن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا یہ ابن سبا کا مصر میں خطوط لکھنے میں دایاں ہاتھ تھا اور غافقی ان خطوط کو پہنچاتا اور حضرت عثمان کے خلاف زہر اگلتا۔

اور شوال ۳۵ھ میں انہوں نے لڑائی کے لیے اپنا لشکر تیار کیا یہ لوگ مصر سے حج کا بہانہ کرکے مدینہ آئے۔ پھر اس لشکر کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ان کی تعداد چھ سو تھی ہر گروہ پر ایک امیر مقرر تھا اور ان کا امیر عام یہی غافقی تھا۔ ان لوگوں نے ظاہر یہ کیا کہ وہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں اور مدینہ میں آکر ان کی حرکات میں تیزی آگئی (باقی بر صفحہ ۱۹۸)

اور کنانہ بن بشر تجیبی ؓ

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۷) اور معاملہ بہت بڑھ گیا۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان کو مسجد نبوی میں لوگوں کو نماز پڑھانے سے روک دیا تو ان دنوں یہی غافقی لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا تھا (طبری ج۵ ص۱۰۷)

پھر جب شیطان نے ان کو بہت بڑے گناہ پر آمادہ کیا تو اس کی جرأت کرنے والوں میں ایک غافقی بھی تھا۔ اس نے حضرت عثمان کو لوہے کی ایک سلاخ ماری اور قرآن مجید کو پاؤں سے ٹھوکر لگائی چنانچہ قرآن مجید گر پڑا (طبری ج۵ ص۱۳۰) پھر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد پانچ دن تک مدینہ منورہ پر غافقی بن حرب کی حکومت رہی (طبری ج۵ ص۱۵۵)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

لے یہ بھی مصر میں عبداللہ بن سبا کا شکار تھا جب حضرت عثمان نے عمار بن یاسر کو اس لیے روانہ کیا کہ وہاں کے حالات معلوم کریں اور حقیقت حال کی اطلاع دیں تو آپ کو سبائیوں نے مائل کرنے کی کوشش کی تو کنانہ بن بشر بھی ان میں سے ایک تھا (طبری ج۵ ص۹۹) اور جب قبائل کے اوباش لوگ مدینہ پر حج کے بہانہ سے لشکر کشی کے لیے جمع ہوئے تو ان کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہر گروہ پر ایک امیر تھا اور ایک گروہ کا امیر کنانہ بن بشر بھی تھا (طبری ج۵ ص۱۰۵) پھر جو لوگ حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہوئے ان میں یہ بھی تھا اس کے ہاتھ میں مشعل تھی جو مٹی کے تیل سے جل رہی تھی۔ یہ عمرو بن حزم کے مکان کی طرف سے داخل ہوا اور اس کے پیچھے کئی مشعل بردار آ گئے (طبری ج۵ ص۱۲۳) اور کنانہ تجیبی حضرت عثمان تک پہنچ گیا اور جا کر آپ کو ایک برچھا مارا تو آپ کے جسم سے خون نکل کر قرآن مجید کی اس آیت پر پڑا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ (طبری ج۵ ص۱۲۶) اس نے حضرت عثمان کی بیوی نائلہ کے ہاتھ کاٹ دیے اور حضرت عثمان کے سینہ پر تلوار رکھ کر اس کو دبایا اور شہید کر دیا (طبری ج۵ ص۱۳۱)

محمد بن عمر واقدی کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی مدنی (باقی بر ص۱۹۹)

اور سوداؔن بن حمران[1]

(بقیہ حاشیہ صـ۱۹۸) (یہ ۲۲ھ میں فوت ہوئے) نے کہا جس نے امیر المؤمنین حضرت عثمان کو شہید کیا تھا وہ یہی کنانہ بن بشر بن عتاب تجیبی تھا (طبری جـ۵ صـ۱۳۲) اور ولید بن عقبہ نے اسی کے متعلق کہا تھا

"تین آدمیوں (رسول اللہ اور ابوبکر اور عمر) کے بعد افضل ترین مخلوق وہ مقتول تھا جس کو تجیبی مصری نے قتل کیا تھا"

پھر اس کنانہ کا انجام یہ ہوا کہ یہ بھی اس لڑائی میں قتل ہوا جو ۳۸ھ میں محمد بن ابی بکر اور عمرو بن عاص اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہوئی۔ (طبری جـ۶ صـ۵۸ تا ۶۰)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] سوداؔن بن حمران سکونی۔ یہ یمن کے قبائل مراد میں سے تھا جو مصر میں چلے آئے تھے۔ پہلے ایک حاشیہ میں گذر چکا ہے یہ بھی ان لوگوں میں تھا جو حضرت عمر کی خلافت میں جہاد کے لیے یمنی لشکر میں سے حصین بن نمیر اور معاویہ بن خدیج کی قیادت میں پیش ہوئے تھے جب امیر المؤمنین عمر فاروق نے ان کو پیش کرنے کا حکم دیا تو آپ کی نظر سوداؔن بن حمران اور اس کے ساتھی خالد بن ملجم پر پڑی تو آپ نے ان کو برا سمجھا اور ان سے کراہت کی اور جب امیر المؤمنین حضرت عثمان نے عمار بن یاسر کو مصر بھیجا کہ جھوٹی خبروں کی اشاعت کا منبع معلوم ہو جائے اور حقیقت حال کا پتہ لگ سکے تو سبائی لوگ بھی حضرت عمار سے چمٹ گئے اور سوداؔن بن حمران بھی ان میں تھا (طبری جـ۵ صـ۹۹) پھر جب سبائی لوگ فتنہ برپا کرنے کے لیے یمنی قبائل کے اوباش کو لے کر شوال ۳۵ھ میں مصر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک گروہ کا امیر یہی سوداؔن تھا (طبری جـ۵ صـ۱۰۳) پھر جب سبائی لوگ فتنہ کے لیے مدینہ پہنچے تو محمد بن مسلمہ ان کے پاس آئے تاکہ ان کو حضرت عثمان کی عظمت اور ان کی بیعت کے حقوق یاد کرائیں تو محمد بن مسلمہ نے دیکھا کہ وہ چار آدمیوں کی اطاعت کرتے تھے جن میں سے (باقی بر صـ۲۰۰)

اور عبد اللہ[۱] بن بدیل بن ورقاء خزاعی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹) ایک یہ سودان تھا (طبری ج ۵ ص ۱۱۸) اور پھر ج ۵ ص ۱۳۱ میں طبری سودان اور اس کے ساتھیوں کا دیوار پھاند کر عمرو بن حزم کے مکان میں سے حضرت عثمان کے گھر پہنچنا بیان کرتے ہیں اور ج ۵ ص ۱۳۰ میں ان کے اس گناہ عظیم کے ارتکاب کے وقت کی بعض تفاصیل بیان کرتے ہیں جب یہ لوگ حضرت امیر المؤمنین کو شہید کر کے باہر آئے تو سودان نے باآواز بلند کہا "ہم نے عثمان بن عفان کو قتل کر دیا"۔ (طبری ج ۵ ص ۱۲۳)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] اس کا باپ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا اور فتح مکہ کے آدمیوں سے تھا حضرت امیر المؤمنین کے خلاف جو عظیم فتنہ اٹھا اس میں عبد اللہ بن بدیل کا ذکر بھی ملتا ہے۔ طبری نے ج ۵ ص ۱۲۴-۱۲۵ پر ذکر کیا ہے کہ مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی (جو بنی زہرہ کا حلیف تھا) اور عبد اللہ بن زبیر اور مروان وغیرہ امیر المؤمنین کی مدافعت کے لیے نکلے۔ جب ان کے دروازے پہ پہنچے تو عبد اللہ بن بدیل نے مغیرہ بن اخنس پہ حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ج ۲ ص ۲۸۱ پر اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کلبی سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن بدیل اور اس کا بھائی عبد الرحمن دونوں صفین کی جنگ میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر لڑتے رہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھائی عبد الرحمن اس سے پہلے قتل ہو چکا تھا۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ ج ۲ ص ۲۸۱ میں ابن اسحاق کی کتاب "الفردوس" سے نقل کیا ہے کہ عبید اللہ بن عمر جب شامیوں کے لشکر کے ہمراہ کوفہ آئے تو ان کی ملاقات عبد اللہ بن بدیل سے ہوئی تو عبید اللہ نے ان سے کہا کہ "اس فتنہ میں تم مجھے قتل نہ کرنا" تو عبید اللہ بن عمر نے جواب دیا کہ "میں امیر المؤمنین حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہوں جن کو ظلم سے قتل کر دیا گیا" تو عبد اللہ بن بدیل نے جواب دیا کہ "میں بھی تو اپنے بھائی کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں جسے ظلم سے قتل کر دیا گیا"۔ اور اس کا بھائی ظلم سے کیسے قتل ہوا وہ تو اس فتنہ میں قتل ہوا تھا جو اپنی مرضی سے ان بلوائیوں (باقی ص ۲۰۱)

اور حکیم بن جبلہ مصری

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۰ نے بپا کیا تھا اور حضرت عثمان امیر المومنین تھے ان بیان کو ولایت کا حق تھا اور ابن بدیل اور اس کے ساتھی ان کے خلاف بغاوت کر رہے تھے اور یہ لوگ طاقت میں بھی حضرت عثمان سے کم تھے اس کے باوجود آپ نے کسی سے لڑائی نہ کی اور نہ اپنی جان سے مدافعت کی اور دوسرے لوگوں کو بھی ان اوباش لوگوں کی مدافعت کرنے سے روکتے رہے جو مدینۃ الرسول میں شرارت اور گناہ کا ارتکاب کرنے کے لیے مختلف شہروں سے اکٹھے ہو کر آتے تھے۔ کہاں عبدالرحمن بن بدیل جسے تاریخ عملی طور پر جانتی ہی نہیں اور کہاں حضرت عثمان جن کی نیکیوں اور احسانات نے زمین اور آسمان کو بھر دیا ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہٰذا)

ا؎ حکیم بن جبلہ عبدی یہ عبد القیس کے قبائل سے تھا ان کا اصل عمان اور خلیج فارس کے سواحل سے تھا جب بصرہ آباد ہوا تو یہ بصرہ میں آگیا اور یہ حکیم ایک جوان اور دلیر آدمی تھا اور اسلامی لشکر جو مشرق میں دعوت اسلامی کے پھیلانے اور فتوحات حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے تھے وہ بصرہ اور کوفہ سے جاتے تھے حکیم بن جبلہ بھی ان لشکروں میں شامل ہوتا تھا۔ یہ بڑے خطرناک مقامات میں گھس جاتا جیسا کہ اس زمانہ میں ہراول دستوں کا دستور تھا اور ایک لشکر پر اس کو امیر المومنین حضرت عثمان نے امیر مقرر کیا تھا جو ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ جیسا کہ میں نے اس کو اپنے مقالہ "ہندوستان میں اسلامی ہراول دستے" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور بقول طبری جلد ۵ صفحہ ۹۰ سیف بن عمر تمیمی نے کہا ہے (یہ عراق کی تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے) کہ حکیم بن جبلہ جب لشکروں سے واپس آتا تو ان سے الگ ہو جاتا اور فارس کے علاقہ میں جو ذمی تھے ان پر جا کر لوٹ مار کرتا اور فتنہ و فساد بپا کر کے جو ہاتھ لگتا لے کر چلا آتا تو ذمیوں اور اہل قبلہ نے اس کی شکایت (باقی برص۲۰۲)

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۰۱)

حضرت عثمان سے کی تو حضرت عثمان نے عبد اللہ بن عامر کو لکھا کہ اس کو اور اس جیسے لوگوں کو بصرہ میں پابند کرے وہ یہ اس وقت تک بصرہ سے باہر نہ نکلیں جب تک کہ درست نہ ہو جائیں تو عبد اللہ بن عامر نے اس کو باہر جانے سے روک دیا پھر جب عبد اللہ بن سبا بصرہ میں آیا تو اس نے حکیم بن جبلہ کے پاس ڈیرا لگایا تو اس کے پاس آدمی جمع ہونے لگے اور وہ ان میں زہر پھیلانے لگا تو ابن عامر نے عبد اللہ بن سبا کو بصرہ سے نکال دیا پھر وہ کوفہ میں آیا اور وہاں سے بھی نکال دیا گیا چنانچہ پھر وہ فسطاط چلا گیا اور وہاں اقامت اختیار کی۔ وہ سبائیوں سے خط و کتابت کرتا رہا۔ اور وہ اس سے خط و کتابت کرتے رہے اور اس کے پاس آتے جاتے رہے۔

طبری نے بیان کیا ہے (صـ ۱۰۴/۵) کہ جب سبائیوں نے مختلف شہروں سے اکٹھے ہو کر مدینۃ الرسول پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو ان میں بصرہ والوں کی تعداد مصریوں کی تعداد کے برابر تھی اور اس لشکر کو انہوں نے چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں ایک حصے پر یہ حکیم بن جبلہ امیر تھا۔ یہ لوگ مدینہ جا کر ایک جگہ میں اترے اس کا نام ذی خشب تھا۔ پھر جب حضرت امیر المؤمنین عثمان منبر پر خطبہ دینے کے کھڑے ہوئے تو سبائیوں نے ان پر کنکر پھینکے تو یہ حکیم بھی کنکر پھینکنے والوں میں تھا (طبری جـ ۵ صـ ۱۰۶)

پھر جب یہ حملہ آور لوگ پہلی مرتبہ حضرت عثمان سے جھگڑا کرنے اور ان کے جواب سننے کے بعد واپس چلے گئے تو اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہے (طبری جـ ۵ صـ ۱۲۰)

اور انہی دونوں کے متعلق قوی شبہ ہے کہ امیر المومنین کے نام انہی لوگوں نے جھوٹا خط تیار کیا تھا اور اس پر مہر لگا کر غلام کو روانہ کیا۔ پھر جب حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر بصرہ میں آئے اور امیر المومنین حضرت علی سے صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی تو اس شرط پر قریبا صلح ہو چکی تھی کہ تمام امور مشترکہ غور و فکر کر کے ان کو حل کر لیا جائے۔ تو یہی حکیم بن جبلہ تھا جس نے دوبارہ جنگ کے شعلے بھڑکا دیے تاکہ ان کا آپس میں (باقی بر صـ ۲۰۳)

اور مالک[۵] بن حارث اشتر یہ گروہوں کے سردار ہیں تیرے لیے انہی کا ذکر کافی ہے اور کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں نے فتنہ بپا کیا تو حضرت عثمانؓ نے ان کو کوشش

(بقیہ حاشیہ ۲۰۲) سمجھوتہ نہ ہو سکے (طبری ۱۶۶)

اور اس نے انتہائی کمینگی سے ایک عورت کے قتل کا ارتکاب کیا۔ اس عورت نے سنا کہ یہ خبیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے رہا تھا تو اس نے کہا "اے ناپاک عورت کے بیٹے تو ان گالیوں کا زیادہ حقدار ہے تو اس نے اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا (طبری ۱۷۹) تو اس وقت اس کی قوم سوائے چند اوباش لوگوں کے اس کی مدد سے دستبردار ہو گئی۔ پھر یہ لڑائیاں لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور بعد ازاں یہ بھی قتل ہو گیا اور اس کے ساتھی قتل ہوئے جو کہ حضرت عثمانؓ پر بغاوت کرنے میں اس کے ساتھ تھے حضرت زبیر اور طلحہ نے بصرہ میں منادی کرائی کہ جن قبائل میں ایسے آدمی ہوں جنہوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا تو ان کو ہمارے سامنے پیش کر دو۔ تو ان کو اس طرح گھسیٹ کر لایا گیا جیسے کتوں کو لایا جاتا ہے پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے صرف حرقوص بن زہیر سعدی بچا باقی سب مارے گئے (طبری ۱۸۰)

عامر بن حفص نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ بلوائیوں میں سے ایک کا نام ضیغم تھا۔ حکیم بن جبلہ کو اس کے سپرد کیا گیا جب اس نے اس کی گردن پر تلوار ماری تو اس کا سر لٹک گیا۔ اور چمڑے کے ساتھ لٹکتا رہا اور اس کا چہرہ پیچھے کی طرف ہو گیا (طبری ۱۸۲/۵)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۵] مالک بن اشتر بنو نخع سے تھا اور یہ ایک یمنی قبیلہ تھا مذحج کے قبائل سے۔ مالک بہت دلیر اور عرب کے بہادر ترین لوگوں میں سے تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا پہلا معرکہ جو لڑا وہ یرموک کی جنگ تھی اس میں اس کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ فتنہ و فساد کی جنگوں میں اس کی تلوار مسلمانوں کے خلاف چلنے لگی۔ اگر یہ ان لوگوں کا ساتھی نہ ہوتا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور اس کی دباقی بر صفحہ ۲۰۴)

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۳)

جنگیں اسلام کی دعوت کی نشر و اشاعت میں اور اسلامی فتوحات کی توسیع میں ہوتیں تو تاریخ اسلامی میں اس کا ایک بہت بڑا مقام ہوتا۔ یہ دنیا کی محبت اور جاہ و مرتبہ کی خواہش اور دین میں غلو کی وجہ سے اس راہ پر چل نکلا اور عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس میں کیسے اکٹھی ہوگئیں۔

اشتر بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی اقامت کوفہ میں رکھی۔ جب کوفہ پر ولید بن عقبہ کی امارت ہوئی تو اشتر اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ کوفہ کی امارت کا مستحق تو میں تھا۔ چنانچہ یہ اس جماعت سے منسلک ہوگیا جو حضرت عثمان پر عاملین کے بارہ میں اعتراض کرتی تھی۔ چنانچہ اس نے بھی ولید بن عقبہ پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے پھر جب ابوزینب اور ابومورع نے ولید کے گھر سے اس کی مہر چرالی اور مہر لے کر مدینہ چلے آئے تو آکر ولید بن عقبہ کے خلاف شراب نوشی کی شہادت دی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے تو اشتر اور اس کے کچھ ساتھی بھی ان کے ہمراہ مدینہ چلے آئے تاکہ فتنہ و فساد کا دائرہ وسیع ہوسکے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن عاص کو کوفہ کی امارت پر مقرر کیا تو اشتر سعید کے ہمراہ کوفہ چلا آیا (طبری ص۳۳ ج۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اراضی کے تبادلے کا نظام رائج کیا تھا یعنی جس کی زمین شخص کے مال میں سے اس کی رہائش سے دور ہوتی وہ کسی ایسے آدمی سے تبادلہ کر لیتا جس کی رہائش اس زمین سے قریب ہوتی۔ لیکن اس میں شرط یہ تھی کہ فریقین آپس میں رضامند ہوں تو اس نظام کے ماتحت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی خیبر کی زمین کا تبادلہ عراق کی زمین سے کر لیا اس زمین کا نام "نشاستج" تھا (طبری ص۶۴ ج۵)

ایک دن سعید بن عاص دار الامارت کوفہ میں تھا کہ کسی آدمی نے اس کے پاس طلحہ بن عبید اللہ کی سخاوت کی تعریف کی۔ تو سعید بن عاص نے کہا اگر نشاستج کی طرح کی زمین میرے پاس ہوتی تو اللہ کے فضل سے تم سب عیش کرتے تو عبدالرحمن بن خنیس اسدی نے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ ملطاط کا علاقہ آپ کے لیے ہیں اور ملطاط دیاتی ۲۰۵

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۴)

فرات کے کنارے پر آل کسریٰ کی جاگیر تھا تو اشتر اور اس کے ساتھی عبدالرحمن پر بھڑک اٹھے کہ تم ہمارا علاقہ ان کو دینا چاہتے ہو؟ تو عبدالرحمن کے والد نے کہا تمہارے لیے وہ اس سے بھی زیادہ علاقے ملنے کا خواہشمند ہے تو اشتر اور اس کے ساتھیوں نے اسدی اور اسکے باپ پر حملہ کر دیا اور مجلس امارت میں ان کو اتنا مارا کہ وہ دونوں بے ہوش ہو گئے۔ جب بنو اسد کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے دارالامارت کا محاصرہ کر لیا تاکہ اپنے دونوں آدمیوں کو بچا سکیں تو سعید بن عاص نے بیچ بچاؤ کر کے اپنی عقلمندی سے اس فتنہ کو فرد کیا اور بنو اسد سے اشتر اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ تو کوفہ کے شرفاء اور صلحاء نے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ اشتر اور اس کے ساتھیوں کو جو فتنہ و فساد بپا کرتے ہیں کوفہ سے نکال دیا جائے تو حضرت عثمان نے ان کو شام میں امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا (طبری ص۸۵-۸۶ ج۵)

پھر امیر معاویہ نے بھی ان کو نکال دیا تو یہ جزیرہ چلے آئے یہ علاقہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے ماتحت تھا تو انہوں نے عبدالرحمن کے سامنے اپنی بداعمالیوں سے توبہ کا اظہار کیا۔ پھر اشتر مدینہ آیا تاکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی توبہ کا تذکرہ حضرت عثمان سے کرے تو حضرت عثمان اس سے خوش ہو گئے اور اجازت دیدی کہ "جہاں چاہو رہو"۔ تو پھر یہ اپنے ساتھیوں کے پاس جزیرہ ہی میں چلا آیا جو عبدالرحمن کے ماتحت تھا۔ (طبری ص۸۷-۸۸ ج۵)

اور جب ۳۴ھ میں اشتر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی توبہ حضرت عثمان پر پیش کر رہا تھا اس وقت مصری سبائی اپنے بصرہ اور کوفہ کے ساتھیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے کہ وہ اپنے امراء کے خلاف اٹھیں اور انہوں نے ایک دن فتنہ و فساد کے لیے مقرر کر لیا۔ پھر اس پروگرام کے مطابق کوفہ والے تو اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ یزید بن قیس ارحبی نے فتنہ بپا کر دیا (طبری ص۱۰۱ ج۵)

اور جب اشتر مدینہ منورہ سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا جو جزیرہ (باقی بر ص۲۰۶)

(بقیہ حاشیہ ص۲۰۵)

میں خالد بن ولید کے پاس رہتے تھے تو ان کے پاس یزید بن قیس کا ایک خط دیکھا جس میں لکھا تھا "خط دیکھتے ہی سیدھے چلے آؤ"۔ تو انہوں نے اس دعوت کو منحوس سمجھا اور عافیت اسی میں بھلائی دیکھی اور اشتر نے ان کی مخالفت کی اور توبہ کے بعد پھر نافرمانی پر تُل گیا اور کوفہ کے فتنہ پرور لوگوں کے ساتھ جا ملا۔ یہ لوگ مقام جرعہ میں اترے جو کہ قادسیہ کے پاس ایک بلند جگہ تھی تو یہاں ان کی ملاقات سعید بن عاص سے ہوئی جو کہ کوفہ کا امیر تھا اور مدینہ سے کوفہ کی طرف جا رہا تھا انہوں نے اسے واپس مدینہ کی طرف ساتھ لیا۔ پھر راہ میں سعید بن عاص کا غلام ملا اشتر نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمان کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ سعید کی جگہ ابو موسیٰ کو اپنا امیر بنانا چاہتے ہیں تو آپ نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی (طبری ص۹۲-۹۴ ۵م)

جب یہ ۳۴ھ کا حملہ ناکام ہوا اور فتنہ و فساد صرف سعید بن عاص کے غلام کے قتل تک ختم ہو گیا۔ تو پھر سبائیوں نے ۳۵ھ میں حملہ کا پروگرام مرتب کیا اور آپس میں وعدے وعید ہوئے کہ آئندہ سال حاجیوں کے ساتھ حجاج کے سے انداز سے سب مدینہ کی طرف چلے آئیں۔ چنانچہ یہ لوگ جب آئے تو ان کے چار گروہوں میں سے ایک گروہ کی امارت اشتر کے ہاتھ میں تھی (طبری ص۱۰۱ ۵)

پھر جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے بحث کی۔ اور اپنا موقف واضح کیا اور دلائل بیان کیے اور ان کے اعتراضات کا تار و پود بکھیر دیا تو ان فتنہ پرور لوگوں کی اکثریت مطمئن ہو گئی اور انہوں نے اپنے امیروں کو حضرت عثمان کے جوابات پر راضی ہو جانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ یہ لوگ پہلی مرتبہ مدینہ منورہ سے واپس چلے گئے۔ البتہ اشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہے انکے ساتھ واپس نہ گئے (طبری ص۱۰۲ ۵)

اور جب مصری سبائی بویب مقام پر پہنچے تو ان کو وہ آدمی دکھائی دیا جس کے پاس وہ خود ساختہ اور فرضی خط تھا اس کی تفصیل آئندہ آئے گی) (باقی بر ص۲۰۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶)

اور طبری (ص۱۹۴/۵) نے بیان کیا ہے کہ اشتر سبائیوں کی اس کمیٹی کا ایک رکن تھا جو انہوں نے حضرت علی کے کوفہ سے بصرہ کی طرف حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر کے پاس صلح کرنے کے لیے جانے سے بیشتر تشکیل دی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے فتنہ و فساد بپا کیا جائے اور صلح نہ ہونے پائے اور پھر جنگ جمل میں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور اشتر آپس میں الجھ گئے۔ ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنا وہ مشہور تاریخی کلمہ کہا۔ کہ "مجھ کو اور مالک کو قتل کر دو" اور پھر اشتر اس روز بچ گیا۔

طبری (ص۲۱۱/۵) نے بیان کیا ہے کہ شعبی نے کہا کہ لوگ اشتر کو مالک کے نام سے نہیں جانتے تھے اگر عبداللہ بن زبیر اس طرح کہہ دیتے "کہ مجھ کو اور اشتر کو قتل کر دو"۔ اور پھر اشتر کے اگر ایک لاکھ ساتھی بھی ہوتے تو اشتر نہ بچ سکتا۔ پھر اشتر عبداللہ بن زبیر کی گرفت سے اچھل تڑپ کر نکل گیا۔

طبری (ص۱۹۴/۵) نے بیان کیا ہے کہ واقعۂ جمل کے بعد جب حضرت علی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ پر امیر مقرر کر دیا۔ جب اشتر کو معلوم ہوا کہ ابن عباس کو بصرہ پر امیر بنا دیا گیا ہے تو وہ غصہ میں بھر گیا اور کہا "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے شیخ (حضرت عثمان) کو بیکار ہی قتل کر دیا؟ یمن عبید اللہ کے حصہ میں آیا اور حجاز قثم کے حصہ میں بصرہ پر عبداللہ بن عباس امیر بن گئے اور کوفہ خود حضرت علی نے سنبھال لیا"۔

پھر اس نے اپنا گھوڑا منگایا اور سوار ہو کر کوفہ واپس ہوا۔ حضرت علی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور نہایت تیز رفتاری سے چلے اور اشتر کو راستہ ہی میں جا لیا اور اسے بالکل معلوم نہ ہونے دیا کہ اس کی اس بات کا ان کو علم ہو گیا ہے اور اس سے کہا۔ "یہ اتنی تیزی سے واپسی کیسی تم تو ہم سے پہلے چلے آئے؟" حضرت علی کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر اسے علیحدگی کا (باقی بر صفحہ ۲۰۸)

کر کے نکال دیا۔ اور یہ لوگ اپنی جماعت سمیت امیر معاویہ کے پاس چلے گئے۔[ل] تو امیر معاویہ نے ان کو خدا تعالےٰ کی حدود توڑنے سے منع کیا اور انہیں تقویٰ و پرہیزگاری کی تلقین کی اور امت کی حرمت سے کھیلنے کے انجام سے ڈرایا۔[ل۲]

(حاشیہ صفحہ ۲۰۷) کچھ موقع مل گیا تو یہ لوگوں میں شرارت پھیلائے گا۔ پھر اس کے بعد اشتر صفین کی جنگ میں شامل ہوا۔ پھر حضرت علی نے اس کو مصر کی امارت سپرد کی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب قیس بن سعد بن عبادہ مصر سے واپس آگئے۔ جب اشتر قلزم (سویس) میں پہنچا تو اس نے شہد کا شربت پیا کہتے ہیں کہ اس میں زہر ملا ہوا تھا۔ تو اس سے اس کی موت ہوگئی اور یہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے (الاصابہ جلد ۳ ص ۴۸۲)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

لہ یہ اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے جب انہوں نے کوفہ کے دارالامارت میں عبدالرحمن بن خنیس اسدی اور ان کے باپ کو مارا تھا تو اشراف کوفہ اور نیک لوگوں نے حضرت عثمان کو لکھا کہ ان کو کسی اور شہر میں روانہ کر دیا جائے تو آپ نے ان کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیج دیا۔ جن لوگوں کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا گیا وہ یہ آدمی تھے اشتر نخعی۔ ابن الکواء یشکری۔ صعصعہ بن صوحان عبدی اور اس کا بھائی زید۔ کمیل بن زیاد نخعی۔ جندب بن زہیر غامدی۔ جندب بن کعب ازدی۔ ثابت بن قیس نخعی۔ عروہ بن جعد بارقی عمرو بن حمق خزاعی ۱۲

سلہ (طبری ص ۸۶ ج ۵) کے بیان کے مطابق امیر معاویہ نے ان سے کہا تم ایک عربی قوم ہو تمہارے نیزے اور زبانیں چلتی ہیں۔ تم نے اسلام کی وجہ سے شرف حاصل کیا اور دوسری امتوں پر غالب آئے تم نے ان کے مراتب اور ورثہ حاصل کی۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم قریش پر اعتراض کرتے ہو اور اگر قریش نہ ہوں تو تم پہلے کی طرح پھر ذلیل ہو جاؤ تمہارے امام تمہارے لیے آج تک ڈھال بنے رہے تم اپنی ڈھال کے آڑے نہ آؤ۔ آج تمہارے امام تمہارے جور و جفا پر صبر کر رہے ہیں تمہاری تکلیفیں برداشت کرتے ہیں (باقی ص ۲۰۹)

تو زید بن صوحان نے ان سے کہا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے[1]۔ "تم پر قریش کی امارت کب تک ہوا کرے گی۔ آج تک تو عرب لوگ تلوار کی کمائی کھاتے رہے ہیں اور قریش ہمیشہ تجارت پیشہ رہے ہیں"[2]۔ تو امیر معاویہ نے اس کو جواب دیا۔ "تیری ماں مرے میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھے جاہلیت کی باتیں بتاتا ہے۔ اللہ برا کرے اس آدمی کا جس نے امیر المومنین کے خلاف تجھے بھڑکایا تم ایسے لوگ ہو جو نہ کچھ سنوار سکتے ہو نہ بگاڑ سکتے ہو۔ تم یہاں سے نکل جاؤ[3]"۔

اور ابن الکوا نے امیر معاویہ کو ہر شہر کے فتنہ پردازوں کی نشان دہی کی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۸) خدا کی قسم تم باز آ جاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے حاکم مقرر کرے گا جو تمہیں سزائیں دیں گے اور تمہارے صبر پر تمہاری تعریف نہ کریں گے اور پھر تم رعیت پر جو ظلم بھی کرو گے اپنی زندگی اور موت کے بعد بھی تم ان حاکموں کے شریک کار ہو گے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہ زید بن صوحان نے نہیں کہا تھا بلکہ اس کے بھائی صعصعہ نے کہا تھا ۱۲

[2] اس نے امیر معاویہ سے یہ بھی کہا "جو آپ نے ڈھالی کا ذکر کیا ہے تو جب یہ ڈھال پھٹ جائے گی تو پھر ہم ڈھال بن جائیں گے"۔ یعنی جب ہم اپنے والیوں کو قتل کر دیں گے تو ملک ہمارے ہاتھ آ جائے گا"۔

اگر یہ کلمہ جو اس نے اپنی پریشان حالی اور حاکم کے قبضہ میں ہونے کے باوجود کہا تھا کسی اور حاکم کے سامنے کہا جاتا تو دنیا کی تاریخ میں اتنا فراخ دل حاکم کبھی نہ پایا جاتا جتنا کہ صعصعہ نے امیر معاویہ کو پایا ۱۲

[3] اور پھر جو جواب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صعصعہ کو قریش اور ان کی قدر و منزلت کے بارے میں دیا وہ بڑا طویل اور نہایت نفیس ہے۔ طبری نے ۳۱ کو ج۸۶ ص۵۲۰ پر مفصل لکھا ہے ۱۲

اور ان کی تفصیلات سے مطلع کیا[1]۔ تو امیر معاویہ نے ان کی تمام کیفیت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی اور ان کے نام بھی حضرت عثمان کو لکھ بھیجے۔ پھر حضرت امیر معاویہ نے ان کو اپنے ہاں سے نکال دیا[2] تو یہ عبد الرحمن بن خالد بن ولید کے پاس گئے[3]۔ تو اس نے ان کو روک لیا اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور کہا اب وہ باتیں کرو جو کہ تم نے امیر

---

[1] ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۲۹۹/۷ ج) میں ابن الکواء کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے اور طبری (۹۲/۵ ج) نے اپنی تاریخ میں ابن الکواء کا مقولہ نقل کیا ہے اس نے امیر معاویہ سے ان فتنہ پرور لوگوں کے بارے میں کہا کہ مدینہ کے شر پسند امت میں فتنہ و فساد پھیلانے کے سب سے زیادہ خواہشمند ہیں اور بزدل بھی۔ اور کوفہ کے فتنہ پرور دیکھنے میں معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن شرارت میں بہت بڑے ہیں اور بصرہ والے اکٹھے ہو کر آتے ہیں اور فرداً فرداً نکل جاتے ہیں۔ اور مصری لوگ سب سے زیادہ شریر ہیں اور بہت جلد نادم ہوتے ہیں اور شامی لوگ اپنے راہنماؤں کی اطاعت کرتے ہیں اور گمراہ کرنے والوں کی نافرمانی کرتے ہیں ۱۲

[2] امیر معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ میرے پاس کچھ ایسے لوگ آتے ہیں جن میں نہ عقل ہے نہ دین۔ دین نے ان کو مجبور کر دیا ہے اور عدل و انصاف نے ان کو جرائم سے روک رکھا ہے وہ نہ تو اللہ تعالٰے کی قدر جانتے ہیں اور نہ کسی دلیل سے گفتگو کرتے ہیں ان کا مقصد صرف فتنہ و فساد اور ذمی لوگوں کے مال لوٹنا ہے اور اللہ تعالٰے ان کی آزمائش کر رہا ہے پھر ان کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ یہ لوگ، دوسروں کی امداد کے بغیر دشمن کی مذمت نہیں کر سکتے اور یہ لوگ شور و شغب کے سوا اور کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں (یعنے وہ بالکل بے حقیقت ہیں)

[3] عبد الرحمن بن خالد بن ولید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص کے والی تھے اور جزیرہ حران اور رقہ بھی انہی کے ماتحت تھا ۱۲

معاویہ سے کہیں[1] اور ان کو قید کر دیا اور ان کو اپنی سواری کے آگے دوڑایا اور ذلیل کیا یہاں تک کہ وہ ایک سال کے بعد تائب ہو گئے[2]۔
اور حضرت عثمان کو ان کے حالات لکھ بھیجے۔ تو حضرت عثمان نے کہا ان کو میرے پاس بھیج دو۔ جب وہ امیر المومنین کے سامنے آئے تو انہوں نے نئے سر سے توبہ کی اور اپنی صداقت پر حلف اٹھائے اور جو شرارتیں ان کی طرف منسوب

---

[1] اس گفتگو سے پہلے یہ باتیں ہو چکی تھیں۔ عبدالرحمن بن خالد نے کہا۔ او شیطان کے چیلو! اللہ تمہارا بھلا نہ کرے اب تو شیطان بھی بند ہو چکا ہے اور تم کھلے بندوں پھر رہے ہو۔ عبدالرحمن بالکل نا اہل ثابت ہو گا اگر تمہیں میں نے بالکل سیدھا نہ کر دیا۔ میں تمہیں ننگا کر کے چھوڑوں گا اے ان لوگوں کی جماعت جن کا پتہ ہی نہیں کہ عجمی ہو یا عربی۔ تم وہ باتیں مجھ سے نہ کر سکو گے جو تم امیر معاویہ سے کر چکے ہو۔ میں خالد بن ولید کا بیٹا ہوں میں اس کی اولاد ہوں جسے بہادروں نے آزمایا ہے۔ میں اس کی اولاد ہوں جس نے مرتدوں کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اے صعصعہ اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ تو کسی سے لڑا ہے اور کسی نے تیری ناک پھوڑ کر تجھے خون چوسنے پر مجبور کیا ہے تو میں تجھے وہاں پھینکوں گا جہاں سے تیری ہوا بھی نہ آئے گی ۱۲

[2] عبدالرحمن بن خالد جب اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا تو ان کو اپنے آگے آگے بھگاتا۔ جب یہ صعصعہ کے پاس آتا تو کہتا۔

"اے حطیہ کے بیٹے کیا اب تمہیں معلوم ہوا یا نہیں کہ جس کو شرافت درست نہ کر سکے اسے برائی درست کر دیتی ہے۔ اب تو وہ باتیں مجھ سے کیوں نہیں کہتا جو تو سعید بن عاص اور معاویہ سے کہہ لیا کرتا تھا۔"

تو وہ بھی اور اس کے ساتھی بھی کہتے۔

"ہم اللہ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو معاف کرے اب آپ ہمیں بھی معاف کر دیں" ۱۲

تھیں ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔[1] تو حضرت عثمان نے ان کو اجازت دے دی کہ اب جہاں چاہو جا کر رہو تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کے شہر انتخاب کر لیے۔ کوفہ۔ بصرہ۔ مصر وغیرہ جب حضرت عثمان کے پاس سے نکلے تو جہاں بھی جا کر یہ لوگ رہے فتنہ اور فساد بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس شر پسندوں کا ایک گروہ اکٹھا ہو گیا۔[2] اور پھر یہ لوگ حضرت عثمانؓ

---

[1] جس آدمی نے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی توبہ کا اظہار کیا وہ اکیلا اشتر نخعی تھا اور وہی صوحان کے دونوں بیٹوں اور ابن الکواء اور دوسروں کی طرف سے تجدید توبہ میں نائب تھا۔ جیسے انہوں نے عبدالرحمن بن خالد کے سامنے بیان کیا تھا۔ لیکن فتنہ و فساد صرف انہی لوگوں میں تو نہیں تھا۔ بلکہ اس کے جرثومے تو ابن سبا کے ہاتھ میں تھے۔ جس نے اپنی رہائش فسطاط میں رکھی ہوئی تھی اور اس کا ایک بازو بصرہ میں تھا اور اشتر اور اس کے ساتھیوں کا کچھ بقایا کوفہ میں بھی تھا اور جس وقت اشتر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی توبہ کی تجدید حضرت عثمان کے سامنے مدینہ میں کر رہا تھا اس وقت ابن سبا کے ساتھی کوفہ اور بصرہ میں امیر المومنین پر حملہ کرنے کے لیے آپس میں خط و کتابت کر رہے تھے۔

جب اشتر توبہ کی تجدید کر کے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا جو عبدالرحمن بن خالد کے پاس تھے تو ان کے پاس اس نے کوفیوں کا خط دیکھا وہ ان کو اپنے پروگرام میں شریک کرنا چاہتے تھے جس کا انہوں نے وقت مقرر کر رکھا تھا۔ تو اس فتنہ و فساد پر سوائے اشتر کے اور کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ وہ اشتر جو ابھی توبہ کر کے آیا تھا۔ تو یہ کوفہ کی طرف چلا آیا اور اس جنگ (فتنہ) میں شامل ہو گیا جو تاریخ کی کتابوں میں "یوم الجرعہ" کے نام سے مشہور ہے اور یہ ۳۴ھ کا واقعہ ہے ۱۲

[2] جب بلوائی ۳۴ھ میں اپنے والیوں پر حملہ کرنے میں ناکام ہوئے اور "یوم الجرعہ" کے واقعہ پر بات ختم ہو گئی تو انہوں نے آپس میں ۳۵ھ میں ایک اور (باقی برص ۲۱۳)

کے پاس فتنہ کی نیت[۱] سے آ گئے۔ مصریوں کا سردار تو عبد الرحمٰن[۲] بن عدیس بلوی

(بقیہ حاشیہ ۲۱۲) فتنہ کا وعدہ کیا جو بہت بڑے پیمانہ پر کیا جانا تھا جب حاجی لوگ حرمین شریفین کا ارادہ کریں تو مصر، بصرہ اور کوفہ کے لوگ بھی ان کے ہمراہ چلے آئیں حاجی لوگ حج کرنے کو جائیں گے اور ہم اپنا پروگرام پورا کریں گے۔ ان لوگوں نے اپنی بارہ جماعتیں بنائیں۔ چار مصری لوگوں کی۔ چار بصرہ والوں کی اور چار کوفہ والوں کی اور ہر جماعت میں اندازاً ڈیڑھ سو فتنہ باز لوگ تھے یعنی ہر شہر سے چھ سو آدمی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یعنی مدینہ منورہ کی طرف آ گئے۔ ۱۲

[۲] یہ شہسوار اور شاعر تھا۔ مصر فتح کرنے کے لیے جو لشکر آیا تھا اس میں یہ بھی چلا آیا۔ یہ ایک غیر معروف آدمی تھا سوائے اس فتنہ کی شمولیت کے اور کہیں اس کا نام نہیں ملتا یہ کہتا تھا کہ میں نے بیعت رضوان کے وقت آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ فتنہ پرور لوگوں کے مدبرین میں سے نہیں تھا۔ انہوں نے اس کا میلان ریاست کی طرف دیکھا تو انہوں نے مصری عرب قبائل میں اس کی عمر اور وجاہت سے فائدہ اٹھایا اور مصری چار جماعتوں میں سے ایک جماعت کا اسے امیر بنا دیا گیا اور باقی تین جماعتوں کے قائد کنانہ بن بشر تجیبی۔ سودان بن حمران سکونی اور قتیرہ سکونی تھے اور ان کا امیر اعلیٰ غافقی بن حرب عکی تھا)۔

اور عبد الرحمٰن بن عدیس نے حضرت عثمان کے محاصرہ کے دنوں میں امیر المومنین اور ان کے اہل بیت پر سخت گرفت کی۔ پھر اس کا انجام بھی قتل ہوا۔ حمص کے قریب جبل جلیل میں اسے ایک بدو نے پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ میں بھی حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے ہوں تو اس بدو نے فوراً اسے قتل کر دیا (معجم البلدان۔ الجلیل)

جس آدمی نے ابن عدیس کو تجیب کی طرف منسوب کیا ہے اس نے غلطی کی ہے یہ بنو قضاعہ سے تھا۔ تجیب بنت ثوبان بنو مذحج سے ہے اور اس کی طرف (باقی بر ۲۱۴)

تھا اور بصریوں کا حکیم[1] بن جبلہ اور کوفہ والوں کا اشتر[2] مالک بن حارث نخعی۔ یہ لوگ ذی قعدہ ۳۵ھ میں مدینہ میں داخل ہوئے[3]۔

پھر حضرت عثمان ان کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا۔ آپ قرآن مجید منگائیں۔ آپ نے قرآن منگایا تو انہوں نے کہا نویں[4] سورت نکالیں یعنی سورہ یونس پھر کہنے لگے کہ پڑھیے۔ چنانچہ آپ پڑھنے لگے۔ جب اس آیت پر پہنچے "کیا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے یا اللہ پر بہتان باندھتے ہو"۔ تو کہنے لگے ٹھہر جائیے۔ پھر کہنے لگے آپ بتائیں "یہ جو آپ نے اپنے لیے چراگاہ مخصوص کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۳) وہی لوگ منسوب ہوتے ہیں جو اس کے دونوں بیٹوں سعد اور عدی بن اشرس کی اولاد سے ہیں اور یہ بنو کندہ سے ہیں اور بنو کندہ اور قضاعہ میں کوئی تعلق ہی نہیں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ف۱ اس کا تعارف پہلے ہو چکا ہے یہ بصرہ کی چار جماعتوں میں سے ایک کا امیر تھا اور باقی تین یہ ہیں۔ ذریح بن عباد عبدی۔ بشر بن شریح الحطم ابن الحرش الحنفی اور ان کا رئیس اعلیٰ حرقوص بن زہیر تھا ۱۲

ف۲ اس کا تعارف پہلے کرایا جا چکا ہے یہ کوفہ کی چار جماعتوں سے ایک کا امیر تھا اور باقی تین یہ ہیں۔ زید بن صوحان عبدی۔ زیاد بن نصر حارثی اور عبداللہ بن اصم اور ان کا رئیس اعلیٰ عمرو بن اصم تھا ۱۲

ف۳ یہ لوگ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر تو اکٹھے اترے پھر بصرے کے شر پسند آگے بڑھ کر "ذی خشب" میں جا اترے اور کوفہ کے بلوائی "اعوص" میں اور باقی سب لوگ "ذی المروہ" میں ۱۲

ف۴ مطبوعہ جزائر یہ نسخہ میں اسی طرح ہے اور یہ غلط ہے درست اس طرح ہے کہ سورہ یونس ساتویں سورت ہے اور شاید عبداللہ بن مسعود کے مصحف کی ترتیب کے مطابق ہو (فہرست ابن ندیم ص ۳۹ اور تاریخ طبری ص ۱۰۲)

لی ہے کیا اس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو؟ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ یہ آیت تو اس بارہ میں نازل ہوئی۔ اور چراگاہ تو حضرت عمرؓ نے بنائی تھی اور اب چونکہ اونٹ زیادہ ہو گئے ہیں میں نے ضرورت کے مطابق اس میں اضافہ کیا ہے[۱]۔ اسی طرح کے اعتراضات وہ کرتے جاتے تھے اور آپ ان کے جوابات دیتے رہے اور امیر المومنین کے دلائل نہایت قوی تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا "آخر تم کیا چاہتے ہو"؟

تو انہوں نے آپ کے سامنے پانچ چھ مطالبے پیش کیے جو یہ ہیں۔

۱:۔ جن لوگوں کو ملک بدر کیا گیا ہے ان کو واپس آنے کی اجازت دی جائے

۲:۔ جو اپنے جائز حقوق سے محروم ہیں ان کو ان کے حقوق دیئے جائیں۔

۳:۔ مال فے کو عام لوگوں پر تقسیم کیا جائے

۴:۔ اور تقسیم میں انصاف کیا جائے۔

۵:۔ اور امانت دار طاقتور آدمیوں کو عامل مقرر کیا جائے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ شرطیں منظور کر لیں اور ان کو لکھ کر دے دیں اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت نہ کریں اور امیر کی نافرمانی نہ کریں۔ پھر یہ لوگ خوش خوش واپس ہوئے[۲]۔

---

[۱] چراگاہ کے متعلق مختصر سی بحث پہلے گذر چکی ہے ۱۲

[۲] جو لوگ مختلف شہروں سے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے۔ یہ دو طرح کے لوگ تھے ایک تو وہ سازشی تھے جو مختلف درجات کے باوجود دھوکہ دینے والے تھے اور دوسرے عام لوگ جن سے دھوکہ کیا جا رہا تھا اور دوسرے فریق کی اکثریت تھی انھیں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ تمہارے بعض لوگوں کو جلاوطن کیا گیا ہے اور تم اپنے حقوق سے محروم ہو۔ حالانکہ پہلے آپ دو نہایت شریف اور عادل لوگوں کی شہادتیں دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کس قدر خیر اور برکت اور دولت اور خیرات کی بہت (باقی بر ص ۲۱۶)

بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت علی کو ان کے پاس بھیجا اور یہ پانچوں شرطیں منظور ہوئیں۔ پھر یہ لوگ اپنی اپنی راہ جارہے [۱] تھے تو ان کو ایک سوار [۲] نظر آیا۔ پھر وہ ان سے کبھی الگ ہو [۳] جاتا۔

(بقیہ حاشیہ ۲۱۵) زیادہ کثرت تھی یعنی حسن بصری اور ابن سیرین کی شہادتیں گذر چکی ہیں کہ حضرت عثمان کے منادی آواز دیتے تھے کہ آکر اپنے اپنے حصے لے جاؤ اور کسی پر کوئی پابندی نہ تھی اور امام شعبی کی شہادت بھی ہو چکی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں رزق۔ برکت اور لونڈی غلام کی کثرت تھی۔ پھر جب عام لوگوں نے حضرت عثمان کے جوابات سنے تو انھیں حقیقت معلوم ہوگئی اور راضی ہو کر واپس ہوئے اور ان کی واپسی دو مختلف راہوں سے تھی کیونکہ ان کے شہر مختلف سمتوں میں تھے۔ مصری تو شمال مغرب کی طرف جا رہے تھے تاکہ بحیرہ احمر کے کنارے کنارے سویس سے ہو کر مصر چلے جائیں اور بصری اور کوفی لوگوں کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا تاکہ وہ عراق کی سرزمین کوفہ اور بصرہ میں چلے جائیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یعنی عراقی شمال مشرق کو جارہے تھے اور مصری شمال مغرب کو اور ان دونوں فریقوں میں کئی منازل کا بُعد تھا۔ کیونکہ وہ جتنا آگے بڑھتے تھے اتنا ہی ان کا بُعد بڑھتا جاتا تھا ۱۲

[۲] یعنی صرف مصری لوگوں کو ۱۲

[۳] وہ ان کے سامنے آتا اور پھر چھپ جاتا تاکہ ان لوگوں کی نظریں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور وہ اس کے متعلق مشکوک ہو جائیں اور یہی کچھ وہ مزدور چاہتا تھا اور یہ آدمی اس دور کی ایک مثال ہے اور اس نئے فتنہ کے بانی مبانی ایسے ہی لوگ تھے۔ وہ اس فتنہ کو مسلمانوں پر لانا چاہتے تھے جسے اللہ تعالے نے ایک دفعہ مسلمانوں سے ٹال دیا تھا اور یہ تو کسی انسان کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا کہ حضرت عثمان یا مروان یا ان کے کسی ساتھی نے ایسا خط لکھا ہو۔ کیونکہ ایک نیا فتنہ کھڑا کرتے ہیں (باقی بر صفحہ ۲۱۷)

"انہوں نے پوچھا تو کون ہے"؟ اس نے کہا "میں امیر المؤمنین کا پیغام لے کر مصر میں ان کے عامل کے پاس جا رہا ہوں"[1]! انہوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا جو حضرت عثمان کی طرف سے ان کے مصری عامل کے نام تھا لکھا تھا کہ "ان کو صلیب پر لٹکا دیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں"[2]۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۶) میں ان کی کوئی مصلحت نہ تھی اور فتنہ میں مصلحت تھی تو انہی فتنہ پرور لوگوں کی اور انہی میں اشتر اور حکیم بن جبلہ بھی تھے جو اپنے شہر دل کو واپس نہ ہوئے تھے بلکہ مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے (طبری ج۵ ص۱۱۰) اور ان لوگوں کو اس جیسی فریب کاریوں کے علاوہ مدینہ میں اور کوئی کام بھی نہ تھا ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اس خط میں حضرت عثمان کے مصری عامل کا نام عبداللہ بن سعد بن ابی سرح صاف لکھا ہوا تھا (طبری ج۵ ص۱۲۰) اور یہ تو سمجھ میں بھی نہیں آ سکتا کہ حضرت عثمان یا مروان نے یہ خط عبداللہ کی طرف لکھا ہو کیونکہ وہ تو ان فتنہ جو لوگوں کے پیچھے پیچھے مصر سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو چکا تھا اور اس نے حضرت عثمان سے مدینہ آنے کی اجازت مانگی تھی۔ (طبری ص۱۲۲ ج۵) اور وہ اسی وقت عریش اور فلسطین اور ایلہ کی طرف چلا آیا تھا۔ اور اس کے بعد مصر کی حکومت پر محمد بن ابی حذیفہ غاصبانہ قبضہ کر چکا تھا اور یہ شخص خدا و رسول کا دشمن تھا۔ خلیفۃ المسلمین کا باغی تھا۔ پھر حضرت عثمان یا مروان عبداللہ بن سعد کی طرف یہ خط کیسے لکھ سکتے تھے جب کہ اس کی درخواست ان کے پاس آ چکی تھی کہ وہ مدینہ منورہ آ رہا ہے ۱۲

[2] وہ روایتیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ "وہ سوار حضرت عثمان کا غلام تھا اور اونٹ صدقہ کا اونٹ تھا اور حضرت عثمان نے اس کا اقرار کیا"۔ تو یہ سب روایتیں مرسل ہیں ان کے بیان کرنے والے کا کوئی پتہ نہیں کہ کون ہے اور یا پھر وہ لوگ ہیں جن کی امانت و صداقت میں طعن کیا گیا ہے اور یہ روایات جھوٹی ہیں اور پھر خط کے مضمون کے متعلق بھی روایات مضطرب ہیں۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں (باقی بر ص۲۱۸)

چنانچہ یہ لوگ پھر مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا اس اللہ

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۷) "جب عبدالرحمن بن عدیس تمہارے پاس آئے تو اس کو سو کوڑے لگاؤ اور اس کا سر اور ڈاڑھی مونڈواؤ اور قید خانہ میں ڈال دو اور پھر میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو اور عمرو بن حمق اور سودان بن حمران اور عروہ بن نباع سے بھی یہی سلوک کرو۔" اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں آدمی تمہارے پاس آئے تو ان کو قتل کر دو اور ان کے پاس جو حکم نامہ ہے اس کی پروانہ کرو اور اپنے عہدہ پر قائم رہو جب تک کہ میرا دوسرا حکم نہ پہنچے"۔ اور تیسری روایت کا مضمون اس طرح ہے کہ "ان کو قتل کرو اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹو اور صلیب پر لٹکا دو"۔ ایک ہی خط کے یہ مختلف مضامین شکوک شبہات پیدا کرتے ہیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

لـہ عجیب تربات یہ ہے کہ حملہ آوروں کے قافلے مختلف اطراف مشرق و مغرب میں جانے کے سبب ایک دوسرے سے کئی منازل کا بُعد رکھتے تھے یہ سب لوگ مدینہ میں ایک ہی وقت پر پہنچے یعنی عراقیوں کے قافلے جو کہ مصریوں کے قافلہ سے کئی منزل دور تھے انہوں نے تو اسی مشورہ کے مطابق مراجعت کی جو وہ ذوخشب میں طے کر چکے تھے اور وہ بالکل اسی وقت پہنچے جب مصری لوگ مدینہ واپس آئے۔ گویا ان لوگوں نے آپس میں وعدے کر رکھے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایک مزدور سوار مصری قافلوں کی طرف ڈرامہ کھیلنے کے لیے روانہ کیا انہوں نے ہی ایک دوسرا آدمی اسی وقت عراقی قافلوں کی طرف بھی بھیجا کہ مصری لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا ایک خط جو عبداللہ بن سعد کے نام مصر جا رہا تھا۔ ملا ہے جس میں محمد بن ابی بکر کے قتل کرنے کا حکم ہے (طبری ج۵ ص۱۰۵)

تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا "اے کوفہ اور بصرہ والو تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ مصری لوگوں کو ایک خط ملا ہے حالانکہ تم کئی منزل دور جا چکے تھے اور پھر تم واپس بھی آ گئے۔ خدا کی قسم یہ پروگرام مدینہ میں مرتب ہوا ہے"۔ (حضرت علیؓ کا اشارہ اشتر اور حکیم کی طرف تھا جو مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے اور یہی وہ دو آدمی تھے جنہوں نے یہ (باقی بر ص۲۱۹)

کے دشمن کی کارستانی دیکھو کہ اس نے ہمارے متعلق اس طرح لکھا ہے۔ اب اللہ تعالے نے اس کا خون حلال کر دیا ہے"۔ پھر حضرت علی سے کہنے لگے "آؤ ہمارے ساتھ چلو" تو حضرت علی نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم میں تو تمہارے ہمراہ نہ جاؤں گا" انہوں نے کہا "پھر تم نے ہمیں خط کیوں لکھا تھا؟" تو آپ نے کہا "خدا کی قسم میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا"۔ تو لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے[1]۔ اور حضرت علی مدینہ سے باہر نکل گئے۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۱۸) سازش تیار کی تھی) تو عراقی بلوائیوں نے کہا "اس معاملہ کو آپ جانے دیں ہمیں اس آدمی کی ضرورت نہیں یہ ہم سے الگ ہو جائے"۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ خط کا قصہ سب جھوٹا تھا اور ان کی سب سے پہلی اور آخری غرض حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا معزول کرنا اور آپ کا خون کرانا تھا جسے اللہ تعالے نے اپنے نبی کی شریعت سے حرام قرار دیا تھا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] طبری (ج۵ ص۱۲۰) میں ہے کہ حضرت علی اور بلوائیوں میں یہ سوال و جواب۔ تمام روایتوں میں پایا جاتا ہے اور یہ نقل صریح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کے نام سے خط لکھا اور پھر بلوائیوں کو بھی خط لکھا کہ تم مدینہ واپس آجاؤ انہی لوگوں نے حضرت علی کے نام سے ان بلوائیوں کی طرف بھی خط لکھا تھا کہ تم مدینہ آجاؤ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ حملہ آور دو قسم کے لوگ تھے ایک فریب خوردہ اور دوسرے فریب دینے والے۔ جن لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا یہ فریب خوردہ لوگ تھے ان کو تعجب تھا کہ حضرت علی کس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا حالانکہ ان کا خط ہمارے پاس آیا ہے اور اگر انہوں نے یہ خط نہیں لکھا تو پھر کس نے وہ خط لکھا ہے؟ اور عنقریب بیان ہوگا کہ مسروق بن اجدع ہمدانی نے (یہ بھی بلوائیوں کا ایک سردار تھا) حضرت عائشہ سے کہا "تم نے خود لوگوں کو حضرت عثمان کے برخلاف اٹھ کھڑا ہونے کا حکم دیا ہے"۔ تو حضرت عائشہ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ (باقی بر ص۲۲۰)

پھر یہ لوگ حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہنے لگے "تم نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے"؟ تو آپ نے فرمایا "یا دو مسلمانوں کی شہادت پیش کرو یا مجھ سے قسم لے لو"۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے تو انہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا[1] اور اپنے عہد کو توڑ ڈالا اور آپ کا محاصرہ کر لیا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۹) سلیمان بن مہران (اعمش) کہتے ہیں (یہ بہت بڑے حافظ اور امام تھے) "تو اس سے لوگوں کو پتہ چلا کہ وہ خط حضرت عائشہ کی زبانی انہوں نے خود لکھا تھا"۔

لیے اس موجودہ دور کے مسلمانو! سن لو جن مجرم ہاتھوں نے حضرت عائشہ، علی، طلحہ اور زبیر کے نام سے جھوٹے خط لکھے انہی لوگوں نے یہ سارا فساد برپا کیا تھا اور انہی لوگوں نے یہ سارا منصوبہ تیار کیا تھا اور انہی لوگوں نے حضرت عثمان کے نام سے اپنے مصر کے عامل کے نام ایسے وقت میں خط لکھا جب کہ حضرت عثمان کو معلوم تھا کہ مصر میں ان کا اس وقت کوئی عامل نہیں ہے اور وہ جھوٹے خط جن قلموں نے حضرت عثمان کے نام لکھے انہی قلموں سے حضرت علی کے نام سے بھی خط لکھے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ فتنہ پرور لوگ مدینہ واپس آجائیں حالانکہ یہ لوگ خلیفہ کے موقف کو صحیح تسلیم کرکے واپس جا چکے تھے اور جو کچھ ان کے نام سے لکھا گیا وہ سب جھوٹ تھا اور امیر المومنین تو وہی کام کرتے تھے جو حق اور بھلائی پر مبنی ہوتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد جنہیں شہادت اور جنت کی خوشخبری سنائی گئی تھی ایسے آدمی نہ تھے کہ وہ ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے جن کو سبائی لوگ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی نگاہ میں تو اسلام بھی مجرم تھا اور وہ اسلامی نسلیں جن کو اپنی خالص اور صاف و پاک تاریخ محرّف اور گدلی ہو کر ملی وہ اسی خبیث یہودی (ابن سبا) کا کارنامہ ہے اور پھر اس کے بعد اس کے ساتھیوں کا جو خواہشات کے پیرو ہیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اس لیے کہ وہ حق کو قبول کرنے اور شریعت کی طرف رجوع کرنے کے لیے نہیں آئے تھے وہ تو آپ کو اس منصب سے ہٹانے یا قتل کرنے کے لیے آئے تھے ۱۲ (زبانی بر ص ۲۲)

کہتے ہیں کہ اشتر نخعی حضرت عثمان کے پاس آیا اور کہا "قوم آپ سے مطالبہ کرتی ہے کہ یا تو خلافت سے دستبردار ہو جاؤ یا اپنے آپ کو قتل کرنے کے لیے پیش کرو یا پھر وہ خود تمہیں قتل کر دیں گے"۔ تو حضرت عثمان نے کہا "خلافت سے دستبردار ہو کر میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو اس طرح نہیں چھوڑوں گا کہ بعض بعض کا خون کرنے لگیں۔ باقی رہا قتل کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا تو میرے دونوں پیشروؤں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی میرا جسم اس کی طاقت رکھتا ہے"[۱]

کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ سے کہا "میں نے آپ کے خون کی نذر مانی ہے"؟ تو آپ نے اسے فرمایا "میرا کوٹ لے لو اور اس پر تلوار کے وار کرو تو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی"۔ پھر وہ باہر چلا گیا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر واپس آ گیا۔[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) سے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ امیر المومنین کی نافرمانی نہ کریں گے اور نہ جماعت میں تفرقہ اندازی کریں گے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یہ خبر تاریخ طبری ج۵ ص۱۱۸ اور البدایہ والنہایہ ج۷ ص۱۸۹ اور انساب الاشراف بلاذری ج۵ ص۹۲ میں موجود ہے ۱۲

[۲] یہ خبر کتاب "التمہید" ابو بکر باقلانی کی تصنیف کے ص۲۱۶ میں ہے اور اس سے عجیب تر وہ روایت ہے جسے طبری نے ص۱۳۶، ۱۳۷/۱۰ پر نقل کیا ہے کہ عمیر بن ضابی برجمی اور کمیل بن زیاد نخعی دونوں مدینہ آئے تا کہ حضرت عثمان کو قتل کر کے اس عہد کو پورا کریں جو وہ کوفہ میں اپنے ساتھیوں سے کر چکے تھے جب یہ مدینہ پہنچے تو عمیر واپس آ گیا اور کمیل خلیفۃ المسلمین کی گھات میں رہا جب حضرت عثمان کی کمیل سے ملاقات ہوئی تو حضرت عثمان کو شک گذرا تو آپ نے اس کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ وہ پشت کے بل گر پڑا تو اس نے کہا "اے امیر المومنین آپ نے مجھے بہت تکلیف دی"۔ تو حضرت عثمان نے فرمایا "کیا تو ان بلوائیوں میں شامل نہیں؟" تو اس نے کہا "اللہ وحدہ لا شریک کی قسم میں ان میں شامل نہیں"۔ اتنے میں لوگ اکٹھے ہو گئے انہوں (باقی بر ص۲۲۲)

اور حضرت عثمان کے پاس حضرت عبد اللہ بن عمر تشریف لائے۔ تو امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا۔ "دیکھو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں کہتے ہیں یا خلافت سے دستبردار ہو جاؤ یا ہم تجھے قتل کر دیں گے"۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا۔ "کیا آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے"؟ آپ نے فرمایا "نہیں" پھر کہنے لگے "کیا وہ آپ کے قتل سے کچھ زیادہ بھی کر سکتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "نہیں" پھر پوچھا "کیا وہ آپ کو جنت یا دوزخ میں بھیجنے کا اختیار رکھتے ہیں"؟ فرمایا "نہیں"۔ تو پھر کہنے لگے جو قمیص آپ کو اللہ تعالے نے پہنائی ہے اسے مت اتاریں ورنہ یہ ایک طریقہ رائج ہو جائے گا کہ جب بھی کوئی قوم اپنے خلیفہ کو ناپسند کرے گی تو اسے یا الگ کر دے گی۔ یا

(بقیہ حاشیہ ع۲۲) نے کہا۔ "اے امیر المؤمنین! کیا ہم اس کی تلاشی نہ لیں"؟ تو آپ نے فرمایا "نہ"۔ اللہ تعالے نے مجھے اس سے بچا لیا اور اب میں نہیں چاہتا کہ اس کی بات کے خلاف مجھے کسی اور چیز کی اطلاع ملے"۔

پھر کمیل سے کہا "اگر تم سچے ہو تو مجھ سے بدلہ لے لو" اور یہ کہتے ہوئے پاؤں کے بل بیٹھ گئے اور کہا "میں یہی سمجھا تھا کہ تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو"۔ اور پھر فرمایا۔ "اگر تم سچے ہو تو اللہ تمہیں اجر دے گا اور اگر جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں ذلیل کرے گا"۔ آپ نے قدموں پہ بیٹھے ہوئے فرمایا "اب بدلہ لے بھی لو"۔ تو کمیل نے کہا "میں نے معاف کیا"۔

اے پڑھنے والے شریف آدمی! دیکھ یہ بادشاہوں کی سی عادات ہیں؟ خدا کی قسم یہ تو نبیوں کے اخلاق ہیں۔ اللہ تعالے کے ہاں دیر ہو سکتی ہے لیکن اس کے ہاں اندھیر نہیں ہے۔ اس واقعہ کے چالیس سال بعد حجاج آیا اس نے ابن ضابی اور کمیل دونوں کو قتل کیا جو ایک ایسے آدمی کے خون میں ملوث تھے جسے اللہ تعالی نے اپنی رحمت خاصہ سے پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالے ظالم کو مہلت ضرور دیتے ہیں اور پھر جب اس پر گرفت کرتے ہیں تو وہ بچ نہیں سکتا ۱۲

قتل کر دے گی[۱]۔

پھر حضرت عثمان نے مکان کی چھت پر سے ان کو جھانکا اور مسجد بنانے اور بیر رومہ خریدنے کے متعلق صحیح حدیث سے ان پر حجت قائم کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ قول بھی یاد کرایا جب کہ احد پہاڑ ان کے نیچے کانپنے لگا تھا تو انہوں نے ان سب باتوں کا اقرار کیا جو آپ ان کو یاد کرائیں[۲]۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عثمان نے جھانک کر ان سے پوچھا۔ "کیا محدوج کے دونوں بیٹے تم میں موجود ہیں؟ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ ربیعہ فاجر اور دھوکہ کرنے والا قبیلہ ہے اور میں ان کے وظیفے اور اس قوم کے وظیفے برابر نہیں کرونگا

---

[۱] بلاذری نے اس خبر کو انساب الاشراف ج۵ ص۷۶ میں اس حدیث کو نافع کے واسطہ سے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور ابن عمر کے حضرت عثمان کو اس بات کا فتوے دینے اور اس عظیم قربانی کی پیشکش کرنے سے پہلے بھی حضرت عثمان خدا کے نور (فراست) اور دلیل (حدیث) پر قائم تھے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن کے مقدمہ ج۱ ص۲۸ میں حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا "اے عثمان اگر کسی دن اللہ تجھے امیر المومنین بنائے اور منافق چاہیں کہ تو اللہ کی اس پہنائی قمیص کو اتار دے تو ہرگز نہ اتارنا"۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا اور مسند امام احمد ج۶ ص۷۵۔۸۶ و ج۶ ص۱۱۴۔۱۴۹ میں بھی حضرت عائشہ کی یہ حدیث کچھ مختلف الفاظ سے عروہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر سے مروی ہے ۱۲

[۲] دیکھئے مسند امام احمد ج۱ ص۹ حدیث ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور سنن نسائی ج۲ ص۱۲۴۔۱۲۵ اور جامع ترمذی ج۴ ص۳۱۹۔۳۲۰ اور مسند امام احمد حدیث نمبر ۵۱۱ طبع ثانیہ حدیث احنف بن قیس تمیمی اور سنن نسائی مطول اور مختصر ج۲ ص۶۵۔۶۷ اور ج۲ ص۱۲۳۔۱۲۴ اور تاریخ طبری ج۵ ص۱۲۵ حدیث ابو سعید مولیٰ ابو اسید الغفاری ۱۲

جو ایک مہینہ کی راہ سے آئے۔ ہر آدمی کی صحیح قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو اس کا طبیب ہو۔ اور میں نے ان کو ایک ہی غزوہ میں پانچ سو سے زیادہ دیا اور ربیعہ کو ان کے برابر کر دیا"؟ انہوں نے کہا "یہ صحیح ہے"۔

پھر فرمایا "میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم میرے پاس آئے اور کہا "بنو کندہ نے سر کو کھالیا اور ربیعہ سر ہے اور اشعث بن قیس نے ان کو کھالیا ہے"۔ تو میں نے اس کو تم سے الگ کر کے تمہیں اس کی جگہ عامل دیا"۔ تو انہوں نے کہا "کیوں نہیں۔ ٹھیک ہے"۔

پھر فرمایا "اے اللہ ان لوگوں نے میری بھلائی کا انکار کیا اور میرے احسان کو بدل دیا تو ان کو اپنے امام سے خوش نہ کرنا اور نہ امام ان سے خوش ہو"۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ ہوا تو میں ان کے پاس تھا تو آپ نے فرمایا۔ میں ہر اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جو میرا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روک لے[1]۔

---

[1] حضرت عثمان کے موقف اور دفاع یا تقدیر کو تسلیم کر لینے کے متعلق اگر مجموعی طور پر احادیث کو دیکھا جائے تو خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان فتنہ کو ناپسند کرتے تھے اور مسلمانوں کی خونریزی میں خدا سے ڈرتے تھے لیکن بعد میں آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر آپ کے پاس اتنی فوج ہوتی کہ جس سے باغی لوگ خوفزدہ ہو کر چلے جاتے اور اس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے اسلحہ کے استعمال کی نوبت ہی نہ آتی تو اچھا تھا اور باغیوں کے فتنہ کے اس حد تک پہنچنے سے پہلے امیر معاویہ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ "میں شامی فوجیں آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں وہ آپ کے اشارہ پر کام کریں گی"۔ تو آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس طرح دار الہجرت کے مسلمان لشکر کی وجہ سے تکلیف اٹھائیں گے (طبری ج۵ ص۱۰۱) اور یہ بات تو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ مسلمان آدمی (باقی برصفحہ ۱۲۵)

پھر فرمایا۔ "اے ابن عمرؓ! (ابن عمرؓ اس وقت اپنے ہتھیار پہنے آپ کے پاس موجود تھے۔) جاؤ جا کر لوگوں کو بتاؤ۔

پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور امام حسن بن علیؓ باہر نکل آئے اور بلوائی مکان میں داخل ہو گئے اور آپ کو شہید کر دیا۔[۲]

(بقیہ حاشیہ ص۲۲۴) کسی ایسے آدمی کا خون بہا دیں گے جس نے خدا کی راہ میں سب سے پہلے دین کے لیے ہجرت کی۔ پھر جب باغی ہر طرف سے آپ پر چڑھ آئے اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اب بہت سی خونریزی کے بغیر دفاع ممکن نہیں رہا تو آپ نے ہر اس آدمی کو روک دیا جو آپ کی اطاعت لازمی سمجھتا تھا اور اس طرح کی روایات تو کافی ملتی ہیں کہ اگر ایک منظم طاقت بلوائیوں کے سامنے میدان میں آ جاتی جس سے وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتے تو اس سے حضرت عثمان بہرحال خوش تھے۔ لیکن اب بھی وہ اس بات سے تو مطمئن ہیں کہ ان کی موت شہادت سے ہوئی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] البدایہ والنہایہ ص۱۸۵ میں ابن عقبہ کے مغازی کے تحت روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عثمان کی خلافت میں صرف اس دن ہتھیار باندھے جس دن حضرت عثمان کا محاصرہ ہوا۔ ۱۲

[۲] تاریخ طبری جلد۵ ص۱۲۹ میں ہے کہ سب سے آخری آدمی جو حضرت عثمان کے پاس سے باہر آیا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے۔ حضرت عثمان نے ان کو حکم دیا کہ میری لکھی ہوئی وصیت اپنے باپ کے پاس لے جاؤ اور ان کو حکم دیا کہ جو آدمی مکان کے صحن میں مدافعت کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں ان سے کہو کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں تو عبداللہ بن زبیر سب سے آخر میں نکلے وہ آپ کا حکم لوگوں کو سناتے رہے اور بتاتے رہے کہ حضرت عثمان نے کن الفاظ پر شہادت پائی اور حضرت عثمان نے زبیر بن عوام کے نام پر جو وصیت نامہ لکھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زبیر ایک نہایت (باقی ص۲۲۶)

اور حضرت زید بن ثابت حضرت عثمان کے پاس آئے اور عرض کیا "یہ انصار دروازہ پر کھڑے اجازت مانگ رہے ہیں کہ اگر آپ کہیں تو اللہ کے انصار بن جائیں۔ دو دفعہ انہوں نے اجازت مانگی لیکن حضرت عثمان نے فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے آپ اپنے ہاتھ روک رکھیں"[۹]۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲۵) ثقہ صحابی تھے۔ حافظ ابن عساکر (ص ۳۶۲) نے بیان کیا ہے کہ سات صحابیوں نے حضرت زبیر کے نام وصیت کی اور وہ یہ ہیں حضرت عثمان۔ عبد الرحمن بن عوف۔ عبد اللہ بن مسعود۔ مقداد بن اسود۔ مطیع بن اسود اور ابو العاص بن ربیع۔ حضرت زبیر ان کے یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت کرتے رہے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] بلاذری نے انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۷ میں ابن سیرین سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن عساکر نے صدر اول کے مورخ موسیٰ بن عقبہ اسدی سے (جن کے متعلق امام مالک نے کہا۔ ابن عقبہ کے مغازی پڑھا کرو وہ ثقہ آدمی ہے اور اس کے مغازی سب سے زیادہ صحیح ہیں) کہ ابو حبیبہ طائی نے کہا (یہ امام ابو داؤد۔ نسائی اور ترمذی کے اسناد ہیں) کہ جب حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ ہوا تو بنو عمرو بن عوف حضرت زبیر کے پاس آئے اور کہا "اے ابو عبد اللہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ ہمیں جدھر چاہیں لے چلیں دیجیے امیر المومنین کا دفاع جس طرح چاہیں کریں) تو ابو حبیبہ نے کہا کہ مجھے حضرت زبیر نے حضرت عثمان کے پاس بھیجا اور کہا میرا سلام کہو اور پھر کہنا کہ آپ کا بھائی آپ سے کہتا ہے کہ بنی عمرو بن عوف میرے پاس آئے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ میرے پاس آجائیں گے اور میں جدھر چاہوں ان کو لے جاؤں۔ اب اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے پاس آجاؤں اور گھر والوں میں سے ایک آدمی میں بھی بن جاؤں تو ان کے ساتھ گذرے گی۔ مجھ پر بھی گذر جائے گی تو میں اس طرح بھی کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ چاہیں تو میں بنی عمرو بن عوف کا انتظار کروں پھر ان کے ساتھ مل کر مدافعت کروں"۔

تو ابو حبیبہ نے کہا میں حضرت عثمان کے پاس آیا۔ آپ ایک کرسی پر (باقی برص ۲۲۷)

اور حضرت ابوہریرہ نے آپ سے عرض کیا۔ آپ کے ہمراہ ہو کر ان بلوائیوں سے جنگ کرنے پر آج دل مطمئن ہے"۔ تو آپ نے فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ"۔[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۶) ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ کے سامنے کچھ چادریں پڑی ہوئی تھیں اور لگا رہیں پانی ابل رہا تھا اور گھر میں اس وقت حسن بن علی۔ ابن عمر۔ ابوہریرہ سعید بن عاص۔ مروان بن حکم۔ عبدالرحمن بن زبیر تھے۔

میں نے حضرت زبیر کا پیغام پہنچایا تو آپ نے کہا اللہ اکبر سب تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے میرے بھائی کو بچایا۔ آپ ان سے کہیں "اگر آپ گھر میں آجائیں گے تو دوسرے مہاجروں کی آپ بھی ایک مہاجر ہوں گے اور آپ کی حیثیت ایک آدمی کی حیثیت ہوگی اور آپ ایک آدمی کا سا کام کر سکیں گے۔ آپ بنی عمرو بن عوف کے وعدہ کا انتظار کریں۔ ممکن ہے اللہ تعالے آپ سے میری مدافعت کرائے"۔ تو حضرت ابوہریرہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "اے لوگو! میرے کانوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرما رہے تھے "میرے بعد فتنے اور حادثے ہوں گے"۔ میں نے پوچھا "اے اللہ کے رسول! ان سے نجات کس طرح ملے گی"۔ تو آپ نے فرمایا۔ "امیر اور اس کے لشکر کی وجہ سے" اور حضرت عثمان کی طرف اشارہ کیا"۔

تو لوگوں نے عرض کیا "آپ ہمیں لڑائی کی اجازت فرمائیں ہم پر دلائل واضح ہو چکے ہیں" تو حضرت عثمان نے فرمایا "جو آدمی میری اطاعت کرنا واجب سمجھتا ہے میں اسے حکم دیتا ہوں کہ لڑائی نہ کرے"۔ ابو حبیبہ نے کہا بنی عمرو بن عوف کے آنے سے پہلے بلوائیوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا۔

بنو عمرو بن عوف خزرج کی ایک بہت بڑی شاخ تھی اور خزرج مدینہ کے دو قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔ آنحضرت جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو انہی کے ہاں تین دن تک مہمان رہے اور اس کے بعد بنو نجار کی طرف منتقل ہو گئے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہ بیان تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۲۹ میں ہے ۱۲

اور سب سے آخری آدمی جو حضرت عثمان کے پاس سے باہر آئے،۵
حضرت حسن بن علی تھے۔ حضرت حسن حسین۔ عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن زبیر اور
مروان آپ کے پاس آئے تو حضرت عثمان نے ان کو قسم دی کہ "اپنے ہتھیار
رکھ دو اور باہر چلے جاؤ اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہو"۔
تو عبد اللہ بن زبیر اور مروان نے کہا ہم قسم کھا کر آئے ہیں کہ یہاں سے نہیں
جائیں گے تو صحیح قول کے مطابق حضرت عثمان نے دروازہ کھول دیا اور بلوائی
اندر داخل ہو گئے[۱]۔ پھر آپ کو ایک سیاہ آدمی[۲] نے شہید کر دیا۔
اور کہا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے آپ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کنانہ نے آپ کو
ذبح کر ڈالا[۳] اور کہا جاتا ہے کہ حمار نامی ایک مصری آدمی نے آپ کو شہید کیا۔

---

[۱] اس خبر کا اصل تاریخ طبری ج۵ ص۱۲۲ میں سیف بن عمرو تمیمی کی روایت سے ہے ۱۲
[۲] مطبوعہ جزائر میں اسی طرح ہے لیکن تاریخ طبری ج۵ ص۱۲۵ میں "سیاہ موت" کے الفاظ ہیں
اور تاریخ طبری جن اصولوں پر طبع ہوئی ہے وہ ہماری جزائر کتاب کے اصولوں سے زیادہ
صحیح ہیں اور یہ ثابت ہے کہ "ابن سبا" مصری بلوائیوں کے ساتھ فسطاط سے مدینہ کی طرف آیا
تھا (طبری ج۵ ص۱۰۴) اور وہ اس پورے دور میں سب سے زیادہ حریص تھا کہ خلافت پر
اس کا قبضہ ہو جائے اور "موت اسود" اس کا مستعار نام ہے اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ اسلام
کو برباد کرنے کے لیے اس کی فریب کاریاں ہمیشہ جاری رہیں گی ۱۲
[۳] یہ کنانہ بن بشر بن عتاب تجیبی ہے یہ مصر کی چار جماعتوں میں سے ایک کا امیر تھا۔ یہ ان
لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت عمار بن یاسر کو سبائی بنانے کی کوشش کی۔ سب سے
پہلے مٹی کے تیل کا شعلہ لے کر حضرت عثمان کے مکان کا دروازہ جلانے کے لیے یہی داخل
ہوا تھا اور اسی نے سب سے پہلے اپنی تلوار کھینچی کہ اسے امیر المومنین کے پیٹ میں بھونک
دے تو امیر المومنین کو ان کی بیوی نائلہ نے بچانے کی کوشش کی تو ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر
اس نے آپ کے سینہ پر تلوار رکھ کر دبائی۔ پھر اس تجیبی کا انجام بھی قتل ہوا (باقی بر ص۲۲۹)

پھر حضرت عثمان کے خون کے قطرات قرآن مجید کے ان الفاظ پر گرے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ اور وہ خون کے قطرے آج تک موجود ہیں ان کو صاف نہیں کیا گیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲۵) وہ نہایت ذلت کی حالت میں اس معرکہ میں مارا گیا جو مصر میں محمد بن ابی بکر اور عمرو بن عاص کے درمیان ۳۸ھ میں ہوا نیز اثری مطبوعہ میں کنانہ کی بجائے نعمان کا نام آیا ہے لیکن جزائری نسخہ میں بیشمار اغلاط ہیں ۱۲

۲۲۶ جن لوگوں نے حضرت عثمان کے قتل کے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ان میں حمارہ کا نام تاریخ کی کتابوں میں نہیں تھا۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کاتب نے حمران یا حمق کے نام کو حمارہ لکھ دیا ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

ھ مصحف عثمانی یعنی خون آلود مصحف شہادت عثمان کے بعد خلفائے بنو امیہ کے پاس رہا تھا۔

ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری میں یہ مصحف بصرہ میں دیکھا کیونکہ سقوط خلافت بنو امیہ کے بعد یہ مصحف عباسیوں کے پاس آگیا تھا۔

اور امیر تیمور کے بعد یہ مصحف حضرت عبداللہ کے مزار پر رکھ دیا گیا تھا۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے بعد یہ مصحف روسی حکومت کے ہاتھ آگیا تھا جو اب تک ماسکو میں محفوظ ہے۔

۱۹۶۵ء میں جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان روس کے دورہ پر گیا تو اسی مصحف کی فوٹو کاپی کا تحفہ دیا گیا جو آج بھی کراچی کے دار القرآن میں بطور زیارت گاہ موجود ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت کا قرآن وہی ہے جس کو مصحف عثمانی کہا جاتا ہے اور حضرت علی کا مصحف بھی بالکل اسی طرح کا ہے چنانچہ مصحف علی رض کا ایک نسخہ مشہد میں اب بھی موجود ہے۔ دوسرا نسخہ جامعہ ایا صوفیہ کے کتب خانہ میں تھا جس کو سلطان صلاح الدین نے محفوظ کرا دیا تھا۔ تیسرا مدینہ منورہ (باقی نمبر ۲۳ صفحہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے کوڑے کی وجہ سے ناراض ہوئی اور حضرت عثمان کے لیے کیا تلوار سے بھی ناراض نہ ہوں؟ تم اس سے عہد لیتے رہے جب تم نے اسے خالص گھانڈ کی طرح پایا اور برتن کی صفائی کی طرح اس کی صفائی کر لی اور صاف اور سفید کپڑے کی طرح اس کو صاف دیکھ لیا تو پھر تم نے اس کو شہید کر ڈالا۔[۱]

مسروق[۲] نے کہا میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا۔ یہ آپ ہی کا تو عمل ہے

(بقیہ حاشیہ ۲۲۹) کی امانات مقدسہ میں تھا۔ وہاں سے ۱۹۱۸ء میں قسطنطنیہ میں منتقل کیا گیا جو اب بھی وہاں موجود ہے۔ چوتھا نسخہ جامعہ سیدنا حسین واقعہ قاہرہ میں آج بھی موجود ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان بلکہ تمام صحابہ کے پاس قرآن ہی تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آج تک وہ ہمارے ہاتھوں میں اسی طرح محفوظ آرہا ہے۔

آج جو لوگ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن تبدیل ہو گیا ہے اور جو قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا یہ قرآن وہ نہیں ہے وہ لوگ غلط کار ہیں اور یہ وہ معجزہ ہے جس کا قرآن میں اللہ تعالے نے محافظت کا ذمہ لیا ہوا ہے اور وہ معجزہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں اسی طرح محفوظ ہے۔ والحمد للہ علی ذالک (خالد گھرجاکھی)

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ الفاظ اس وقت کہے جب وہ حج کر کے مدینہ منورہ واپس آئیں۔ تو آتے ہی آپ کے پاس لوگ جمع ہو گئے اور حضرت عائشہ نے ان کو ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور یہ جملے آپ نے اپنے خطبہ کے آخر میں فرمائے (طبری ج۵ ص۱۶۵-۱۶۶)

۲؎ آپ ائمہ تابعین میں سے ہیں ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ یہی تھے جنہوں نے جنگ جمل کے دن حضرت عمار سے کوفہ میں کہا تھا "اے ابو الیقظان! تم نے حضرت عثمان کو کس بنا پر قتل کیا؟" تو انہوں نے کہا "وہ ہمیں گالیاں دیتے تھے اور ہمارے مونہوں پر مارتے تھے۔" تو مسروق نے کہا "خدا کی قسم تم نے اپنی تکلیف کے مطابق بدلہ نہ لیا یعنی بہت زیادہ ظلم کیا اور اگر تم صبر کرتے تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر تھا (طبری ج۵ ص۱۸۷)

آپ نے بلوائیوں کو لکھا اور حضرت عثمان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا ان کو حکم دیا" تو حضرت عائشہ نے فرمایا "مجھے اس اللہ کی قسم جس پر مومن ایمان لائے اور کافروں نے اس کا انکار کیا میں نے ان کی طرف کوئی خط نہیں لکھا" اعمش نے کہا بلوائی یہی سمجھتے تھے کہ یہ خط حضرت عائشہ کی طرف سے آیا ہے[1]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کو شہید کرنے والے صرف مصر کے غلام ہی تھے۔

قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اس باب میں جو بیان کیا گیا ہے یہ اس میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے (اور اصل مسئلہ یہی ہے کہ حق کی پیروی کی جائے) کہ کسی صحابی نے بھی حضرت عثمان کے خلاف کوئی کوشش نہیں کی اور نہ آپ کی مدد کرنے سے کوئی پیچھے رہا۔ اگر حضرت عثمان مدد لینا پسند کرتے تو چار ہزار مسافر آدمی کبھی بھی بیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ شہریوں پر غالب نہ آ سکتے تھے لیکن حضرت عثمان نے اپنے آپ کو خود مصیبت میں مبتلا کیا۔[2]

---

[1] جیسا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان کے نام سے جعلی خط تیار کیے گئے حضرت عائشہ کے نام سے بھی جعلی خط لکھا گیا ۱۲

[2] اس لیے کہ آپ نے دو مصیبتوں میں سے ہلکی مصیبت کو اختیار کیا۔ انہوں نے اپنی قربانی دے دی اور فتنے کا دائرہ عام نہ ہونے دیا اور نہ مسلمانوں کا خون گرنے دیا۔ اور حضرت عثمان نے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو امت کے فدیے میں قربان کر دیا اور پھر ہم میں سے اکثر نے ان کو اچھی جزا نہ دی۔

اگر کوئی مجبوری کی حالت میں بھی یورپین اپنی جان دیتا ہے تو یورپین لوگ ایسے آدمی کی پوجا کرتے ہیں ۱۲ اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۱۲

اگر کسی آدمی کے لیے ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ اپنے آپ کو قاتلوں کے سپرد کر دے یا ان کے خلاف مدد لے کر مقابلہ کرے؟[1]

اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں فتویٰ دیا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دے اور فتنہ کے وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت بھی یہی ہے۔[2]

---

[1] اسلام کی سیاست اس معاملہ میں یہ ہے کہ وہ راہ اختیار کرے جس میں برائی کم ہو اور تکلیف ہلکی ہو۔ اگر نیکی کی طاقت زیادہ ہو جس سے برائی کا قلع قمع ہو جائے اور اس کا دائرہ تنگ ہو سکتا ہو تو اسلام بلا تردد طاقت استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اگر ایسی صورت نہ ہو جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہے تو اسلام اسی روش کو پسند کرتا ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ اللہ ان کے مقام کو جنت الفردوس میں بلند کرے"

[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب المناقب اور کتاب الفتن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عنقریب فتنے اٹھیں گے ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے۔ اور جو شخص فتنے کی طرف مائل ہوگا وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور جسے کوئی پناہ کی جگہ مل سکے اسے پناہ گاہ میں چلے جانا چاہیے"۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں واقعۂ جمل سے پہلے یہ اعلان کیا کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اور پھر یہ فتنے والی حدیث بیان کی (طبری ص ۱۸۸ ج ۵) ۱۲ اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم اجمعین ۱۲

قاضی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں فیصلے کیے اور نماز اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لوگوں پر لازم کر دیے۔ یہاں تک کہ میرے علاقہ میں کوئی برائی نہ رہی تو یہ غصب کرنے والوں کے لیے بڑی مصیبت تھی اور فاسقوں کے لیے بہت بڑا عذاب تو وہ میرے تکلیف پہنچانے پر سب متفق ہو گئے اور مجھ پر چڑھ آئے تو میں نے اللہ کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور میں نے اپنے ماحول کے آدمیوں سے کہا کہ آپ میری مدافعت نہ کریں اور میں اپنے مکان کی چھت پر خود چڑھ آیا تو انہوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ اور مجھے مکان پر سے اچک لیا۔ مکان مجھ سے چھین لیا گیا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر میں میری زندگی ابھی باقی نہ ہوتی تو میں بھی اپنے گھر میں مارا جاتا۔

اور مجھے اس رویہ پر تین چیزوں نے آمادہ کیا ایک تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو پہلے گذر چکی ہے[۲]۔ اور دوسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی اور تیسری یہ بات کہ لوگ میرے متعلق بری باتیں نہ کہیں کہ جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی باوجود تائید وحی کے احتراز کیا[۳]۔ کہ جو لوگ میرے پاس موجود نہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو یہاں موجود ہیں اور میرے حاسد ہیں وہ کہیں گے کہ لوگ اس کے پاس فریاد لے کر گئے اور اس نے ان کو قتل کرا دیا۔

---

[۱] اس حادثہ کے متعلق ہم اس کتاب کے شروع میں قاضی ابوبکر کے ترجمہ میں اشارہ کر چکے ہیں ۱۲

[۲] یعنی وہی حدیث جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ سے اور طبری نے ابوموسیٰ اشعری سے فتنہ کے متعلق روایت کیا ہے جو ابھی گذر چکی ہے ۱۲

[۳] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب غزوہ بنی مصطلق میں عبداللہ بن ابی نے کہا کہ جب ہم مدینہ جائیں گے تو عزت والا ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا۔ تو حضرت عمرؓ نے اسکو قتل کر دینا چاہا تو آنحضرت نے عمر کو منع کر دیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں ۱۲

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سارا معاملہ ایک سنت ہے۔ ایک پسندیدہ سیرت ہے۔ یہ تو یقین تھا کہ آپ قتل کیے جائیں گے۔ کیونکہ صادق المصدوق نے ان کے متعلق خبر دے رکھی تھی اور آپ کو اس مصیبت پر جنت کی خوشخبری سنائی تھی اور یہ کہ آپ شہید ہوں گے۔[۱]

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان سے کہا "اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کروں اور یا پھر آج کی رات آپ روزہ ہمارے ہاں افطار کریں گے۔"[۲]

اب جاہل اور مردود لوگ یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ تمام اکابر صحابہ بلوائیوں کو بھڑکانے اور جمع کرنے میں شامل تھے اور جو کچھ حضرت عثمان پر گذری اس پر خوش تھے اور اس پر کتابیں لکھی گئیں جن میں اس چیز کی وضاحت ہے اور حضرت

---

[۱] یہ تمام خوشخبریاں اسی کتاب میں پہلے بیان ہو چکی ہیں ۱۲

[۲] اس روایت کو البدایہ والنہایہ نے ابن ابی الدنیا سے عبد اللہ بن سلام کی روایت سے اور بلاذری نے انساب الاشراف ج ۵ ص ۹۲ میں اور امام احمد نے اپنی مسند حدیث نمبر ۵۲۶ اور مسلم نے ابو سعید مولے حضرت عثمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے بیس غلام آزاد کیے اور شلوار منگا کر پہنی حالانکہ اس سے پہلے آپ نے کبھی شلوار نہ پہنی تھی۔ نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں اور پھر کہا میں نے آج رات خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے "صبر کرنا۔ تم آئندہ شام کو روزہ ہمارے پاس آکر افطار کرو گے"۔ پھر آپ نے قرآن مجید منگایا اور کھول کر پڑھنے لگے اور وہ اسی حالت میں شہید ہوئے"۔ امام احمد نے اس کو حضرت عثمان کی بیوی نائلہ سے بھی روایت کیا ہے اور البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۸۲ میں یہ حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کے اور بھی متعدد طرق ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو طبری ج ۵ ص ۱۲۵ ۱۲

عثمان کے خلاف خطوط لکھے گئے ہیں اور حضرت علی کی طرف ان کو منسوب کیا گیا ہے اور یہ سب مصنوعی چیزیں ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور سلف صالحین کے متعلق مسلمانوں کے دلوں کو گرم کریں[1]۔

قاضی ابوبکر کہتا ہے کہ جو کچھ چھان پھٹک کے بعد معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان مظلوم ہیں اور بغیر دلیل کے ان کو ملزم ٹھہرایا گیا ہے[2]۔ اور تمام صحابہ آپ کا خون بہانے سے بری ہیں کیونکہ وہ تو آپ کی حفاظت کرنے کے لیے آتے رہے لیکن بالآخر آپ کی رائے کے سامنے مجبور ہو گئے کہ وہ اپنے آپ کو بلوائیوں کے سپرد کرنے پر بضد تھے۔

پہلی روایات کے علاوہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت عثمان سے عرض کیا میں بھی آپ کے ساتھ گھر میں رہوں گا میرے ساتھ عقلمند

---

[1] یہ کتابیں خود ساختہ اور مصنوعی ہیں اور ان کی روایات یا تو مبالغہ آمیز ہیں یا بالکل جھوٹی اور پھر یہ روایات ادبی کتب اور تاریخی دفتروں میں آگئی ہیں۔ ان کے حق اور باطل اور سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ مسند اخبار کے سوا کوئی خبر قبول نہیں کرتے اور پھر انکے اسماء کو ان کے اشخاص پر پیش کرتے ہیں تو صادق اور ثقہ لوگوں کی روایت کو قبول کر لیتے ہیں اور جھوٹے لوگوں کی روایات ان کے منہ پر مار دیتے ہیں اور دوسرا طریقہ علمائے تاریخ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اخبار کو ان اشخاص کے حالات کے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ ان کی سیرت سے مقابلہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ایسے اشخاص سے ان کا صدور ممکن ہے یا نہیں اور ہماری تاریخ ان دونوں طریقوں سے چھان پھٹک کی محتاج ہے اور یہ ان علماء کا کام ہے جو ان دونوں طریقوں میں مہارت رکھتے ہیں ۱۲

[2] جیسا کہ اس کتاب میں یقینی اسناد کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید دیکھنا ہو تو امام ابوبکر باقلانی کی کتاب "التمہید" صفحہ ۲۱۰-۲۲۷ دیکھیں ۱۲

لوگوں کی ایک جماعت ہے۔ خداوند تعالےٰ ان تھوڑے آدمیوں سے بھی ہماری مدد فرمائیں گے آپ ہمیں اجازت دے دیں"۔ تو حضرت عثمان نے کہا "میں ہر اس آدمی کو خوف خدا کی تلقین کرتا ہوں جو میرے لیے اپنا یا کسی اور کا خون بہائے"

سلیط بن ابی سلیط نے کہا "ہم کو حضرت عثمان نے لڑائی کرنے سے روک دیا تھا۔ اگر وہ ہمیں اجازت دے دیتے تو ہم ان کو مار مار کر مدینہ کے اطراف سے نکال دیتے"[۲]

اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے کہا میں حضرت عثمان کے ساتھ گھر میں موجود تھا۔ آپ نے کہا "میں ہر اس آدمی کو خدا کی قسم دے کر حکم دیتا ہوں جو میری اطاعت کو اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور اسلحہ اور

---

[۱] جب بیت اللہ شریف کا حج کر کے مدینہ واپس آنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی صحابی آئے اس وقت حضرت عثمان ابھی زندہ تھے اور حضرت عثمان کے دروازہ پر بلوائی جمع ہو رہے تھے یہ گھر میں داخل ہو کر دروازہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور کہا "اگر ہم نے بیٹھے جی اپنی ہمت کے مطابق آپ کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا اور پھر سب سے پہلے باغیوں کے مقابلہ میں آئے اور لڑائی کی اور شہید ہو گئے اور باغیوں کے مقابلہ کے لیے امام حسن بن علی بھی آئے وہ ان باغیوں کی بے وقوفانہ عمل کی مذمت کرتے ہوئے کہنے لگے ع

"ان کا دین میرا دین نہیں ہے اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اشم پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ جاؤں"۔

(جبل اشم ایک اونچا پہاڑ تھا اس کی چوٹی سے گرنے والا بچ نہ سکتا تھا عرب لوگ ان الفاظ سے کنایۃً موت مراد لیتے تھے یعنی آخری دم تک میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا)

اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے صاحبزادے محمد بھی حفاظت کے لیے (باقی بر صفحہ ۲۳۷)

ہاتھوں کو روک لے[۱]۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ حسن، حسین، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر اور مروان سب کے سب ہتھیار لگا کر حضرت عثمان کے پاس گھر کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عثمان نے کہا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ اور ہتھیار اتار دو اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہو"[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶) آپ بڑے عبادت گزار تھے اور ان کا لقب سجاد مشہور ہو گیا تھا) اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ع

"میں اس کا بیٹا ہوں جس نے احد کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اور کفار کی تیاریوں کے باوجود ان کو ذلیل کر کے واپس کیا (دیکھو طبری ۵ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹)

[۲] اس کو حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب (صفحہ ۲/ ۱۱۸-۱۱۹ اصابہ کا حاشیہ) میں سلیطی کی روایت سے بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے مختصراً اصابہ صفحہ ۲/ ۲۲ میں روایت کیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] طبری صفحہ ۵/ ۱۳۷ میں ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عباس کو بلا کر فرمایا: "آپ اس سال امیر الحج ہو کر چلے جائیں"۔ تو ابن عباس نے عرض کیا "اے امیر المومنین خدا کی قسم ان باغیوں سے جہاد کرنا مجھے نفلی حج سے زیادہ محبوب ہے"۔ تو حضرت عثمان نے ان کو قسم دے کر کہا کہ "تم ضرور چلے جاؤ"۔ چنانچہ آپ اس سال امیر الحج ہو کر چلے گئے۔

[۲] حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ۷/ ۱۸۱ میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ ذی قعدہ کی آخری تاریخوں سے شروع ہو کر ۱۸ ذی الحجہ بروز جمعہ تک چلا گیا۔ آپ نے اپنی شہادت سے ایک روز قبل ان لوگوں سے فرمایا جو مہاجرین اور انصار میں سے آپ کے پاس تھے (اور ان کی نفری اندازاً سات سو تک تھی۔ ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور حسن و حسین اور مروان اور ابو ہریرہ بھی تھے اور آپ کے غلاموں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔ اگر آپ ان لوگوں کو اجازت دے دیتے تو یہ تحقیق بلوائیوں (باقی برصفحہ ۲۳۸)

پھر جب اللہ کا لکھا پورا ہو گیا اور خدا کی تقدیر نافذ ہو گئی تو سب کو معلوم ہونے لگا کہ لوگوں کو بے امام نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اب خلقت کسی ایسے خلیفہ کی محتاج ہے جسکی نظر دور رس ہو اور وہ اس کی اطاعت کریں اور پھر تین خلیفوں کے بعد چوتھے خلیفہ جیسا قدر و منزلت، دین اور پرہیز گاری میں اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور اگر حضرت علی کی بیعت جلدی سے نہ کر لی جاتی تو اوباش لوگ اتنا بگاڑ پیدا کر دیتے جس کو درست نہ کیا جا سکتا اور اس قدر پھاڑ دیتے جس کو سیا نہ جا سکتا۔ پھر مہاجرین اور انصار نے حضرت علی کو مجبور کیا اور کہا کہ اس وقت امت کو سنبھالنا آپ پر فرض ہے تو مجبوراً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷) کا مقابلہ کر سکتے تھے) "میں ہر اس آدمی کو حکم دیتا ہوں جو میری اطاعت اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے کہ اپنے ہاتھ کو روک لے اور اپنے گھر چلا جائے"۔

اور پھر اپنے غلاموں سے فرمایا:

"جو آدمی اپنی تلوار میان میں ڈال لے وہ آزاد ہے"۔

تو مکان کے اندر مزاحمت سرد پڑ گئی اور باہر جنگ گرم ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جس میں شیطان کی آرزو ہوئی۔ اس حادثۂ فاجعہ اور عظیم مصیبت کا اثر اگر دیکھنا ہو تو اس روایت کو دیکھو جسے بلاذری نے "انساب الاشراف" صفحہ ۱۰۳/۵ میں حضرت حسن سے باسند نقل کیا ہے کہ۔

"ایک روز حضرت علی اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ ان کی بیٹیاں رو رہی ہیں اور اپنے آنسو پونچھ رہی ہیں تو آپ نے فرمایا۔

"کیا بات ہے کیوں روتی ہو؟"

تو انہوں نے جواب دیا "ہم حضرت عثمان کی شہادت یاد کر کے رو رہی ہیں"۔

تو حضرت علی بھی رونے لگے اور فرمایا۔

"روؤ۔ واقعی یہ رونے کی بات ہے"۔

حضرت علی رضامند ہو گئے[1]

[1] طبری ج ۵ ص۱۵۵ میں سیف بن عمرو تمیمی اپنے اساتذہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد پانچ دن تک مدینہ غافقی بن حرب کے قبضہ میں رہا۔ لوگ کسی ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جو خلافت کو سنبھالے لیکن کوئی آدمی ایسا نہ ملتا تھا۔ مصری لوگ حضرت علی کے پاس آتے۔ تو وہ ان سے روپوش ہو جاتے اور مدینہ کے باغوں میں جا چھپتے اور اگر کبھی ان سے میل ملاقات ہوتی تو ان سے بیزاری کا اظہار کرتے اور فرماتے "یہاں سے چلے جاؤ"۔

اور کوفی لوگ حضرت زبیر کو تلاش کرتے پھرتے تھے اور وہ ان کو نہ ملتے۔ وہ جہاں چھپے ہوئے تھے وہاں اپنا ایلچی بھیجتے تو وہ ان سے کہتے چلے جاؤ اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے۔

اور بصری لوگ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے پیچھے پھر رہے تھے وہ ان کو باہر نکال دیتے اور ان کی گفتگو کا جواب تک نہ دیتے۔

پھر ان لوگوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس آدمی بھیجے اور کہا۔ "آپ اہل شوریٰ سے ہیں اور آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو خلیفہ کے لیے درکار ہیں آپ آگے آئیں ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں"۔ تو انہوں نے جواب دیا "میں اور عبد اللہ بن عمر تو اس سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اب اس کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے"

پھر یہ عبد اللہ بن عمر کے پاس آئے اور کہا۔ "آپ حضرت عمر کے صاحبزادے ہیں آپ خلافت کو قبول فرمائیں" تو انہوں نے کہا۔ اب خلافت کے انتظام کا وقت ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے لیے پیش نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ کسی اور کو تلاش کرو"۔

طبری نے (ص۱۵۶ ج ۵) شعبی سے روایت کیا ہے کہ لوگ حضرت علی کے پاس آئے اور وہ اس وقت مدینہ کے بازار میں تھے اور کہا کہ "آگے بڑھائیں ہم بیعت کریں[illegible]" ہاتھ بڑھائیں ہم (باقی بر صفحہ ۲۴۰)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۹)

آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں"۔ تو انہوں نے کہا "جلدی نہ کرو! حضرت عمر ایک قابل اور مبارک آدمی تھے اور انہوں نے بھی مجلس شوریٰ منعقد کی تھی۔ اب لوگوں کو اکٹھا ہو کر مشورہ کر لینے دو"۔

تو پھر لوگ حضرت علی کے پاس سے واپس آ گئے۔ پھر بعض لوگوں نے کہا "اگر حضرت عثمان کو شہید کر کے لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے اور کوئی خلیفہ مقرر نہ ہوا تو لوگوں میں فساد اور اختلاف ضرور پیدا ہو گا۔ چنانچہ پھر لوگ حضرت علی کے پاس آئے تو اشتر نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علی نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کیا تین کے بعد اب میری باری ہے؟ خدا کی قسم اس ہاتھ کو چھوڑ دے ورنہ تیری آنکھیں پھوڑ دوں گا"۔

پھر اس کے بعد دوسرے لوگوں نے حضرت علی کی بیعت کی۔ اہل کوفہ کہتے تھے کہ سب سے پہلے اشتر نے بیعت کی ہے۔ سیف تمیمی نے ابو حارثہ محرز عبشمی اور ابو عثمان یزید غسانی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان کو شہید ہوئے پانچواں روز تھا تو مدینہ والے اکٹھے ہوئے۔ سعد اور زبیر تو مدینہ سے باہر چلے گئے تھے البتہ طلحہ اپنے باغ میں ملے۔ جب لوگ ان کے پاس اکٹھے ہوئے تو مصریوں نے ان سے کہا "تم اہل شوریٰ ہو اور امامت کا انعقاد تم ہی سے تعلق رکھتا ہے اور آپ کا فیصلہ امت پر نافذ ہوتا ہے تم کسی آدمی کو منتخب کر دو ہم تمہارا ساتھ دیں گے"۔

تو سب نے کہا "ہم تو علی بن ابو طالب پر خوش ہیں"۔ تو حضرت علی نے کہا "مجھے چھوڑ کر کوئی اور آدمی تلاش کرو"۔ تو لوگوں نے کہا "آپ کو خدا کا واسطہ کیا آپ فتنہ کو نہیں دیکھ رہے ہیں کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے"؟ تو آپ نے فرمایا "اگر میں خلافت قبول کروں گا تو اپنی معلومات کے مطابق میں تم سے معاملہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں بھی تم جیسا ایک آدمی بن کر رہوں گا۔ اتنا فرق ضرور ہو گا کہ جس کو تم خلیفہ بناؤ گے میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری تم سے زیادہ کروں گا"۔ انہی باتوں پر مجلس برخاست ہو گئی اور معاملہ کل پر ملتوی ہو گیا (یعنی جمعہ کے دن پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۰)

دوسرے روز جمعہ کے دن لوگ مسجد میں اکٹھے ہوئے اور حضرت علی آئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا "اے تمام لوگو! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ کل ہم نے مل کر ایک فیصلہ کیا تھا (یعنی تم نے مجھے خلافت کی پیشکش کی تھی) اب اگر تم چاہو تو میں اس پر رضامند ہوں اور اگر نہ چاہو تو میں کسی کو مجبور نہیں کرنا چاہتا"۔ تو سب نے جواب دیا "ہم کل والی بات پر بالکل رضامند ہیں"۔

یہ سب واقعات اپنی پوری تفصیل کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی کی بیعت بھی بالکل اسی طرح ہوئی تھی جیسے دوسرے خلفاء کی ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کی خلافت امت کی رضامندی سے قائم ہوئی تھی کسی سابقہ وصیت کی بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ بات بنا رکھی ہے ۱۲

ص حضرت علی کی خلافت کا انعقاد:۔ اگرچہ امت میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت علی کی خلافت منعقد ہوئی یا نہیں جس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بالتفصیل کیا ہے۔ لیکن اکثر اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ حضرت علی کی خلافت منعقد ہو گئی تھی۔ کیونکہ خلافت میں اصل بات انتظامی امور اور حدود الٰہی کا نفاذ ہے۔ اگر کوئی شخص آمرانہ طور پر غیر آئینی طریقوں سے بھی مملکت کا سربراہ اور بادشاہ بننے کے بعد اسلامی قانون نافذ کر دے تو بھی اس کی اطاعت کرنا فرض ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نہایت دیانتداری سے جمہوری طریقہ سے منتخب ہو کر سربراہ مملکت بنے لیکن کوئی قانون اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف نافذ کرے تو اس کی مخالفت کرنا فرض ہو جاتی ہے۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی انسان کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اگرچہ تمام صحابہ نے بیعت نہ کی بلکہ بہت (باقی بر ۲۴۲)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۱)

بڑی اکثریت کنارہ کش ہو گئی کیونکہ بیعت کرنے میں پیش پیش باغی گروہ تھا۔ حالانکہ حضرت نے بھی بلکہ حضرت طلحہ اور زبیر تینوں نے خلافت کی بیعت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر بامر مجبوری حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت کی بہتری کے لیے بیعت قبول کر لی۔ کیونکہ غافقی جو کہ باغیوں کی طرف سے مدینہ پر مسلط تھا اور پانچ دن تک مدینہ والوں پر اس نے حکم چلایا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ اگر ہم سے بیعت قبول نہ کی گئی تو ہم قتل عام شروع کر دیں گے۔ اس سے متاثر ہو کر حضرت علی نے ان کی بیعت قبول کر لی۔

میں کہتا ہوں کہ ایسے حالات میں جبکہ مدینہ منورہ پر باغی مسلط تھے۔ اگر حضرت علی سے کوئی بھی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ نہ کرتا بلکہ خود بخود آگے بڑھ کر امت کی سربراہی قبول فرما لیتے۔ تاکہ امت میں امن وسکون کی زندگی عود کر آئے تو بھی ان کی خلافت درست ہو جاتی۔ کیونکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ امت سے باغیوں کا فساد ختم ہو جائے۔

اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت علی نے خلافت تو قبول کر لی لیکن وہ مملکت کے انتظامات درست نہ کر سکے نہ ہی آپ امت کو جمع کر سکے اور نہ ہی قاتلین عثمان سے قصاص لے سکے۔ تو اس معاملہ میں حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کو آخر وقت تک اس چیز کا اقرار رہا کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے لیکن چونکہ صحیح تسلط نہ ہو سکا اس لیے حضرت علی مجبور تھے کہ اس معاملہ کو پیچھے ڈال دیں اور اگر جنگ جمل سے پہلے جو قعقاع حضرت قعقاع اور دوسرے صحابہ کرام کی کوشش سے پیدا ہوئی۔ اگر باغی لوگ اس کو خراب نہ کر دیتے تو بہت جلد باغیوں سے قصاص لیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ باغیوں نے علی الاعلان کہا کہ صلح ہوئی ہے اور ہمارے خون پر صلح ہوئی ہے جس کا توڑ انہوں نے یہ سوچا کہ ان کو آپس میں لڑا دیا جائے تب ہی بچ سکتے ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ان اختلافی مسائل کے لیے میری کتاب سیرۃ الاخوین دیکھیں (خالد گھرجاکھی)

سب سے پہلے حضرت علی کے ہاتھ پر حضرت طلحہ نے بیعت کی تو لوگوں نے کہا "علی کی بیعت ایک ٹنجے ہاتھ نے کی ہے۔ خدا کی قسم یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی"۔

اگر یہ کہا جائے کہ طلحہ اور زبیر نے مجبور ہو کر بیعت کی تھی تو ہم کہیں گے۔ قطعاً غلط ہے ان کو ہرگز مجبور نہیں کیا گیا۔ بلکہ اور کسی کو بھی مجبور نہیں کیا گیا اور اگر بفرض محال ان کو مجبور بھی کیا جاتا تو اس کا کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ جب ایک یا دو آدمی کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو بیعت پوری ہو جاتی ہے اور جو ان کے بعد بیعت کرنے والے ہیں ان کے لیے بیعت لازم ہو جاتی ہے اور شرعاً انہیں مجبور بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی بیعت کرتے تو نہ ان پر اس کا کچھ اثر ہوتا اور نہ خلیفہ[1] کی بیعت پر (یعنی بیعت پوری تھی)

اور جس نے یہ کہا کہ "ٹنجے ہاتھ نے پہلے بیعت کی ہے لہذا یہ کامیاب نہ ہو گی"۔ یہ صرف کہنے والے کا گمان ہے کہ حضرت طلحہ نے پہلے بیعت کی تھی، حالانکہ ایسا نہیں تھا[2]۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طلحہ کا یہ قول ہے کہ "جب میں نے بیعت کی اس وقت تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی"۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ بات ان

۱؎ قاضی ابوبکر ابن العربی یہاں بیعت کے متعلق شرعی حکم بتا رہے ہیں اپنی رائے پیش نہیں کر رہے ہیں اور ابوبکر باقلانی نے "تمہید" ص۲۳۱ میں اس پر نہایت ہی نفیس بحث کی ہے ۱۲

۲؎ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوفیوں کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے اشتر نے بیعت کی تھی اور اگر بیعت میں سب سے پہلا ہاتھ حضرت طلحہ کا ہوتا تو بہت بابرکت ہوتا کیونکہ اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی اور شل ہوا تھا اور اشتر کا ہاتھ شہید اعظم مبشر بالجنۃ کے خون سے رنگین تھا ۱۲

آدمی نے بنائی ہے جو "قفا" کی جگہ "قفیّ"[1] بولتا ہے جیسا کہ "ہوی" کی جگہ "ہویّ" بولا جاتا ہے تو یہ بنو ہذیل کی لغت ہے قریش کی لغت نہیں[2]۔ تو اس کے بنانے والے نے لغت پر بھی غور نہ کیا۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "یہ لنجا ہاتھ ہے"۔ اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو بھی اس کا اس خلافت سے کیا تعلق؟ پھر یہ ہاتھ بھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے شل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے سارے کام پورے ہوتے اور ہر ایک برائی سے حفاظت ہوتی[3]۔

---

[1] یعنی تلوار میری گردن پر تھی تاکہ مرعوب کر کے حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کی بیعت لی جائے ۱۲

[2] بلکہ یہ قریش کی لغت سے نا ممکن ہے اور یہ ہذیل کا لہجہ ہے ابن اثیر نے نہایہ میں مادہ "لجج" کے تحت لکھا ہے کہ یہ بنو طے کی لغت ہے وہ یائے متکلم کو مشدد پڑھتے ہیں ۱۲

[3] حضرت طلحہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اُحد کے دن موت کی بیعت کی تھی (جب کہ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے) تو یہ لوگ اپنی جگہ کھڑے رہے اور صبر کیا۔ مالک بن زہیر جشمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر تیر پھینکا اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا، تو حضرت طلحہ نے اپنا ہاتھ آگے کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ آپ کی چھنگلیا کٹ گئی اور ہاتھ شل ہو گیا۔

بنو عامر میں سے ایک آدمی کمیت گھوڑے پر سوار نیزہ تانے آیا اور کہا "میں ابو ذات الودع ہوں۔ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں"۔ تو حضرت طلحہ نے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ گر پڑا پھر ابن طلحہ نے اس کا نیزہ پکڑ کر اس کی آنکھ میں مار دیا تو وہ اس طرح ڈکرایا جیسے بیل ذبح ہوتے وقت ڈکراتا ہے۔ حضرت طلحہ نے اس کے رخسارہ پر پاؤں رکھ دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ طلحہ کی دونوں بیٹیاں عائشہ اور ام اسحاق کہتی ہیں کہ احد کے روز ہمارے باپ کے جسم پر چوبیس زخم آئے اور آپ بے ہوش ہو ہو جاتے تھے بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۵

اور یقیناً امرِ خلافت صحیح طور پر پورا ہو گیا اور خدا کی تقدیر حضرت علی کی خلافت پر جاری ہوئی اور بدعتی لوگ اس سے جاہل رہے اور انہوں نے ایسی باتیں بنا لیں جو اُن کے خلاف حجت بن سکیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی کے ہاتھ پر اس شرط سے بیعت ہوئی کہ وہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو قتل کریں۔ تو ہم کہیں گے بیعت کی شرطیں یا یہ صحیح نہیں ہے ان لوگوں نے صرف اس شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کریں۔ اور وہ اس طرح ہے کہ خون کا مطالبہ کرنے والا حاضر ہو اور مدعیٰ علیہ کو بلایا جائے۔ پھر دعویٰ ہو اور مدعیٰ علیہ جواب دہی کرے۔ پھر گواہیاں ہوں پھر اس کے بعد فیصلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۴) حال میں بھی جب رسول اللہ کے دانت شہید ہوئے تو آپ نے رسول اللہ کو زور کر کے اوپر اٹھا لیا اور واپس آنے لگے اور جب کسی مشرک سے سامنا ہوتا تو اس سے لڑتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی میں لے آئے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب حضرت طلحہؓ کو دیکھا کرتے تو فرماتے جسے کسی زندہ شہید کو دیکھنے کی خواہش ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ (رواہ ابو نعیم)

جب احد کا تذکرہ شروع ہوتا تو حضرت ابوبکر فرمایا کرتے "یہ دن تو طلحہ کا دن تھا۔"

حضرت علی بن ابوطالب نے ایک آدمی سے سنا (اس وقت جنگ جمل ہو چکی تھی) "طلحہ کون ہے"؟ تو حضرت علی نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ تو نے احد کا دن نہیں دیکھا میں نے طلحہ کو اس دن دیکھا تھا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے اور ان کے جسم پر تلواریں برس رہی تھیں اور وہ رسول اللہ کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔

حافظ ابن عساکر نے ابن مندہ کے واسطہ سے حضرت طلحہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے احد کے دن "طلحۃ الخیر" کا لقب دیا اور غزوہ تبوک میں "طلحہ فیاض" کا اور حنین کے دن "طلحۃ الجود" کا ۱۲ رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل جنۃ الفردوس ماواہ ۱۲

سنایا جائے اور اگر قول مطلق یا فعل غیر محقق یا کوئی بات سننے سے ایک ہجوم پر دعوے کیا جائے تو دین اسلام میں یہ کوئی بات نہیں ہے[1]۔

---

[1] دیکھو باقلانی کی تمہید ص ۲۳۱۔۲۳۵۔۲۳۶ بیعت خلافت کے وقت قاتلان حضرت عثمان کے متعلق حضرت علی کی پوزیشن یہ تھی کہ ابھی تک باغی لوگ مدینہ منورہ پر غالب تھے اور خوف اور پریشانی ابھی تک مدینہ پر چھائی ہوئی تھی اس وقت حضرت علی کی وہ پوزیشن تھی اور یہ کیسی اور کی جو صحابہ کی عبید اللہ بن عمر کے متعلق تھی جبکہ انہوں نے ہرمزان کو قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ بہت بڑا فرق تھا ان دونوں کے قتل میں۔ کہاں ایک خلیفہ راشد اور امیر المومنین اور کہاں ایک جنگی قیدی مجوسی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا ہے۔ پھر جب حضرت علی مدینہ منورہ سے دار الخلافہ بدل کر عراق میں آ گئے (تاکہ وہ شام کے قریب رہیں) تو حضرت عثمان کے قاتل بھی ان کے ساتھ ہی آ گئے۔ خصوصاً بصرہ اور کوفہ والے۔

پھر جب وہ اپنے بصرہ اور کوفہ میں آ گئے تو ان کو ان کے قبائل کی حمایت اور قوت بھی حاصل ہو گئی۔ اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضرت علی نے ان سے اپنی برات کا اعلان کر دیا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ اصحاب جمل کے ساتھ مناسب شرائط پر صلح کر لی جائے تو حضرت عثمان کے قاتلوں نے حضرت علی اور اصحاب جمل کے لشکروں میں آگ کے شعلے بھڑکا دیے اور اصحاب جمل کو اللہ تعالےٰ نے موقعہ دیدیا تو انہوں نے حضرت عثمان کے بصری قاتلوں کو چن چن کر ختم کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک آدمی بنو سعد بن زید مناۃ بن تمیم سے بچ گیا۔ اس کے قبیلے نے اس کو بچا لیا۔ پھر جب معاملہ بڑھ گیا اور خوں ریزی عام ہو گئی تو حضرت علی کی پوزیشن یہ ہو گئی کہ حضرت عثمان کے مشہور و معروف قاتلوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایک بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی اور حالت یہ تھی کہ حضرت علی کے لشکر کے مقدمہ پر اشتر نخعی اور اس جیسے اور لوگ تھے اور پھر ان بلوائیوں میں سے بہت سے آدمی اس کے بعد باقی رہ گئے ۲۵۰

عثمانی کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت علی کی بیعت نہ کی تھی مثلاً سعد بن ابی وقاص۔ محمد بن مسلمہ۔ ابن عمر اور اسامہ بن زید اور ان کے علاوہ اور بھی انہیں کے ہم پلّہ۔

تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کی بیعت سے تو کوئی صحابی بھی پیچھے نہ رہا تھا۔ ہاں جنگ جمل یا صفین میں بعض لوگوں نے حضرت علی کی مدد نہ کی تھی۔ اور انہی میں سے یہ لوگ ہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا تو ہر ایک نے اس میں اجتہاد کیا اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل کیا اور اپنے اندازے پر درست کیا۔[1]

(بقیہ حاشیہ ص۲۴۶) حضرت علی کے خلاف ہو گئے اور ان کی اطاعت سے نکل گئے اور حضرت علی کو (معاذ اللہ) کافر کہنے لگے اور علمائے سنت اور مورخین حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے کسی کو معاف نہیں کیا۔ ان میں سے ایک ایک سے بدلا لیا کسی سے قتل کے ذریعہ اور کسی سے عذاب اور سزا کے ذریعہ۔ ان میں سے بعض کی عمر لمبی ہوئی اور انہوں نے حجاج بن یوسف کا زمانہ پایا۔ پھر اس نے ان کو چن چن کر ختم کیا یہ ان کی بد اعمالی کی سزا تھی اور اللہ تعالے تمام حاکموں میں سے سب سے زیادہ عادل ہیں ۱۲ (حاشیہ نمبر ۱)

[1] دیکھو ابو بکر باقلانی کی تمہید ص ۲۳۳ و ۲۳۴

قاصمة

کچھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب مکمل طور پر حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تو حضرت طلحہ اور زبیر نے حضرت علی سے مکہ چلے جانے کی اجازت[1] مانگی تو حضرت علی نے ان سے کہا شاید تم بصرہ اور شام جانا چاہتے ہو تو حضرت علی نے ان سے قسم لی کہ وہ ادھر نہ جائیں گے[2]

---

[1] جن لوگوں نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت مانگی تھی ان میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی کی بیعت پوری طرح ہو گئی تو انہوں نے شامیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے مدینہ والوں کو دعوت دی کہ میرے ساتھ ہو کر لڑو تو مدینہ کے لوگوں نے اس سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت علی نے عبداللہ بن عمر کو بلایا اور ان کو اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دی تو انہوں نے جواب دیا میں بھی مدینہ کے رہنے والوں میں سے ایک آدمی ہوں اگر وہ نکلیں گے تو میں بھی آپ کی اطاعت کرتے ہوئے نکلوں گا۔ لیکن اس سال تو میں جنگ پر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ پھر عبداللہ بن عمر نے تیاری کی اور مکہ چلے آئے (ابن کثیر ج۷ ص۲۳۰)

اور شامی لوگوں سے لڑائی کرنے اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کے متعلق حضرت علی کے صاحبزادے حضرت حسن بھی اپنے والد ماجد کے خلاف تھے۔ جیسا کہ آئندہ آپ کو معلوم ہو جائے گا ۱۲

[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان حضرات سے قسم لینے کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ صرف بہتان تراشوں اور فتنہ انگیزوں اور ان کے ساتھیوں کی اختراع ہے اللہ مفسدوں کو برباد کرے ۱۲

اور اس وقت حضرت عائشہ مکہ میں تھیں[1]۔

اور عبد اللہ بن عامر جو حضرت عثمان کی طرف سے بصرے پر عامل تھے اور یعلی بن امیہ جو حضرت عثمان کی طرف سے یمن کے گورنر تھے۔ یہ دونوں بھی مکہ مکرمہ چلے آئے۔

یہ سب لوگ مکہ میں اکٹھے ہو گئے اور ان کے ساتھ مروان بھی تھا اور سب بنو امیہ اکٹھے ہو گئے اور حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے کی ترغیب دلائی اور یعلی بن امیہ نے حضرت طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو چار لاکھ روپے دیئے اور حضرت عائشہ کو ایک اونٹ "عسکر" نامی پیش کیا جسے اس نے یمن میں دو سو دینار سے خریدا تھا۔

ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ شام چلے جائیں لیکن عبد اللہ بن عامر نے ان کو روکا اور کہا کہ تم نے امیر معاویہ سے کوئی وعدہ نہیں لے رکھا ہے۔ اس طرح وہاں جانا مناسب نہیں اور بصرہ میں میرے بہت سے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ بہتر ہے کہ وہاں چلے جائیں۔

چنانچہ یہ لوگ "حواب"[2] کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے حضرت عائشہ

---

[1] حضرت عائشہ اور باقی امہات المومنین بھی مکہ چلی آئی تھیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ باغیوں نے حضرت امیر المومنین عثمان کا پانی بند کر دیا تو وہ لوگوں سے پانی کی درخواست کرنے لگے حضرت ام حبیبہ پانی لے کر آئیں تو باغیوں نے ان کی توہین کی آپ کے خچر کے منہ پر ضربیں لگائیں اور تلوار سے خچر کی رسی کو کاٹ دیا (طبری جلد ۵ ص ۱۲۲) تو امہات المومنین فتنہ سے بچنے کے لیے حج کے ارادہ سے چلی آئیں (ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۲۹)

[2] حواب عرب کے پانیوں میں سے ایک پانی تھا بصرے کی راہ پر ابو الفتح نصر بن عبد الرحمٰن اسکندری نے یاقوت حموی کی معجم البلدان سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ابو عبید بکری نے معجم میں کہا ہے کہ یہ بصرے کے قریب ایک چشمہ ہے اس راہ پر جو مکہ سے بصرہ کو جاتا ہے اور یہ چشمہ حواب بنت کلب بن وبرہ کے نام سے مشہور ہوا یہ حواب قبیلہ قضاعہ سے تھی ۱۲

رضی اللہ عنہا نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے ؟ تو انہیں بتایا گیا کہ یہ حوأب کا چشمہ ہے
تو حضرت عائشہ نے اونٹ کی مہار واپس پھیر لی اس لیے کہ انہوں نے
نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ آپ نے فرمایا "تم میں سے وہ کون
ہوگی جو ایسے اونٹ پر بیٹھے گی جس کے منہ پر بہت زیادہ بال ہوں گے اور
اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے" ؟

تو طلحہ اور زبیر اور ان کے ساتھ پچاس آدمیوں نے شہادت دی کہ یہ حوأب
کا چشمہ نہیں ہے[1] اور یہ اسلام میں سب سے پہلی جھوٹی شہادت تھی جو ڈنکے
کی چوٹ پر دی گئی۔[2]

---

[1] نہ ہی ان لوگوں نے شہادت دی اور نہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور نہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا ہم آئندہ اس کو اس کے مقام پر تفصیل
سے بیان کریں گے ۱۲

[2] اور جھوٹی شہادتوں کا ارتکاب جھوٹے اور بازاری قسم کے لوگ کرتے ہیں جنہیں خدا
کا کوئی خوف نہیں ہوتا جیسا کہ ابو زینب اور ابو المورع تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا
ہے اور جھوٹی شہادتیں وہ دیتے ہیں جو فرضی شخصیتیں پیدا کر لیتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ
نے پیدا ہی نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام ثابت نامی بنا
لیا گیا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ باقی رہے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما
جن کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری سنائی ہے ان کے
اخلاق نہایت بلند تھے اور اللہ تعالےٰ کے ہاں وہ اس سے بہت زیادہ شریف ہیں
کہ جھوٹی شہادت دیں اور یہ بہتان ان لوگوں نے بنایا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کے صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور یہ اسلام میں کوئی پہلا بہتان نہیں ہے اور نہ یہ آخری
جھوٹ ہے جو انہوں نے بولا ۱۲

اور حضرت علی کوفہ کی طرف چلے گئے[1] اور فریقین نے لشکر تیار کیا اور آپس میں ملاقات[2] کی۔ حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عائشہ صدیقہ کے ہودج کے قریب ہو کر پوچھا "آپ لوگ کیا چاہتے ہیں" ؟ تو جواب دیا "حضرت عثمان کے خون کا بدلہ"۔ تو حضرت عمار نے کہا۔ "اللہ آج کے دن باغی اور ناحق مطالبہ کرنے

---

[1] حضرت علی ربیع الثانی ۳۶ھ کے آخر میں مدینہ سے نکلے تاکہ آپ شام کے قریب رہیں۔ آپ کے صاحبزادے حسن چاہتے تھے کہ آپ مدینہ ہی میں رہیں اور اپنے تینوں بھائیوں کی طرح مدینہ منورہ ہی کو اپنا دار الخلافہ بنائیں (طبری ج۵ ص۱۷۱ و ج۵ ص۱۶۳)

حضرت علی مدینہ سے کوفہ کی طرف جس راہ سے گئے وہ ربذہ۔ فید۔ ثعلبیہ۔ اساود اور ذی قار سے ہو کر جاتا تھا۔ جب ربذہ پہنچے تو محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر (بن ابی طالب) کو کوفہ روانہ کیا۔ جب آپ ذی قار میں پہنچے تو یہ کوفہ سے واپس آ کر ان کو ملے اور کہا کہ "حضرت ابو موسیٰ اور عقلمند کوفیوں کا خیال ہے کہ مقابلہ کرنا اچھا نہیں"۔ پھر آپ نے اشتر اور ابن عباس کو بھیجا اور پھر اپنے صاحبزادے حسن اور حضرت عمار کو روانہ کیا کہ جا کر لوگوں کو حضرت علی کی طرف مائل کریں۔

اور ابھی یہ لوگ راہ ہی میں تھے کہ عثمان بن حنیف اور حکیم بن جبلہ نے اصحاب جمل کے ساتھ جنگ شروع کر دی اور اساود ہی میں آپ کو حکیم بن جبلہ اور دیگر قاتلان عثمان کے قتل کی خبر پہنچی۔ پھر جب حضرت علی ثعلبیہ میں آئے تو آپ کے پاس عثمان بن حنیف آیا اس کی ڈاڑھی نچی ہوئی تھی اور شکست کھا کر آیا تھا اور پھر حضرت علی نے ذی قار میں اپنے لشکر کو ٹھہرایا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے اور اصحاب جمل بھی یہیں تھے۔

[2] جب حضرت علی ذی قار میں پہنچے اور قعقاع بن عمرو صلح کی کوشش کرنے لگے اور حضرت علی اپنے ساتھیوں کو لیکر بصرہ کی طرف چلے تو حضرت عثمان کے قاتلوں نے جنگ چھیڑ کر صلح کی تمام مساعی پر پانی پھیر دیا ۱۲

والے کو برباد کرے[۱]"

حضرت علی اور زبیر کی ملاقات ہوئی تو حضرت علی نے ان سے کہا۔ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد ہے کہ تم ایک روز مجھ سے لڑائی کروگے" تو زبیر جماعت سے الگ ہو کر واپس ہو گئے۔ آپ کے بیٹے عبد اللہ نے آپ کو واپس لانا چاہا لیکن انھوں نے قبول نہ کیا اور احنف حضرت زبیر کے پیچھے لگا اور بالآخر ان کو قتل کر دیا[۲]۔

پھر اس کے بعد حضرت علی نے حضرت طلحہ کو آواز دی کہ "آپ کیا چاہتے ہیں" تو جواب دیا "عثمان کا خون" تو حضرت علی نے کہا "اللہ اس آدمی کو برباد کرے جس نے حضرت عثمان کا خون بہانے میں ہم میں سے زیادہ کوشش کی ہے۔ کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا کہ "اے اللہ جو علی سے محبت رکھے اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے اس سے دشمنی رکھ اور جو اس کی مدد کرے اس کی مدد کر اور جو اسے ذلیل کرے اسے ذلیل کر"۔ اور تو سب سے پہلا آدمی ہے جس نے مجھ سے بیعت کی اور پھر اسے توڑ دیا[۳]"

---

[۱] یہ دونوں فریق ہی سمجھوتے اور اتفاق کے خواہشمند تھے اور باغی تو صرف حضرت عثمان کے قاتل تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا سوائے ایک آدمی کے اس کا ذکر آگے آئے گا ۱۲

[۲] حضرت زبیر کو قتل کرنے والے عمیر بن جرموز۔ فضالہ بن حابس اور نفیع تمیمی تھے۔ اور احنف تو نہایت خدا ترس تھے وہ حضرت زبیر کے قتل کا حکم کیسے دے سکتے تھے بلکہ وہ تو ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے سے روکتے رہے اور ان لوگوں نے پیچھے سے مل کر حضرت زبیر کو شہید کر ڈالا (طبری ج ۵ ص ۱۹۶)

[۳] حضرت طلحہ صادق الایمان تھے ان کے اخلاق اس سے بہت بلند ہیں کہ بیعت کر کے توڑ ڈالیں وہ صرف حضرت عثمان کے قاتلوں کے متعلق کسی متفقہ (باقی بر ص ۲۵۳)

عَاصِمَةٌ

ان حضرات کا بصرہ کی طرف نکلنا تو بالکل صحیح ہے اس میں تو کسی قسم کا اشکال نہیں ہے۔

لیکن یہ لوگ کیوں نکلے؟ اس کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے اور نہ اس میں کسی روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی ثقہ آدمی نے اسے نقل نہیں کیا اور متعصب آدمی کا کلام سننے کے قابل نہیں ہوتا اور متعصبین میں ایسے لوگ شامل ہیں جو اسلام میں طعن کرنا اور صحابہ کرام کی تنقیص و توہین کرنا چاہتے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے حضرت علی سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کریں[1] اور وہ وجہ یہ ہو کہ انہوں نے بیعت اس لیے کی ہو کہ فتنہ رک جائے

(بقیہ حاشیہ ۳) فیصلے کے خواہشمند تھے اور حضرت علی نے ان کی اس خواہش کو قبول کر لیا تھا جیسا کہ آئندہ آئے گا لیکن جن لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا پہلی مرتبہ اسلام میں گناہ کا ارتکاب کیا تھا اور دوسری مرتبہ علی اور مسلمانوں میں جنگ کے شعلے بھڑکا کر گناہ کا ارتکاب کرنے والے یہی خدا کے دشمن تھے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ان فضلاء صالحین سے یہ احتمال نہایت بعید ہے اور کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے اس کا پتہ چلتا ہو بلکہ تمام حوادث ان کی اس بیعت پر دلالت کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کا رجحان بھی فتح الباری صفحہ ۴۲ جلد ۱۳ میں اسی طرف ہے۔ عمر بن شبہ کی کتاب اخبار البصرہ میں مہلب کا قول نقل کیا ہے کہ کسی نے بھی یہ بیان نہیں کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے بھی حضرت علی سے خلافت کے بارے میں جھگڑا کیا ہو اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے لیے دعوت دی گئی ہو کہ اس کو بنایا جائے ۱۲

آگ ٹھنڈی ہو جائے اور اس کے بعد وہ حق کا مطالبہ کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔

اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیے آئے ہوں۔

اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو اکٹھا کرنے اور متفرق کو متفق کرنے اور ایک قانون کی طرف بلانے کے لیے آئے ہوں تاکہ بے چینی ختم ہو جائے اور جنگ کا احتمال نہ رہے اور یہی صحیح ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز درست نہیں اور صحیح روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

سلہ اسی چیز کا وہ تذکرہ کرتے تھے لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت علی سے مل کر کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے اور اسی اتفاق کے لیے ایک مجاہد صحابی قعقاع بن عمرو کوشش کرتے رہے جسے فریقین نے تسلیم کر لیا تھا جیسا کہ آئندہ بیان آئے گا ۱۲

سلہ حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور ان کے ساتھیوں کا اجتماع حضرت علی کو باغیوں کے نرغہ سے چھڑانے کے لیے تھا۔ کیونکہ حضرت طلحہ و زبیر دونوں نے حضرت علی سے حدود اللہ کے قیام کا وعدہ لے کر بیعت کر لی تھی اس کے بعد حضرت علی نے باغیوں کو مدینہ سے چلے جانے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور خود باغیوں نے ہی سب سے پہلے حضرت علی کی نافرمانی شروع کر دی حالانکہ بیعت کرنے میں بھی پیش پیش وہی تھے حضرت طلحہ اور زبیر نے چار ماہ تک انتظار کیا۔ جب حالات اس حد تک پہنچ گئے کہ باغی گروہ حضرت علی کا کہا نہیں مانتا بلکہ الٹا انہیں تنگ کرتا ہے بلکہ انھیں بھی قتل کی دھمکیاں دیتا ہے تو حضرت طلحہ و زبیر نے اس کے تدارک کے لیے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو روانگی اختیار کی۔ پھر مکہ پہنچ کر ان صاحبوں کی گفتگو جو دوسرے ساتھیوں سے ہوئی اور جو گفتگو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی (باقی بر صفحہ ۲۵۵)

پہلے تمام احتمالات باطل اور ضعیف ہیں۔

باقی رہا ان کا مجبوری سے حضرت علی کی بیعت کرنا تو وہ باطل ہے۔ ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اور حضرت علی کو معزول کرنے کا خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ معزولی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوتی ہے۔ بیعت تو ایک یا دو آدمیوں کے بیعت کر لینے سے منعقد ہو جاتی ہے لیکن معزولی اثبات اور بیان کے بعد ہوتی ہے[1]

اسی پر احتمال بھی ممکن ہے کہ یہ حضرات حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیے آئے تھے۔ کیونکہ اصل معاملہ اس سے پہلے مسلمانوں کے اتفاق کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴) (تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھو میری کتاب "سیرۃ الاخوین") اس سے بھی خیال ہوتا ہے کہ وہ امت کی اصلاح چاہتے تھے اور حضرت علی کو باغیوں سے چھڑانا چاہتے تھے چنانچہ حضرت علی نے مدینہ کو بھی اسی لیے چھوڑا کہ حرم مدینہ کی جتنی بے حرمتی ہو چکی ہے آئندہ نہ ہو اور کوفہ کا قصد کیا اس کے بعد بصرہ میں حضرت علی کی طرف سے حضرت قعقاع کی حضرت طلحہ و زبیر سے جو گفتگو ہوئی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ فریقین میں سے کوئی بھی نہ چاہتا تھا بلکہ اصلاح امت چاہتے تھے۔ جس کے حوالے بڑی کتابوں سے سیرۃ الاخوین میں تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔ اس لیے اصل حقیقت یہی ہے کہ اصحاب جمل صرف حضرت علی کی مدد کرنا ہی چاہتے تھے۔ اور ان کو باغیوں سے چھڑانا چاہتے تھے۔ لیکن افسوس کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے اور بالآخر انہی باغیوں نے حضرت عثمان کی طرح حضرت علی کو بھی شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(خالد گرجاکھی)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] دیکھو باقلانی کی "تمہید" موضوع خلافت ص ۲۱۱-۲۱۲ و ص ۲۳۲ - ۱۲

تھا اور ممکن ہے دونوں چیزیں مقصود ہوں[1]۔

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا[2] مدینے سے چلے جانا لوگوں کے شور و شر کو ختم کرنے کے لیے تھا حضرت طلحہ۔ زبیر اور عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم اس امید پر مدینہ سے چلے آئے تھے کہ لوگ اپنی ماں کے پاس چلے آئیں گے اور اپنے نبی کی آبرو کا پاس کریں گے۔ انہوں نے حضرت عائشہ کے سامنے اس آیت اور حدیث سے استدلال[3] کیا کہ "ان کے اکثر مشوروں میں بھلائی نہیں ہے مگر جو صدقہ یا بھلائی یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے" (النساء - ۱۱۴)

اور صلح کے لیے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی گئے اور لوگوں کو ترغیب دی تو حضرت عائشہ نے بھی ثواب کی امید پر اس موقع کو غنیمت سمجھا اور پھر معاملہ تقدیر کے مطابق پیش آیا۔

اس کو بصرہ کے باشندوں نے محسوس کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو اکٹھا کر کے ترغیب دی اور کہا ان کے پاس جا کر معلوم کرو کہ یہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں تو عثمان بن حنیف[4] نے حکیم بن جبلہ کو بھیجا۔

---

[1] ان دونوں مقاصد کے حصول کے امکانات پیدا ہو چکے تھے اگر بھائی اس کوشش کو ناکام نہ بنا دیتے۔ اصحاب جمل حضرت عثمان کے قاتلوں کے بارے میں ہی آئے تھے مگر ان کا ارادہ یہ تھا کہ پہلے حضرت علی سے مفاہمت کریں کیونکہ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے پہلا وسیلہ یہی ہو سکتا تھا۔ ۱۲

[2] یعنی حضرت طلحہ اور زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کا مدینہ سے چلے آنا ۱۲

[3] جب انہوں نے حضرت عائشہ کو بصرہ کی طرف جانے پر آمادہ کرنا چاہا ۱۲

[4] عثمان بن حنیف انصاری اوسی ہیں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو یہ اوسیوں کے ان پندرہ نوجوانوں میں سے ایک تھا جو عبد عمرو بن صیفی کے ساتھ تھے جبکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کو بھڑکانے گئے (باقی بر ۲۵۷)

(بقیہ حاشیہ ص۲۵۶)

لیے مکہ گیا تھا اور جاہلیت کے زمانہ میں عبد عمرو کو لوگ "راہب" کہا کرتے تھے پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "فاسق" رکھا (طبری ص۱۶/۱۳)

اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف اس "فاسق" کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور احد کی جنگ سے پہلے مسلمان ہو گئے کیونکہ احد کی جنگ اسلام میں ان کی پہلی جنگ تھی (الاصابہ ص۴۵۹/۲)

شیعہ کہتے ہیں کہ عثمان بن حنیف حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے ابتداء میں ان کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے تھے (تنقیح المقال مامقانی ص۱۹۸/۲)

لیکن یہ شیعہ کا صاف جھوٹ ہے پھر حضرت عمر نے عثمان کو عراق کی زمین کی پیمائش کرنے اور اس کے مالکوں پر جزیہ یا خراج مقرر کرنے پر مامور کیا۔ اگر شیعہ کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو حضرت عمر اسکو عامل کبھی نہ مقرر کرتے پھر جب ۳۵ھ میں حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور انہوں نے ۳۶ھ کی ابتدا میں اپنے عامل مقرر کرنے شروع کیے تو عثمان بن حنیف کو بصرے پر مقرر کیا (طبری ج۵ ص۱۶۱)

اور جب اصحاب جمل حفیر تک آ پہنچے جو بصرے سے چار میل کے فاصلہ پر ہے تو عثمان بن حنیف نے عمران بن حصین خزاعی کو ان کی طرف بھیجا تاکہ ان سے ملاقات کر کے ان کی آمد کا مقصد معلوم کریں (یہ عمران فتح مکہ کے روز اپنے قبیلہ خزاعہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے) جب عمران واپس گئے تو عثمان کو ان کی گفتگو سے مطلع کیا۔ تو عثمان بن حنیف نے کہا "اب مجھے کوئی مشورہ دو" تو انہوں نے کہا "میں تو بیٹھ جاؤں گا اور بہتر یہ ہے کہ تم بھی بیٹھ جاؤ"۔ تو عثمان بن حنیف نے کہا "میں امیر المومنین حضرت علی کے آنے تک ... مزاحمت کروں گا"۔ ہشام بن عامر انصاری نے جو کہ ایک مجاہد اور فاتح صحابی تھے یہ مشورہ دیا کہ "حضرت علی کے آنے تک ان سے صلح کر لو"۔ تو عثمان نے اس کو قبول نہ کیا اور لوگوں میں منادی کرا دی اور ہتھیار بند ہو گئے۔ عثمان ان آنے والوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ تدبیر کر رہا تھا (طبری ص۱۷۴-۱۷۵/۵)

(باقی بر ص۲۶۰)

یہ حضرت طلحہ اور زبیر سے زابوقہ میں جا کر ملا اور لڑائی شروع کر دی اور مارا گیا۔ اگر یہ مسلمان بن کر صلح صفائی کے لیے آتا اور جنگ شروع نہ کرتا تو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔[1]

اور پھر جنگ کرنے میں مصلحت بھی کیا تھی اور آخر جنگ تھی بھی کیوں؟ کیونکہ یہ لوگ نہ تو جنگ کے لیے آئے تھے اور نہ یہ والی تھے۔ وہ تو صلح کی کوشش کرنے کے لیے آئے تھے۔ مسلمانوں میں اتحاد کے خواہاں تھے۔ پھر جو ان کے مقابلے پہ آیا اور ان سے لڑائی کی اور ان کو ان کے مقصد سے روکا تو انہوں نے بھی اس سے لڑائی کی۔ جیسا کہ تمام مقاصد اور سفروں میں کیا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷) لیکن اس کا انجام کمزوری کی صورت میں ظاہر ہوا اور معاملہ اصحاب جمل کے اختیار میں چلا گیا اور عثمان عوام کے نرغے میں آگیا اس کی ڈاڑھی نوچ لی گئی۔ اور پھر اصحاب جمل نے اس کو عوام کے پنجہ سے چھڑا دیا۔

پھر یہ عثمان ذی قار میں حضرت علی کے لشکر میں آملا۔ یہ تھا اصحاب جمل کے ساتھ عثمان کا موقف اور اس کا انجام۔

باقی رہا حکیم بن جبلہ تو اس کو پڑھنے والے جانتے ہی ہیں کہ یہ حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے تھا اور اس کا تعارف پہلے ہو چکا ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] زابوقہ بصرہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں واقعہ جمل کی ابتدائی جنگ لڑی گئی۔ جبکہ حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہ مربد میں خطبہ دے چکے تھے۔ باقی رہا حکیم بن جبلہ کا قتل تو جب ابتدائی جنگوں میں اصحاب جمل غالب آگئے اور بصرہ پر ان کا تسلط ہو گیا تو حکیم بن جبلہ نے اس حالت میں بھی سرکشی کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مقابلہ پر آگیا اور مارا گیا ۱۲

پھر جب یہ لوگ بصرہ پہنچے تو یہ لوگ بصرے کے مربد[1] کی اوپر کی جانب اکٹھے ہو گئے اور اتنے قریب ہو گئے کہ اگر کنکر پھینکا جاتا تو کسی انسان پہ گرتا۔ پھر طلحہ سے بھی گفتگو کی اور زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی[2]۔
پھر شور و غوغا زیادہ ہو گیا[3]۔ تو حضرت طلحہ کہنے لگے "خاموش۔ خاموش"

---

[1] "بصرے کا مربد" یہ شہر سے باہر ایک جگہ تھی جہاں اونٹوں کی منڈی لگتی تھی۔ پھر یہ جگہ شعرائے اور خطبا کی تقریروں کے لیے وقف ہو گئی پھر بصرہ کی آبادی بڑھ گئی تو مربد بھی آبادی میں آ گیا۔ یہ بصرے کی عظیم الشان سڑک اور عظیم بازار بن گیا پھر جب بصرے کی آبادی کم ہونے لگی تو پھر یہ شہر سے کٹ گیا۔ یاقوت حموی کے زمانہ میں یہ جگہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر دور ہو گئی اور پھر مربد اجڑ گیا جیسا کہ جنگل میں کوئی بے آباد بستی ہوتی ہے اور ان دنوں بصرہ کا محل وقوع وہاں تھا جہاں ہمارے زمانہ میں زبیر نامی بستی ہے ۱۲

[2] اصحاب جمل مربد کی دائیں جانب تھے اور عثمان بن حنیف اور اس کے ساتھی بائیں جانب طبری بھی ۵/۱۷۵ اس نے حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے خطبات کا خلاصہ دیا ہے اور اسے سیف بن عمر و تمیمی سے روایت کیا ہے جو عراق کے حوادثات کا سب سے بڑا عالم تھا ۱۲

[3] کیونکہ عثمان بن حنیف کے ساتھی طلحہ اور زبیر کی ہر بات پر کہتے "یہ غلط ہے۔ باطل ہے۔ بد کرداری ہے جس کی تم تعلیم دیتے ہو تم نے پہلے علی کی بیعت کی اور اب یہ باتیں کرتے پھرتے ہو" اور انکے اپنے ساتھی انکی ہر بات پر کہتے "سچ ہے۔ درست ہے۔ نیکی کی بات ہے جو تم تعلیم دیتے ہو" پھر لوگوں نے ایک دوسرے پر مٹی پھینکنا شروع کیا۔ کنکر مارے اور غبار اڑایا۔ پھر جب حضرت عائشہ نے خطبہ دیا تو اصحاب جمل تو انکی مدد کرنے پہ ثابت قدم رہے اور عثمان بن حنیف کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ لوگ یہ ملا کہنے لگے "خدا کی قسم ام المومنین نے سچ فرمایا۔ نیک بات کہی اور بھلائی کا حکم دیا" اور انکے مخالف کہنے لگے "تم جھوٹ کہتے ہو ہمیں تو سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا کہتے ہو" پھر وہ مٹی پھینکنے غبار اڑانے اور کنکر مارنے لگے ۱۲

اور لوگ ان پر بڑھتے آرہے تھے اور خاموش نہیں ہو رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا "اُف۔ اُف آگ کے پتنگے اور طمع کی مکھیاں"۔ پھر یہ لوگ بغیر کسی بیان کے ان کی طرف پلٹ آئے[1]

اور بنی ہند کی طرف چلے گئے تو لوگوں نے ان پر تیر پھینکے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے پاس اتر گئے[2]

---

[1] جب حضرت عائشہ صدیقہ نے دیکھا کہ عثمان بن حنیف کے ساتھی کیا کر رہے ہیں تو آپ کچھ دور چلی گئیں اور ان کے ساتھی بھی ان کے ساتھ چلے گئے اور عثمان بن حنیف کے کچھ ساتھی بھی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہمراہ چلے آئے اور کچھ عثمان کے ساتھ رہے (طبری ۱۷۵/۵)

[2] طبری (۱۷۶-۱۷۷/۵) نے اس واقعہ کے متعلق نہایت باریک معلومات بہ واسطہ سیف بن عمر و التیمی محمد بن عبد اللہ اور طلحہ بن اعلم الحنفی سے ہمیں فراہم کی ہیں کہ کس طرح اصحاب جمل نے سلامتی کی راہ اختیار کی اور کس طرح حکیم بن جبلہ نے زیادتی کر کے جنگ کے شعلے بھڑکائے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ دائیں طرف چلو چنانچہ وہ مقبرہ بنی مازن کے پاس آکر ٹھہر گئے۔ پھر فریقین میں رات حائل ہو گئی اور آئندہ روز میں اصحاب جمل تعلہ مندطبی کی طرف آگئے اور عثمان بن حنیف اور حکیم بن جبلہ نے نئے سرے سے جنگ شروع کر دی۔

حکیم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق زبان درازی کرنے لگا۔ اور جو مرد یا عورت اس کو منع کرتے انہیں بے دریغ قتل کر دیتا اور حضرت عائشہ صدیقہ کے منادی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے کہ جنگ سے باز آجاؤ۔ لیکن وہ ماننے نہیں تھے۔ پھر جب ان کو بھی تکلیف پہنچی اور شرارت کا مزہ معلوم ہوا تو پھر حضرت عائشہ کے ساتھیوں کو صلح کی دعوت دینے لگے ۱۲

اور حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت علی کے بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف کی آپس میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا اور لکھا کہ جب تک حضرت علی نہیں آجاتے اس وقت تک لڑائی نہیں ہوگی۔ دارالامارہ مسجد کی امامت اور بیت المال عثمان بن حنیف کے قبضہ میں رہے گا اور حضرت طلحہ اور زبیر بصرہ میں جہاں چاہیں ٹھہر سکتے ہیں۔ ان پر کوئی پابندی[1] نہیں ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم بن جبلہ نے اس صلح کے بعد جنگ شروع کی اور مارا گیا۔[2]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں[3] آئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کے

---

[1] تاریخ طبری (ص۱۷۱ ج۵) نے صلح کی تحریر نقل کی ہے۔ جب حضرت علی کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو عثمان بن حنیف کے ضعف اور کمزوری پر محمول کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر نے لوگوں کو جمع کیا اور مسجد میں آگئے اور عثمان بن حنیف کا انتظار کرنے لگے اس نے دیر کر دی اور بر وقت نہ پہنچا تو حکیم بن جبلہ کے بازاری قسم کے پیروؤں نے مسجد میں ہی فتنہ کھڑا کر دیا۔ اس کا ردعمل بعض لوگوں پر یہ ہوا کہ وہ عثمان بن حنیف کو بلانے چلے گئے۔

جب وہ آیا تو بنو ہوازن، بنو سلیم اور قبائل بصریہ کے سردار مجاشع بن مسعود سلمی کے کہنے پر لوگوں نے عثمان کو پاؤں میں روند ڈالا اور اس کی ساری ڈاڑھی نوچ ڈالی (طبری ص۱۷۱ ج۵)

[2] اس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ نیز اس کے علاوہ دیکھو تاریخ طبری ص ۱۷۹ تا ۱۸۲۔ ۱۲

[3] آپ زاویہ نامی جگہ میں اترے اور اصحاب جمل فرضہ نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ۱۲

لیے قریب[ا] ہو گئے۔ تو خواہش پرست لوگوں نے ان کو نہ چھوڑا اور خونریزی شروع کر دی اور جنگ بھڑک اٹھی اور سرکش لوگوں میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔

[ا] عبید اللہ بن زیاد کے محل کے پاس دونوں قریب قریب آ گئے۔ یہ ۱۵ جمادی الثانی ۳۶ھ جمعرات کا روز تھا۔ قعقاع بن عمرو تمیمی ایک جلیل القدر صحابی فریقین میں صلح کی گفتگو کا واسطہ بنے ہوئے تھے۔ ان کی معقول تجاویز کو اصحاب جمل اور حضرت علی دونوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ پھر حضرت علی نے حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس پیغام بھیجا "اگر تم قعقاع بن عمرو کی شرائط کو تسلیم کرتے ہو تو لڑائی بند کرو۔ ہم مل کر اس معاملہ پر غور کریں گے"۔ تو انہوں نے جواباً کہلا بھیجا "ہم قعقاع بن عمرو کے فیصلے پر قائم ہیں"۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج۷ ص۲۳۹ میں فرمایا ہے۔ پھر تمام آدمی مطمئن ہو گئے۔ ہر ایک کے دل میں تسکین تھی اور ہر آدمی اپنے اپنے لشکر میں چلا گیا۔ شام کے وقت حضرت علی نے عبد اللہ بن عباس کو بھیجا اور حضرت طلحہ و زبیر نے محمد بن طلحہ سجاد کو روانہ کیا اور سب نے صلح پر اعتماد کیا۔ یہ رات جس اطمینان اور تسلی سے گذری ایسی کوئی رات کبھی نہ گذری تھی۔

اور حضرت عثمان کے قاتلوں پر یہ رات قیامت بن کر آئی تھی وہ ساری رات سو نہ سکے۔ انہیں اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے ساری رات مشورے کرتے گذاری اور آخر کار خفیہ طور پر جنگ شروع کرنے کا فیصلہ ہوا اور جنگ خفیہ اس لیے شروع کہ ان کی برائی پر لوگ مطلع نہ ہو جائیں وہ منہ اندھیرے اس طرح خاموشی سے نکلے کہ ان کے ہمسایوں کو پتہ نہ چل سکا اور حملہ کے مقام پر پہنچ گئے (ابن کثیر کے اس حوالہ کے ساتھ تاریخ طبری ج۵ ص۲۰۲-۲۰۳ اور منہاج السنۃ ص ۱۸۵/۳ و ۲۲۵/۳ و ۲۴۱/۳ بھی ملاحظہ فرمائیں)

اور اس طرح انہوں نے حضرت علی اور ان کے بھائیوں طلحہ اور زبیر میں جنگ شروع کرا دی۔ اصحاب جمل نے یہ سمجھا کہ ہم نے علی سے دھوکہ کھایا اور علی یہ سمجھے (باقی بر ص۲۶۳)

اور یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کا حال مخفی رہے اور ان کے خلاف کوئی بیان اور دلیل قائم نہ ہو سکے۔ ایک آدمی کی شرارت سے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے اور پھر جہاں ہزاروں شر پر موجود ہوں وہاں کیا حال ہو گا؟

بیان کیا جاتا ہے کہ مروان نے جب حضرت طلحہ کو جنگ کی صفیں درست کرتے دیکھ لیا تو کہا عین آدمی کو دیکھ لینے کے بعد قدموں کے نشان دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کو ایک تیر مارا اور قتل کر دیا۔ اور اس بات کو اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے سوا اور کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ ہی کسی ثقہ آدمی نے اسے[۱] ثابت کیا ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مروان نے خود ان کو تیر نہ مارا تھا بلکہ کسی اور کو حکم دیا تھا اس نے تیر مارا تھا۔[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲) کہ حضرت طلحہ اور زبیر نے غداری کی اور یہ حضرات وہ لوگ تھے کہ انہوں نے جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس طرح کی غداری نہ کی تھی پھر قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بعد ایسے بلند اخلاق پر پہنچ کر وہ ایسا کام کیسے کر سکتے تھے؟ ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

۱؎ اخبار کی سب سے بڑی آفت ان کے راوی ہیں اور علوم اسلامیہ میں اس خبیث جرثومہ کی آفت کا علاج موجود ہے۔ ہر ایک خبر کے راوی سے اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ اس خبر کا مصدر متعین کرو کہ تم نے یہ خبر کہاں سے لی ہے؟ اور دنیا کی کوئی امت اخبار کے اعتماد کرنے کے لیے مسلمانوں کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ خصوصاً اہلسنت کا فرقہ اور یہ حضرت طلحہ اور مروان والا قصہ ایسا بے بنیاد ہے کہ اس کے بنانے والے کا کوئی پتہ نہیں کہ کون ہے اور کون نہیں اور جب تک یہ خبر معتبر آدمی معروف سند اور معتبر رواۃ سے بیان نہ کرے تو قاضی ابوبکر ابن العربی کا حق نہیں تھا کہ اس کو نقل کرتے صرف یہی جملہ کہنا چاہیے تھا کہ اسے علام الغیوب ہی جانتا ہے ۱۲

۲؎ اور یہ خیال بھی اسی خیال کی طرح بے بنیاد ہے کہ احنف نے حضرت زبیر کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو کہ پہلے گذر چکا ہے ۱۲

اور کعب بن سور اپنے ہاتھوں میں کھلا ہوا قرآن مجید لے کر نکلے وہ لوگوں کو قسم دیتے تھے کہ بلوائیوں کو قتل کر دو[1]۔ پھر آپ کو کوئی غائبانہ تیر آ کر لگا اور اس کو قتل کر دیا[2] اور شاید طلحہ بھی اسی طرح ہوئے۔

---

[1] کعب بن سور ازدی بصرے کے مسلمان قاضیوں میں سے سب سے پہلے قاضی ہیں۔ ان کو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔ حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے تھے ۱۲

[2] حافظ ابن عساکر نے حضرت طلحہ کے ترجمہ میں ص۸۳ پر فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے کعب بن سور ازدی سے فرمایا "کعب اونٹ سے نیچے اترو اور قرآن مجید لے کر آگے بڑھو اور ان کو قرآن مجید کے فیصلہ کی طرف بلاؤ"۔ اور پھر آپ نے کعب کو قرآن مجید دیا یہ حضرت علی کے لشکر کی طرف آئے۔ آگے آگے سبائی تھے انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں صلح نہ ہو جائے تو حضرت کعب جب ان کے قریب آئے تو قرآن مجید ان کے سامنے کر دیا۔ حضرت علی بلوائیوں کے پیچھے تھے وہ ان کو روکتے رہے اور بلوائیوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ جب کعب نے انہیں بلایا تو انہوں نے ایک ہی دفعہ تیروں کی باڑھ ماری اور ان کو قتل کر دیا۔

پھر حضرت ام المومنین کی طرف تیر پھینکنے لگے۔ وہ ان کو روکنے لگیں جب وہ باز نہ آئے تو حضرت عائشہ نے لوگوں سے کہا "اے لوگو! حضرت عثمان کے قاتلوں اور ان کے مددگاروں پر لعنت کرو"۔ آپ دعا مانگنے لگیں اور اہل بصرہ دعا پر چیخ و پکار اور آہ و زاری کرنے لگے۔ جب حضرت علی نے رونے کی آواز سنی تو پوچھا "یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟" تو لوگوں نے بتایا "حضرت عائشہ اور ان کے ساتھی حضرت عثمان کے قاتلوں اور ان کے مددگاروں پر بددعا کر رہے ہیں"۔ تو حضرت علی بھی اپنے ہاتھ اٹھا کر بددعا کرنے لگے۔ "اے اللہ حضرت عثمان کے قاتلوں اور ان کے ساتھیوں پر لعنت فرما"۔

میں کہتا ہوں اسی طرح فریقین کے نیک لوگ اس دن بھی قاتلان (باقی بر ص۲۶۵)

اور یہ تو معلوم ہے کہ فتنہ اور لڑائی کے وقت دشمنوں اور حاسدوں کو عہد توڑنے اور اسلام کا حلقہ چھوڑنے کا موقع مل جاتا ہے اور کچھ لوگوں کی موت کا وقت آچکا ہے اور وعدے کا وقت تھا جو پورا ہو چکا۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۴) عثمان پر لعنت کرتے رہے جس روز مظلوم امیر المومنین کو شہید کیا گیا اور یہ قاتلان عثمان اس دن بھی نیک دل مسلمانوں میں جنگ کے شعلے بھڑکانے کی کوشش کرتے رہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

لے حافظ ابن عساکر نے ص۸۶-۸۷ پر شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے حضرت طلحہ کو بعض وادیوں میں گرا ہوا دیکھا تو آپ سواری سے نیچے اترے اور آپ کے چہرے سے غبار صاف کیا اور فرمایا "اے ابو محمد یہ میرے لیے نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں تمہیں آسمان کی چھت کے نیچے وادیوں میں اس طرح پھینکا ہوا دیکھوں۔ میں اللہ کی جناب میں اپنے دلی رنج اور دکھ کا شکوہ کرتا ہوں"۔ اور پھر فرمایا۔ "کاش! میں آج سے بیس سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا"۔

حضرت طلحہ کے آزاد کردہ غلام ابو حبیبہ کہتے ہیں کہ میں اور عمران بن طلحہ واقعہ جمل کے بعد حضرت علی کے پاس گئے۔ آپ نے عمران کو خوش آمدید کہا اور ان کو اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا۔ "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے والد کو ان لوگوں میں سے کرے گا جن کے متعلق فرمایا ہے۔ "ہم ان کے دلوں سے تمام کینہ و عداوت دور کر دیں گے اور بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے"

اور حارث[ص] اعور ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "اللہ اس سے بہت

ص یہ حارث بن عبد اللہ ہمدانی حوتی ابو زہیر کوفی ہے۔ یہ کبار شیعہ میں سے تھا۔ شعبی اور ابن المدینی نے اس کو کذّاب کہا ہے میں کہتا ہوں کہ اس کو جھوٹ کی طرف تحزّب اور تشیع مائل کرتا تھا اور تحزّب (گروہ بندی) اور تشیع اور تعصّب مذہبی یہ سب باطل کے دارج ہیں اور اسلام اعتدال اور انصاف اور صدق کا دین ہے حق کہو اگرچہ تمہارے اپنے نفس پر ہی شہادت کیوں نہ ہو ۱۲

پھر اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عائشہ کیوں باہر نکلی تھیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع کے روز کہا تھا کہ یہ حج کر لو اور اس کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھ جانا تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ دو چار ایسی روایات (جو اس لائق ہی نہیں کہ انہیں بیان کیا جائے) اے عورتوں کی سی عقل رکھنے والو کیا تم

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۵) زیادہ انصاف کرنے والا ہے کہ ہم ان کو قتل کریں اور پھر وہ جنت میں ہمارے بھائی بنیں"۔ تو حضرت علی نے اس سے کہا "کسی دو کی سخت ترین زمین میں جا مرو۔ اگر میں اور طلحہ جنت میں اکٹھے نہ ہوں گے تو اور کون ہو گا؟" اور محمد بن عبد اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے دوات اٹھا کر اعور کے منہ پر ماری لیکن وہ بچ گیا۔

اور ابن الکواء نے کہا "اللہ اس سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے"۔ تو حضرت علی نے درّہ اٹھا کر اسے مارا اور کہا تیری ماں مرے کیا تم اور تمہارے ساتھی اس کا انکار کرتے ہو؟

۵ ابن الکوا ء عبد اللہ بن ابی اوفی الیشکری ہے۔ یہ حضرت عثمان کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے والوں میں سے ایک ہے اور جنگ صفین اور تحکیم کے واقعہ کے بعد یہ حضرت علی کے دشمنوں (خوارج) کا سردار بن گیا۔ پھر جب حضرت علی اور ابن عباس نے ان سے بحث کی تو نہروان کی جنگ سے پہلے پھر یہ حضرت علی سے آملا تھا۔)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱ مسند احمد ص۲۱۹ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ حج کیا اور فرمایا یہ حج کر لو پھر اپنے گھروں میں بیٹھ جانا اور دوسری جگہ ص۳۲۴ میں بھی آئی ہے اور حافظ ابن کثیر نے اس کو البدایہ النہایہ ص۲۱۵ میں بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات کی طرف اشارہ تھا کہ میرا یہ آخری حج ہے اور اس میں یہ حکم نہیں تھا کہ اس کے بعد مصلّٰی نہ چھوڑنا اور حج یا کسی اور ضرورت یا لوگوں کی اصلاح کے لیے کبھی باہر نہ نکلنا۔ تو صحابہ کرام کے دشمنوں کا اس حدیث سے مطلق منع سفر پر استدلال کرنا سراسر بہتان ہے کیونکہ یہ استشہاد وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہ تھی۔

سے یہ عہد نہیں لیا گیا کہ ایسے بہتان و افترا اور ایسی روایاتؔ بیان نہ کیا کرو۔

اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ دلائل کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کا باہر نکلنا بالکل صحیح تھا۔ پھر تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن کو خود تم نہیں جانتے اور ایسی باتیں پھر دہراتے جاتے ہو جن کا بے اصل ہونا ثابت ہو چکا ہے گویا کہ تم سمجھتے ہی نہیں (اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں گویا کہ وہ سمجھتے ہی نہیں)

اور جو تم نے حوأب کے پانی کے متعلق شہادت دی ہے تو تم اس میں بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ تمہاری بیان کردہ شہادت کا کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات کہی تھی اور نہ ایسی کوئی گفتگو ہی ہوئی تھی۔ اور نہ ہی کسی آدمی نے کوئی ایسی شہادت ہی دی تھی

لہ امام ابن حزم نے اپنی کتاب "الامامت والمفاضلہ" میں جو کہ فصل کے چوتھے جز کے ۱۲ پر ہے محمد بن جریر طبری سے باسند روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے عمار بن یاسر اور اپنے صاحبزادے حسن کو کوفہ کی طرف بھیجا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ بصرہ پہنچ چکی تھیں جب یہ دونوں کوفہ میں آئے تو لوگ مسجد میں ان کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ تو حضرت عمار نے ان کو خطبہ دیا اور حضرت عائشہ کے بصرہ تشریف لے جانے کا ذکر بھی کیا اور پھر ان سے کہا "میں تمہیں کہتا ہوں اور خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جنت میں بھی بیوی ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں بھی آپ کی بیوی ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے تمہاری آزمائش کرنا چاہا ہے کہ تم حضرت عائشہ کی اطاعت کرتے ہو یا حضرت علی کی"۔

تو مسروق یا ابوالاسود نے ان سے کہا "اے ابوالیقظان! ہم تو پھر اس کا ساتھ دیں گے جن کے لیے جنت کی شہادت دے رہے ہو اور جس کے لیے جنت کی شہادت نہیں دے رہے ہو اس کا ساتھ نہیں دیں گے" تو حضرت عمار خاموش ہو گئے ۱۲

عہ مجھے اس عبارت کی سمجھ نہیں آسکی کہ ابن العربی کا اشارہ کن حدیثوں کی طرف ہے ۱۲ (خالد گرجاکھی)

اور تمہاری یہ جھوٹی شہادت بھی لکھ لی گئی ہے اور تم سے اس کا سوال کیا جائے گا

سلہ حَوأب کے مقام کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے اور یہ کلام جسے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ جب حضرت عائشہ وہاں پہنچیں تو ان کو وہ حدیث یاد آگئی۔ سنت معتبرہ کی کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ تک نہیں ملتا۔ ہمیں یہ خبر طبری ص۱۷۵ میں ملتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ طبری نے اسے اسمٰعیل بن موسٰی فزاری سے روایت کیا ہے اور یہ ایسا آدمی ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ محدثین اس کی حدیث تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ غالی شیعہ تھا اور پھر یہ راوی علی بن عابس ازرق سے روایت کرتا ہے اور نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے اور وہ ابو الخطاب ہجری سے روایت کرتا ہے اور اسے حافظ ابن حجر نے تقریب میں مجہول کہا ہے اور وہ صفوان بن قبیصہ احمسی سے روایت کرتا ہے جسے ذہبی نے میزان الاعتدال میں مجہول کہا ہے۔ یہ ہیں "حواب" کی حدیث کے راوی۔

اور پھر انہوں نے ایک بدوی پر بھی جھوٹ بولا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بدو ان کو راستہ میں ملا اس کے پاس ایک اونٹ تھا جوان کو بڑا پسند آیا اور خیال آیا کہ یہ اونٹ حضرت عائشہ کے لیے بڑا موزوں ہے چنانچہ اس سے خرید لیا اور وہ بدو بھی ان کے ساتھ آیا۔ جب یہ لوگ حَوأب کے مقام پر پہنچے تو اس نے یہ بات سنی۔ اور پھر اس کو اس بدو کی طرف سے روایت کیا حالانکہ وہ خود سننے والوں میں سے تھا اور یہ اونٹ والا اعرابی مجہول الاسم ہے۔ معلوم نہیں سچا ہے یا جھوٹا۔ اور میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ وہ نہ سچا ہے نہ جھوٹا بلکہ وہ ایک فرضی انسان ہے جو دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا اور یہ ساری داستان جھوٹی ہے۔

کیونکہ حضرت عائشہ کے اونٹ کا نام "عسکر" تھا اور اس کو یعلی بن امیہ یمن سے لایا تھا اور حضرت عائشہ اس پر سوار ہو کر مکہ سے عراق آئی تھیں۔ وہ پیدل تھوڑا ہی چل کر آئی تھیں کہ یہاں آکر ان کے لیے ایک بدو سے اونٹ (باقی برص۲۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸)

خریدنے کی ضرورت پیش آئی۔ جوان کے خیال کے مطابق ان کو صحرا میں ملا تھا اور اس کی زبانی یہ بدترین حکایت بیان کی گئی اور یہ صرف اس لیے کہ حضرت زبیر اور طلحہ (جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے) پر یہ الزام لگایا جائے کہ انہوں نے جھوٹی شہادت دی تھی۔

اور اگر ہم کمزور روایات بیان کرنا جائز سمجھتے تو ہم اس خبر کے مقابلہ میں ایک اور خبر بیان کر دیتے جیسے معجم البلدان میں یاقوت حموی نے مادہ حوأب کے تحت نقل کیا ہے کہ سیف بن عمرو تمیمی کہتے ہیں کہ جس عورت پر حوأب کے کتے بھونکے تھے وہ ام زمل بنت مالک فزاریہ تھی جس نے ظفر سے لے کر حوأب تک مرتد لوگوں کی راہنمائی کی تھی۔ پھر مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور حضرت عائشہ کو خدمت کے لیے دے دیا۔ پھر حضرت عائشہ نے اس کو آزاد کر دیا۔ یہ حدیث اس عورت کے متعلق تھی اور ہم کہتے ہیں کہ یہ خبر ضعیف ہے اور حضرت عائشہ کے متعلق جو کہا گیا ہے وہ اس سے بھی ضعیف تر ہے۔ اور جھوٹ ایک ایسا سامان تجارت ہے جس کی تجارت وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا ۱۲

قاصمہ

اور شامیوں اور عراقیوں[ا] میں جنگ چھڑی۔ اہل عراق حضرت علی کی بیعت اور امام پر اتفاق کرنے کو کہتے اور شامی لوگ حضرت عثمان کے قاتلوں کی سپردگی کا دعویٰ کرتے اور کہتے کہ ہم ایسے آدمی کی بیعت نہیں کریں گے جس نے قاتلوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے[۲]۔

[ا] یہ جنگ موضع صفین میں ہوئی جو رقہ کے قریب دریائے فرات کے کنارے شام اور عراق کی سرحد پر واقع ہے۔ حضرت علی ذی قعدہ ۳۶ھ کے آخر میں اپنی فوج لے کر یہاں پہنچے۔ ۱۲ ص

[۲] جب حضرت علی جنگ جمل سے فارغ ہوئے اور بصرہ سے کوفہ کی طرف آئے۔ تو ۱۲ رجب سوموار کا دن تھا۔ پھر آپ نے جریر بن عبد اللہ بجلی کو دمشق امیر معاویہ کے پاس بھیجا اور انہیں اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ امیر معاویہ نے بڑے بڑے صحابہ اور لشکر کے سپہ سالار اور شام کے مشہور و معروف لوگوں کو جمع کیا اور حضرت علی کا مطالبہ پیش کر کے مشورہ لیا تو سب نے کہا "ہم ان کی بیعت اس وقت کریں گے جب وہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لیں گے اور یا پھر انہیں ہمارے سپرد کر دیں"۔

تو جریر یہ جواب لے کر واپس ہوئے۔ حضرت علی نے کوفہ پر ابو مسعود عقبہ بن عامر کو اپنا قائم مقام بنایا اور کوفہ سے لشکر نکل آئے جب مقام نخیلہ پر پہنچے جو شام کی طرف عراق کی پہلی منزل تھی تو کچھ لوگوں نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ خود کوفہ میں رہو اور شام کی طرف کسی اور کو بھیج دو۔ تو آپ نے انکار کر دیا جب امیر معاویہ (باقی برصفحہ ۲۷۱)

[Margin note, written vertically:] ص صفین کے مقام پر تو صفر ۳۶ھ میں پہنچ گئے تھے اور فریقین آمنے سامنے آ گئے تھے اور پانی کے معاملہ پر معمولی جھڑپ بھی ہوئی تھی لیکن باقاعدہ جھڑپیں ذیقعد ۳۶ھ میں شروع ہوئیں جو یا آخر صفر ۳۷ھ میں ختم ہوئی تو گویا سال سے بھی زائد فوجیں آمنے سامنے بیٹھی رہیں (۱۸)

اور حضرت علی کہتے "میں مدعا علیہ سے مدعی کا حق اس وقت تک نہیں دلا سکتا جب تک کہ باقاعدہ کوئی حاکم عدالت اس کا فیصلہ نہ کرے"۔ اور امیر معاویہ کہتے "ہم ایسے آدمی کی بیعت نہیں کریں گے جو حضرت عثمان کا قاتل ہے۔ یا اس پر قتل کا الزام ہے اور حضرت علی بھی ہمارے مدعا علیہم میں سے ایک ہیں۔ ہم ان کا فیصلہ کیسے قبول کرلیں اور ان کی بیعت کیسے کریں۔ حالانکہ ہمیں شکایت ہے کہ خلیفہ نے زیادتی کی ہے اور حد سے تجاوز کیا ہے"۔
اور پھر انہوں نے اس کی تفاصیل مرتب کیں اور ایسے کلمات لکھے جن

(بقیہ حاشیہ ص۲۷۰)

رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود آرہے ہیں تو ان کے ساتھیوں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ بھی خود نکلیں۔

چنانچہ شامی فرات کی طرف صفین کی راہ پر نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنا لشکر لے کر اسی جانب آئے۔ حضرت علی کے لشکر میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی تھے اور امیر معاویہ کے لشکر میں نوّے ہزار۔

یہ جنگ ذی الحجہ ۳۶ھ کے اواخر میں شروع ہوگئی۔ پھر محرم ۳۷ھ کے مہینہ میں جنگ بند رہی اور صفر میں پھر شروع ہوگئی اور ایک سو دس دن تک چلی گئی جس میں نوّے جھڑپیں ہوئیں اور فریقین کے ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ اور یہ جنگ شجاعت کی ایک مثال بن گئی۔ جب صلح یا آرام کا وقت ہوتا تو فریقین ایک دوسرے سے ملتے جلتے۔ ایک دوسرے کے کام آتے۔

اور پھر ۱۳ ؍صفر ۳۷ھ کو تحکیم کا معاہدہ ہوا تھا کہ فریقین کے ثالث آئندہ رمضان شریف میں دومۃ الجندل کے علاقہ میں اذرح کے مقام پر ان دونوں کے متعلق اپنا فیصلہ سنائیں گے ۱۲

سے کئی رسالے[1] تیار ہوئے۔ پھر اقوال کا استخراج کیا۔ اشعار بنائے گئے۔ اور ایسے محاورے تیار ہوئے جو سلف کی سیرت کے قطعاً مخالف ہیں جنہیں نالائق لوگوں نے قبول کیا اور نیک لوگوں نے ردّ کر دیا۔

---

[1] یعنے جھوٹی کتابیں تیار ہوئیں۔ جن کا کوئی اصل نہیں ہے۔ اور شیعہ اخباریوں کی روایات میں تم اکثر مجہول اور کذاب راوی دیکھوگے۔ شیعہ میں سب سے نرم ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں۔ "ابو مخنف اخباری آدمی ہے جھوٹی روایات بناتا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے"۔ ابو حاتم وغیرہ نے اس کی روایات کو چھوڑ دیا ہے۔

ابن عدی نے اس کے متعلق کہا۔ "شیعہ ہے۔ اس کے سینہ میں صحابہ کی دشمنی کی آگ ہے اور شیعہ کا خبریں بیان کرنے والا ہے"۔ پھر اس کے بعد دوسرے شیعہ آئے وہ تاریخ اسلام کے لیے اس لوط سے بھی بدتر تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے اسلاف کی ماضی کی تاریخ کو بگاڑ کر رکھ دیا ۱۲

عاصمۃ

اور یہ جو ان میں جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علی کی طرف تھا۔ کیونکہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے۔ بلکہ حق کا اس سے مطالبہ کرے۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جاتا ہے تو فبہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے۔ کتنے ہی ایسے حق ہیں جن کا فیصلہ اللہ تعالے کر دیتا ہے اور اگر قاضی بے دین ہو تو پھر اس کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے لیے دنیا اور آخرت میں ایک عذر ہوگا۔[۱]

۱؎ حضرت عثمان کے قاتلوں کا حضرت علی کے لشکر میں موجود ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اشتر نخعی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا سرغنہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے خلاف سب سے زیادہ جنگ کی آگ بھڑکانے والا تھا یہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھا جب حضرت علی نے امیر معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ اور تابعین سے بیعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حضرت علی سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں پہ حد پوری کرو یا ان کو ہمارے سپرد کرو ہم ان پر حد پوری کرتے ہیں تو اس کے بعد بیعت کریں گے۔

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت علی مجبور ہو چکے تھے کیونکہ جب یہ باغی لوگ حضرت علی کے ساتھ عراق پہنچ گئے تو ان کے قبائل کی امداد کی وجہ سے ان کی طاقت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی اور وہ محفوظ ہو چکے تھے اور حضرت علی اپنے دل میں یہ سمجھ رہے تھے (باقی برصفحہ ۲۷۴)

(بقیہ حاشیہ ص۲۷۳)

کہ ان کے قتل کرنے سے فتنہ کا ایک ایسا دروازہ کھل جائے گا جسے بند کرنا ناممکن ہوگا۔ اور اس حقیقت کو ایک جلیل القدر صحابی قعقاع بن عمرو تمیمی نے محسوس کیا اور حضرت عائشہ اور ان کے دونوں ساتھیوں حضرت زبیر و طلحہ سے جا کر اس کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے اس کو درست تسلیم کیا اور حضرت علی کو معذور سمجھا اور حضرت علی کے ساتھ صلح کرنے کے بعد ان کے متعلق متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کرنے پر تیار ہو گئے کہ اس فتنہ کو کس طرح ختم کیا جائے۔

پھر حضرت عثمان کے قاتلوں نے اتنی مہلت ہی نہ دی اور جنگ کے شعلے بھڑکا دئے اب حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے بھی معذور ہو گئے کیونکہ وہ حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ خواہ وہ اصحاب جمل ہوں یا شامی لوگ اور حضرت علی کی طرف سے اس معاملہ میں جو دیر ہو رہی تھی وہ ایک مجبوری کی بنا پر تھی جو سب کو معلوم ہے لیکن جب بصرہ کی جنگ حضرت عثمان کے قاتلوں کی وجہ سے فریقین میں شروع ہوئی تھی تو اسلام کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دونوں فریقوں میں اب صفین کی جنگ نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسن بن علی اپنے والد ماجد کے مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہونے کو اسی لیے ناپسند کرتے تھے کہ ان کو شامی لوگوں سے جنگ کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور پھر اگر حضرت علی کوفہ سے جنگ کرنے کے لیے خود نہ آجاتے تو امیر معاویہ بھی بالکل حرکت نہ کرتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ص۲۱۹/۲ پر فرمایا ہے کہ "امیر معاویہ ابتداء میں جنگ کرنا بالکل ناپسند کرتے تھے"۔ اور اس کے باوجود یہ جنگ انسانی ابتدائی جنگوں میں ایک مثالی جنگ تھی جس میں فریقین نے ان فضائل کا پورا پورا لحاظ رکھا جن کے متعلق آج اکیسویں صدی میں بھی عقلاء خواہش کرتے ہیں کہ جنگی قوانین اس طرح کے ہو جائیں اور اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو اسلامی جنگوں کے بہت سے فقہی مسائل آج ہم کو معلوم نہ ہو سکتے اور نہ ان کی تدوین ہوتی اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی (باقی بر صفحہ ...)

(بقیہ حاشیہ ص۲۷۴)

حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔

ھ جنگ صفین میں فریقین کا کردار یہ تھا کہ دونوں میں کوئی بھی جنگ کرنا نہ چاہتا تھا سوائے اس باغی گروہ کے جو حضرت علیؓ کے لشکر میں تھا۔ حضرت علی اور ان کے ساتھی بھی جنگ کرنا نہ چاہتے تھے۔ اور اگر واقعی جنگ کرنا چاہتے تھے تو پھر مانع کیا چیز تھی کہ فریقین صفین کے میدان میں ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ بیٹھے رہے۔ معمولی جھڑپیں ہوتی تھیں اس کے بعد کئی کئی دن تک جنگ نہ ہوتی اور مہینہ مہینہ بھر آپس میں ملتے کھاتے پیتے ایک دوسرے کے پیچھے بسا اوقات نمازیں بھی پڑھ لیتے۔ حقیقت یہی ہے کہ فریقین جنگ نہ چاہتے تھے اور اگر حضرت علی کو باغی گروہ صفین کے میدان میں آنے پر مجبور نہ کر دیتا تو امیر معاویہ بالکل مقابلے پر نہ آتے۔

حضرت امیر معاویہ تو مجبوراً دفاع کے لیے آگے بڑھے اور پھر سال سوا سال تک جنگ نہ ہوئی بلکہ مخلصین کا گروہ ایک دوسرے سے اصلاح و صلح پر آمادہ کرتا رہا لیکن یہاں بھی باغیوں کا جنگ جمل والا داؤ کارگر ہوا اور جنگ شروع ہو گئی جو صرف تین چار دن ہوئی جس کو بند کرانے کے لیے حضرت عمرو بن عاص نے وہی طریق اختیار کیا جو طریقہ حضرت علی نے جنگ جمل بند کرانے کے لیے اختیار کیا تھا۔ یعنی قرآن کو کھڑا کر کے لوگوں کو قرآنی احکام کی پیروی کی طرف بلایا اور جنگ بند کر کے قرآن کے فیصلہ پر لوگوں کو آمادہ کیا جسے فریقین نے بخوشی قبول کر لیا۔

اور فریقین نے دو ثالثوں کو صلح کا معاملہ سپرد کر کے واپسی اختیار کی۔ اور پھر قریباً چھ ماہ بعد ثالثی فیصلہ یہ ہوا کہ خلافت کا معاملہ صحابہ کے سپرد کیا جائے۔ اور فریقین یعنی حضرت علی و حضرت معاویہ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں عبوری سربراہ کے طور پر انتظامات قائم رکھیں۔ چنانچہ اس کے بعد پھر آپس میں جنگ کا سوال ہی پیدا نہ ہوا (تفصیل کے لیے میری کتاب سیرۃ الآخرین ملاحظہ فرمائیں)

(خالد محمود جالندھری)

اور اگر حضرت عثمان کے قتل کا الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لگایا جائے تو پھر مدینہ منورہ کے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتا اور یا پھر یقین سے کہو کہ حضرت علی حضرت عثمان کے قاتل ہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کے لیے ایک ہزار آدمی آیا تھا۔ یہ ایک ہزار آدمی چالیس ہزار صحابہ پر غالب نہ آسکتا تھا۔[1]

اور کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی۔ طلحہ اور زبیر سب نے حضرت عثمان کے قتل کا ارتکاب کیا ہے اور باقی مہاجرین اور انصار صحابہ اور جو لوگ ان کے ساتھ شمار کیے جاتے ہیں اور ان سے ملحق ہیں انہوں نے حضرت عثمان کی مدد نہ کر کے کیا

---

[1] اہل سنت میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حضرت عثمان کے قتل میں حضرت علی کو ملوث سمجھتا ہو نہ ہمارے زمانہ میں اور نہ ان کے اپنے زمانہ میں اور اس کے متعلق اس کتاب میں پہلے بحث ہو چکی ہے۔ ساری بحث صرف اس امر میں ہے کہ حضرت عثمان کے قاتل حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور حضرت علی کا ان سے کیا رویہ تھا اور اس معاملہ میں ان کا عذر کیا تھا۔ سو ہم سب حضرت قعقاع بن عمرو کی رائے پر متفق ہیں کہ حضرت علی نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ ضرورت کے ماتحت تھا۔ صرف چند ایک بیوقوف شیعوں نے حضرت علی کے ذمہ کچھ ایسی باتیں لگا دی ہیں جو کہ حضرت عثمان سے حضرت علی کی فساد کے دلوں میں محبت پیار اور مدد کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ وہ چونکہ حضرت عثمان کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے حضرت علی کے ذمہ یہ باتیں لگا کر علی کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ کیا۔ باقی رہے امیر معاویہ اور ان کے ساتھی تو انہوں نے بھی حضرت عثمان کے قتل کے معاملہ میں علی پر صرف قاتلوں کو پناہ دینے اور ان کی مدد کرنے کا الزام لگایا ہے تو اس ضمن میں قاتلان حضرت عثمان نے اسلام اور عثمان اور علی تینوں پر ظلم کیا ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ ہی کرنے والے ہیں اور اگر مسلمان عبدالرحمن بن خالد بن ولید جیسی احتیاط کرتے تو معاملہ جہاں تک پہنچا کبھی نہ پہنچتا۔ نہ یہ فتنہ پیدا ہوتا نہ عقلمندوں کے ہاتھ سے لگام چھوٹتی ۱۲

کیا ہے ؟

اور پھر یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ان لوگوں نے باغیوں کے مطالبہ کو درست تسلیم کیا تو پھر یہ حضرت عثمان کے خلاف شہادت ہے تو باغیوں کو اس مطالبہ کا حق نہیں پہنچتا۔ اور اگر یہ لوگ اس کو صحیح نہ سمجھتے تھے۔ اور پھر انہوں نے حضرت عثمان کی مدد دین سے تمسخر کی وجہ سے نہیں کی اور ان کی رائے میں حضرت عثمان صحیح تھے اور پھر انہوں نے اسلام کی پروا نہیں کی اور نہ اس چیز کی پروا کی کہ دین میں خلل واقع ہو گا تو یہ ارتداد ہے۔ گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ دین کی حدود سے مستی کرنا اور شریعت کی حرمات کو ضائع کرنے کے لیے چھوڑ دینا کفر ہے۔ اور اگر وہ اس لیے بیٹھ رہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ حضرت عثمان پر اس طرح دست درازی نہ کریں گے اور نہ ہی اس کا اندازہ معلوم ہو سکا ہو تو پھر ان کا اس میں کونسا گناہ ہے ؟

اور پھر مروان کے پاس کیا دلیل رہ جاتی ہے ؟ جب کہ وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر حسن حسین اور ابن عمر اور باقی عشرہ مبشرہ کے افراد اور ان کی اولاد بھی اس کے ساتھ حضرت عثمان کے گھر میں موجود ہیں اور اسلحہ اور ہتھیار زیب تن کیے تیار بیٹھے ہیں اور پھر مطالبہ کرنے والے دیکھتے ہیں اور اگر ان کے پاس طاقت ہوتی اور کوئی صحیح وثیقہ ان کے قبضہ میں ہوتا تو وہ کسی آدمی کو بھی مکان میں داخل نہ ہونے دیتے نہ وہاں کسی کو آنے دیتے اور وہ تو برابر دیکھ رہے تھے اور اگر ان بلوائیوں کے سامنے حضرت حسن حسین عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ہی مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تو باغی اتنی جسارت نہ کر سکتے اور اگر وہ ان کو قتل کر دیتے تو ان میں سے ایک آدمی بھی زمین پر زندہ نہ رہتا۔

لیکن حضرت عثمان نے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا تو ان کو ان کی رائے پر چھوڑ دیا گیا اور یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جیسا کہ ہم پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں۔

اور حضرت علی کے پاس آخر اس بات کا کیا جواب ہوتا کہ جب آپ کی بیعت پوری ہو جاتی۔ پھر حضرت عثمان کے ولی ان کے پاس حاضر ہو کر کہتے کہ خلیفۃ المسلمین پر ایک ہزار آدمی نے غلبہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا اور وہ آدمی معلوم ہیں تو حضرت علی آخر یہی کہتے کہ اپنا دعوی ثابت کرو اور حق لے لو اور جس دن وہ حق ثابت کر دیتے اسی روز مل جاتا۔ مگر اس صورت میں کہ باغی یہ ثابت کر دیتے کہ واقعی حضرت عثمان قتل کے مستحق تھے[۵]

---

[۵] مؤلف اس چیز کے معترف ہیں کہ اثبات ممکن تھا۔ کیونکہ یہ جرم عوام کی موجودگی میں ہوا اور مجرموں نے اپنی بدکرداری کا کھلم کھلا ارتکاب کیا اور اسے چھپانے کی کوشش بالکل نہیں کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قاتلان حضرت عثمان پہ حدود کیسے جاری ہوتیں اور کون اسے نافذ کرتا۔ مدینہ منورہ پہ تو اس وقت خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ اور پھر اگر حضرت علی واقعی حکم نافذ کر بھی دیتے تو ان کے زندہ رہنے کی کون ضمانت دے سکتا تھا؟ کیا یہ وہی لوگ نہیں تھے کہ جب ذی قار میں حضرت علی نے اپنے بصرہ جانے سے پہلے قبائل کے اوباش لوگوں کو خطبہ دیا تو یہ حضرت علی کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ (طبری ص ۱۶۵)

اور کیا پھر واقعہ جمل کے بعد جب حضرت علی نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس کو بصرہ پہ عامل مقرر کر دیا تو یہی اشتر نخعی حضرت علی پر ناراض نہیں ہو گیا تھا کہ مجھے کیوں عامل نہیں بنایا گیا اور پھر ان سے ناراض ہو کر علیحدہ ہو گیا تھا؟ اور پھر حضرت علی نے اس سے ملاقات کر کے اس کی ناراضگی کا ازالہ کیا تاکہ اس کے فتنہ سے بچ سکیں (طبری ص ۱۹۴/۵ اور پہلے اس کتاب میں بھی گذر چکا ہے)

اور حضرت علی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے کیا اسی بیج سے پیدا نہیں ہوتے تھے؟ اور کیا پھر جب حضرت علی شہید ہوئے تو انہی کے ہتھیاروں سے شہید نہیں ہوئے جن سے حضرت عثمان شہید ہوئے تھے ۱۲

اور خدا کی قسم مسلمانو! تم جان لیتے کہ کبھی بھی حضرت عثمان پر ظلم روا نہ رکھا جاتا بشرطیکہ حالات درست ہوتے اور مدعی علیہ پر قابو پانا آسان ہوتا اور مطالبہ کرنے والے اپنے دعوے کو ثابت کر دیتے[1]

اور جس چیز سے یہ سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امیر معاویہ جب امامت عظمیٰ پر متمکن ہوئے تو وہ بھی حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے کسی ایک آدمی کو بھی قتل نہ کر سکے اور جو قتل ہوا وہ کسی مقدمہ کے تحت باقاعدہ قتل ہوا اور یا پھر جنگ میں تاویل کے ساتھ قتل ہوا اور یا پھر کسی حیلہ سے قتل ہوا[2] یہاں تک کہ حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا اور یہ لوگ صرف الزام کی بنا

---

[1] ان باغیوں سے صرف اسی وقت قصاص لیا جا سکتا تھا جبکہ مدینہ منورہ میں کوئی ایسی طاقت ہوتی جس کی تمنا حضرت عثمان کو تھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ دمشق سے مدینہ کو ایک فوج روانہ ہو چکی تھی مگر جب ان کو حضرت عثمان کی شہادت کی خبر ملی تو وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئی اور سارا مدینہ منورہ باغیوں کے قبضہ میں رہا حتیٰ کہ حضرت علی کی بیعت کے بعد بھی انہی کا غلبہ تھا اگرچہ وہ ایسی بیعت کرنے پر رضامند ہو چکے تھے جس میں ان کو کسی قسم کی تکلیف کا اندیشہ نہ تھا۔ اور یہ یقینی بات ہے اگر ان کے خلاف اللہ کی حدود قائم کرنے کے احکامات صادر ہو جاتے تو وہ درندہ جانوروں کی طرح بھاگ جاتے ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ کی سطوت اور اس کا انتقام قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں سے اکثر پر نازل ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اگر کوئی باقی رہا بھی تھا تو وہ خوفزدہ اور پریشان تھا۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے رہتے جب ان کی برائی ختم ہو گئی اور ان کی سطوت جاتی رہی تو پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پیچھا کرنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اور پھر اتنا عرصہ بعد دعوے کا اثبات بھی مشکل ہو چکا تھا لہذا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا ۱۲

[3] اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ امیر معاویہ ان کو قاتل نہ سمجھتے تھے یا ان پر دسترس نہ رکھتے تھے بلکہ ان کو قتل نہ کرنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ حضرت حسن سے خلافت سپرد کرتے وقت یہ معاہدہ کیا تھا کہ کسی کو قتل نہ کیا جائے ۱۲

پر بھی قتل کر دیتے تھے تحقیق کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۱۔ تو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے
دورِ حکومت میں وہی کچھ کرتے رہے جس کا حضرت علی سے مطالبہ کرتے تھے
اور جس چیز سے تمہارے سینے ٹھنڈے ہو جائیں گے وہ یہ ہے کہ نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا اور اشارہ بھی کیا اور صاف طور پر بھی کہا اور
خارجیوں کے متعلق آگاہ کیا اور فرمایا۔ ان کو وہ قتل کرے گا جو دونوں جماعتوں
میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا۲۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں میں سے
ہر ایک فرقے کا تعلق حق سے ضرور ہوگا لیکن حضرت علی کی جماعت حق کے زیادہ
قریب تر ہوگی۳۔

۱؎ مؤلف۔ اسیرہ بن ضبابی اور کمیل نخعی کے حادثہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن کا تذکرہ
پہلے ہو چکا ہے ۱۲

۲؎ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے کہ جب مسلمانوں میں
افتراق پیدا ہوگا تو ان میں سے ایک جماعت نکلے گی جو دین سے بے بہرہ ہوگی ان کو وہ قتل
کرے گا جو ان میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا ۲

۳؎ اہل سنت محمدی لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ حضرت علی اور معاویہ اور ان دونوں کے
ساتھ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے یہ سب اہل حق تھے اور اس معاملہ میں
مخلص تھے اور وہ جو ان میں اختلاف پیدا ہوا وہ صرف اجتہاد سے ہوا جس طرح کہ دوسرے
مجتہدین میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ چونکہ اپنے اجتہاد میں مخلص تھے لہٰذا وہ
دونوں حالتوں (خطا و صواب) میں اجر کے مستحق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ غلطی کرنے والے
کے لیے ایک اجر ہے درست اجتہاد والے کا اجر دگنا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد
کوئی آدمی بھی غلطی سے معصوم نہیں اور بعض مجتہد اگر ایک معاملہ میں غلطی کرتے ہیں تو دوسرے
معاملہ میں وہ صحیح ہوتے ہیں اور اسی طرح دوسرے مجتہد بھی۔
اور جو لوگ حضرت عثمان کے خلاف فتنہ کھڑا کرتے ہیں مسلمانوں سے (باقی بر صفحہ ۲۸۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸۰)

الگ ہوئے تو یہ ان دو جماعتوں میں شامل نہیں ہیں جو حق پر ہیں اگرچہ وہ بعد میں ان کے ساتھ شامل ہو کر لڑنے لگے ہوں۔ اس لیے کہ جن لوگوں کے ہاتھ اور نیتیں اور دل حضرت امیر المومنین عثمان کے خون سے ملوث ہو چکے ہیں اور ظلم اور سرکشی کا ارتکاب کر چکے ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں وہ شرعی حد کے قیام کے مستحق تھے خواہ خلیفہ وقت ان کے خلاف حد قائم کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا نہ۔ اور چونکہ خلیفہ کو اس وقت ان کے خلاف حد قائم کرنے کی طاقت نہیں تھی یہ باغی لوگ ان سے مل گئے اور جب بھی ان کو معلوم ہوا کہ نیک دل مسلمانوں میں صلح اور اتفاق ہونے والا ہے تو انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ جیساکہ انہوں نے واقعۂ جمل اور اس کے بعد کی جنگ میں کیا۔

یہ لوگ ایسی حالت پر جب تک رہیں ان کا گناہ پر اصرار شمار ہو گا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں جماعتیں حق پر تھیں تو ہماری مراد دونوں جماعتوں کے صحابہ کرام سے ہوتی ہے اور باقی پھر وہ تابعی جو صحابہ کرام کے پیرو تھے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کو جنت کی بشارت ملی ہے کا مقام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ ایماندار دل کے مالوں میں بہت بلند ہے اور دونوں ہی اہل خیر سے ہیں پھر جب ان میں اہل شر داخل ہو گئے تو پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ۲۷۷ میں عبد الرحمن بن زیاد بن انعم شعبانی قاضی افریقہ (متوفی ۱۵۶ھ) سے روایت کیا ہے۔ (اور یہ بڑا نیک آدمی اور امر بالمعروف کرنے والا شخص تھا) آپ نے اہل صفین کا ذکر کیا اور فرمایا "یہ عرب لوگ تھے ان کے بعض بعض سے جاہلیت میں بھی واقف تھے پھر جب اسلام اور سنت اسلام پر یہ لوگ آپس میں مقابل ہوئے تو یہ لوگ اپنی جگہ پر قائم رہے اور دیکھ لئے ہیں ان نحوس کی جیسے یہ لوگ جنگ بند کر دیتے تھے تو آپس میں گھل مل جاتے۔ ادھر کے آدمی ادھر چلے جاتے اور ادھر کے ادھر اور پھر شہیدوں کو مل کر دفن کرتے"۔ (باقی بر صفحہ ۷۸۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ایک دوسری پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو پھر اگر وہ شرارت سے باز آ جائے تو ان میں انصاف اور عدل سے صلح کرا دو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں" (حجرات) تو ان کو تاویلی بغاوت کی وجہ سے "ایمان" سے خارج نہیں کیا اور نہ ہی ان سے بھائی کا اسم چھینا گیا اس لیے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو" (حجرات)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کے متعلق فرمایا تھا کہ "تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی"۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) تو بتایا کہ یہ سب جنتی لوگ ہیں جن کا آپس میں مقابلہ ہوا اور ان میں سے کوئی بھی الیمانہ تھا جو جنگ احد سے بھاگا ہو ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ لوگ ایک ایک پتھر اٹھا کر لاتے اور حضرت عمار دو دو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق یہ کلمہ فرمایا تھا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری نے عکرمہ اور علی بن عبد اللہ بن عباس سے فرمایا اور یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر میں مروی ہے۔ اور امیر معاویہ اپنی طرف سے یہ سمجھ رہے تھے کہ جنگ صفین میں ان کی طرف سے زیادتی نہیں ہوئی ہے کیونکہ وہ اس کے خواہشمند نہ تھے اور نہ انہوں نے اس کو شروع کیا تھا اور جنگ کے لیے اس وقت آئے جب حضرت علی کوفہ سے آ چکے تھے اور پھر آپ نے اپنے لشکر کو نخیلہ پر لا کر کھڑا کیا تاکہ شام کی طرف چلے جائیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی لیے جب ان کو حضرت عمار کے قتل ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے فرمایا "عمار کو اس نے قتل کیا جو ان کو لے کر آیا تھا"۔ اور میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل سے لے کر جتنے بھی مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں ان سب کا گناہ حضرت عثمان کے قاتلوں پر ہے (باقی ص ۲۸۵)

اور امام حسن کے متعلق فرمایا۔ میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ شاید اللہ تعالےٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان اس کی وجہ سے صلح کرا دے۔" تو آپ نے حضرت حسن کی اپنی خلافت سے دستبرداری اور اس طرح سے امت کی صلاح کو پسند فرمایا۔[1]

اور اسی طرح یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں اجازت دی کہ آپ اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیں اور آج کی رات روزہ ہمارے پاس افطار کریں۔[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲) کیونکہ انہوں سے ہی اس فتنہ کا دروازہ کھولا اور انہوں نے ہی یہ آگ لگائی اور انہوں نے ہی مسلمانوں کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق شعلے بھڑکائے تو گویا کہ یہی لوگ حضرت عثمان کے بھی قاتل تھے اور یہی لوگ ہر اس آدمی کے قاتل ہیں جو ان کے بعد قتل ہوئے اور انہی میں عمار بھی ہیں اور طلحہ اور زبیر بھی جو عمار سے بھی افضل تھے۔ یہاں تک کہ ان کا یہ فتنہ اس وقت ختم ہوا جب انہوں نے حضرت علی کو بھی قتل کر ڈالا۔ حالانکہ یہ لوگ حضرت علی کے لشکر میں تھے اور اس جماعت میں تھے جس میں حضرت علی تھے۔

تو یہ حدیث نبوت کی پیشگوئیوں سے ہے اور وہ دو جماعتیں جنہوں نے صفین میں جنگ کی کہ وہ دونوں مومن ہیں اور حضرت علی امیر معاویہ سے افضل ہیں اور یہ دونوں صحابی اور دولت اسلام کے بہت بڑے ستون ہیں اور یہ جتنے بھی فتنے اٹھے ان کا گناہ ان کی آگ بھڑکانے والوں کے ذمہ ہے۔ کیونکہ وہی اس کا پہلا سبب ہیں اور یہی وہ باغی جماعت ہے جس کے سبب سے ہر وہ آدمی قتل ہوا جو جنگ جمل اور صفین اور ان سے پیدا ہونے والی جنگوں میں شہید ہوا۔ ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اس کے متعلق تفصیلی گفتگو اس مقام پہ ہو گی جہاں حضرت حسن اور امیر معاویہ کی صلح کا تذکرہ ہو گا۔ ۱۲

[2] اس کے متعلق پہلے تذکرہ گذر چکا ہے ۱۲

تو یہ تمام امور جھگڑے کی صورت میں پیدا ہوئے اور نہ یہ فقہ کے طریق سے الگ صورت رکھتے ہیں اور نہ یہ اس اجتہاد سے مختلف ہیں جن میں خطا کرنے والے مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے اور درست اجتہاد والے کو دس گنا۔

اور اس کے خلاف جو روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں ان کا ایک حرف بھی اس قابل نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ وہ سب باطل اور جھوٹ ہیں۔

لہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰ میں کہا ہے کہ امیر معاویہ خود جنگ کی ابتدا نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو اور آپ کے علاوہ دوسرے جنگ کے خواہشمند تھے اور صفین کی جنگ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ "دونوں مجتہد تھے اور دونوں درست تھے"۔ یہ اہل کلام اہل فقہ و حدیث میں سے اکثر کا مسلک ہے جو اس چیز کے قائل ہیں کہ "ہر مجتہد مصیب ہے اور یہ دونوں ہی مجتہد تھے" اور یہی قول ہے اکثر اشعریہ۔ کرامیہ اور فقہاء وغیرہم کا اور امام ابوحنیفہ شافعی، احمد اور دوسرے ائمہ کے اکثر اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

اور کرامیہ کہتے ہیں کہ دونوں ہی امام ہیں اور مُصیب ہیں کیونکہ وہ ضرورت کے وقت دو امیروں کا تقرر کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک مصیب ہے اور دوسرا مخطی اور ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے اور یہ ان کی ایک جماعت کا قول ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے حضرت علی مصیب ہیں اور امیر معاویہ مجتہد مخطی۔ جیسا کہ اہل کلام اور چاروں مذاہب کے فقہاء میں سے بعض کا خیال ہے۔

اور ان تینوں اقوال کو ابوعبداللہ حامد حنبلی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ درست تو یہ تھا کہ لڑائی نہ ہوتی اور لڑائی کا نہ ہونا دونوں باقی بر ص ۲۸۵

(بقیہ حاشیہ ص۲۸۴)

دونوں جماعتوں کے لیے بہتر تھا اور لڑائی کرنے میں تو کوئی درستی نہیں ہے۔ لیکن حضرت علی امیر معاویہ کی نسبت حق سے زیادہ قریب تھے اور یہ لڑائی فتنہ کی لڑائی تھی۔ نہ تو یہ واجب تھی نہ مستحب اور جنگ نہ کرنا دونوں جماعتوں کے لیے بہتر تھا لیکن اس کے باوجود حضرت علی حق سے زیادہ قریب تھے اور یہ قول امام احمد اور اکثر اہل حدیث اور اکثر ائمہ فقہاء کا ہے اور یہی قول اکابر صحابہ اور تابعین کا ہے اور یہی قول ہے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا۔ آپ اس لڑائی کے لیے اسلحہ کی خرید و فروخت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے یہ فتنہ میں ہتھیاروں کا بیچنا ہے اور یہی قول ہے حضرت اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، ابن عمر، سعد بن ابی وقاص اور اکثر ان لوگوں کا جو انصار و مہاجرین میں سابقون الاولون تھے۔ رضی اللہ عنہم

اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کرام کی جنگوں سے زبان بند رکھنی چاہیئے کیونکہ ان کے فضائل ثابت ہو چکے ہیں اور ان کی دوستی اور محبت واجب ہے ۱۲

قاصمۃ التحکیم

تحکیم کا حادثہ

اور تحکیم کے متعلق بہت سے لوگوں نے ایسا فیصلہ کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے جب تم انصاف کو چھوڑ کر ہمدردی کے رنگ میں دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ ایک بیوقوفی ہے جس کے تحریر کرنے پر اکثر لوگوں کو بے دینی نے آمادہ کیا ہے اور کچھ لوگوں کو جہل مرکب نے۔

اور اس میں سے جو صحیح ہے وہ وہی ہے جسے ائمہ نے روایت کیا ہے جیسے خلیفہ بن خیاط[۱] اور دارقطنی[۲] وغیرہ نے کہ جب عراقی لوگ ایک لاکھ اور شامی

---

[۱] آپ امام حافظ ابو عمرو خلیفہ بن خیاط عصفری بصری ہیں۔ یہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں سے ہیں۔ ابن عدی نے آپ کے متعلق کہا ہے "یہ سچے ہیں ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ حدیث کے ہوشیار راویوں میں سے ہیں" ۲۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ۱۲

[۲] آپ امام حافظ ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی ہیں (۳۰۶ تا ۳۸۵ھ) حدیث میں جلالت کے باوجود فقہاء شافعیہ میں سے ایک امام ہیں۔ ادب اور شعر میں بھی دستگاہ رکھتے تھے بغداد سے مصر آئے تاکہ ابن حنزابہ کافور کا وزیر آپ کی مسند کی تالیف پر کچھ امداد کرے تو وزیر مذکور نے آپ کی بہت عزت کی۔ حافظ عبد الغنی بن سعید نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے متعلق تین آدمی اپنے اپنے وقت میں سب سے بہترین کلام کرنے والے تھے۔ علی بن مدینی۔ موسیٰ بن ہارون خیبی اور دارقطنی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۱۲

لوگ ستر ہزار یا نوے ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور دریائے فرات کے کنارے صفین کے مقام پر اترے تو پہلے دن یعنی بروز منگل تو پانی حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتے رہے اور بالآخر عراقی لوگ پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے[1]

پھر بروز بدھ، صفر ۳۷ھ اور جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی رات[2] لڑائی ہوتی رہی، پھر شامیوں نے قرآن مجید بلند کیے اور صلح کی دعوت دی اور اس بات پر لڑائی بند ہوئی کہ ہر ایک جماعت اپنا مقدمہ اپنے ایک آدمی کے سپرد کرے اور وہ دونوں مل کر حق کے ساتھ دونوں مدعیوں کے درمیان فیصلہ کر

---

[1] پانی حاصل کرنے کے لیے تلوار کی لڑائی نہیں تھی بلکہ نزاع اور جھگڑا تھا۔ اور عمرو بن عاص نے اس دن کہا تھا کہ "یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم سیر ہو کر پانی پئیں اور عراقی لوگ پیاسے رہیں" اور وہ جو شامی لشکر نے عراقیوں کو پانی سے روکا تھا تو وہ صرف یہ جتلانے کے لیے تھا کہ تم نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کے دار الخلافہ میں پانی بند کر دیا حالانکہ انہوں نے اپنے روپے سے بیر رومہ خرید کر مسلمان بھائیوں پر وقف کر دیا تھا۔

اور ... دونوں مشترک ہو گئے تو ۳۶ھ کے ذی الحجہ کے مہینہ ... چھوٹی چھوٹی لڑائیاں کرتے رہے۔ پھر محرم ۳۷ھ میں لڑائی بند رہی۔ پھر صفر کے مہینہ میں لڑائی ہوتی رہی۔ جس کی طرف مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ عنقریب اشارہ کریں گے ۱۲

[2] تاریخ میں اس رات کا نام لیلۃ الہریر ہے۔ یعنی ہتھیاروں کی جھنکار والی رات۔ اس رات میں امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھی ساری رات لڑتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۱۲

دیں۔ تو حضرت علی کی طرف سے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری مقرر ہوئے اور امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص۔

اور حضرت ابو موسیٰ ایک متقی، تجربہ کار، عقلمند اور عالم آدمی تھے جیسا کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب "سراج المریدین" میں بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن پر حضرت معاذ کے ساتھ عامل مقرر کیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کو عامل بنایا اور ان کی سمجھداری کی بڑی تعریف کی۔

لہ حضرت ابو موسیٰ کا آخری معاملہ اس طرح ہوا کہ آپ کوفہ کے والی تھے۔ حضرت علی کی حمایت کی دعوت دینے والے آئے وہ کوفیوں کو ہتھیار لگانے اور حضرت علی کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے لگے کیونکہ وہ بصرہ میں اصحاب جمل کی جنگ اور پھر شام میں امیر معاویہ کے ساتھیوں سے جنگ کے نظارے دیکھ چکے تھے اور حضرت ابو موسیٰ مسلمانوں کے خون پر راضی نہ تھے کہ ان غالیوں کے بھڑکانے سے مسلمانوں کا خون گرایا جائے۔ وہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث سناتے کہ "اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہے"۔ تو اشتر نخعی ان کو مسجد ہی میں چھوڑ کر چلا آیا جبکہ وہ حدیث سنا رہے تھے اور آ کر دارالامارت پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت ابو موسیٰ دارالامارت کی طرف آئے تو اشتر نے ان کو اندر داخل نہ ہونے دیا اور کہا "آپ ہماری امارت سے الگ ہو جائیں"۔ تو ابو موسیٰ نے اس کو چھوڑ دیا اور عُرض نامی بستی میں جا کر سکونت اختیار کر لی جو فتنوں اور خونریزیوں سے الگ تھلگ تھی۔ جب لوگ خون کر کر کے سیر ہو چکے تو پھر ان کو سمجھ آئی کہ ابو موسیٰ جو لڑائی سے روکتے تھے وہ حقیقت میں مسلمانوں کے خیر خواہ تھے تو لوگوں نے حضرت علی سے مطالبہ کیا کہ اہل عراق کی طرف سے تحکیم کے معاملہ میں حضرت ابو موسیٰ کو منتخب کیا جائے کیونکہ جو کچھ ابو موسیٰ کہتے تھے آخر وہی بات درست نکلی تو حضرت ابو موسیٰ کو وہاں سے بلا کر حکم تسلیم کر لیا گیا ۱۲

۱۳ اور آپ کو فیصلہ جات اور اس کے آداب و قواعد کی مشہور کتاب کے ساتھ مخصوص کیا

اور غیر معتبر مورخوں نے آپ کو کم عقل، ضعیف رائے اور دھوکہ کھا جانے والا سمجھ رکھا ہے اور عمرو بن عاص کو ایک ماہر تجربہ کار ثابت کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی تجربہ کاری کی خود ساختہ مثالیں لکھی گئیں تاکہ ان کے مزعومہ فساد کی تائید ہو سکے۔ اس معاملہ میں بعض جاہل بعض کے پیچھے لگ گئے اور کئی ایک موکانیں بنا ڈالیں۔ حالانکہ بعض دوسرے صحابہ آپ سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار تھے۔ اور ان لوگوں نے یہ سب کچھ اس لیے بنایا کہ عمرو بن عاص نے جب تحکیم کے معاملہ میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے چالاکی کی تو فریب دہی اور مہارت و تجربہ کاری میں وہ مشہور ہو گئے۔

اور ان مورخوں نے کہا ہے کہ جب یہ دونوں دومۃ الجندل کے علاقہ میں اذرح[1] کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور گفتگو ہوئی تو دونوں اس معاملہ پر متفق ہوئے کہ امیر معاویہ اور حضرت علی دونوں کو معزول کر دیا جائے[2]۔ پھر عمرو بن عاص نے

---

[1] اذرح ایک بستی تھی جو باغیوں کا گڑھ تھا اس کا محل وقوع اس طرح ہے کہ شام کے جنوب میں یہ ایسے مقام پر واقع ہے جہاں شرقی اردن اور مملکت سعودیہ کی سرحدیں ملتی ہیں ۱۲

[2] یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کی تعبیر برے طریقہ سے کر دی جائے اور اس میں مغالطے کا شائبہ بھی ہو تو غلط چیز کا وہم پڑ جاتا ہے اور پھر اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے بھی اختلاف ہو جاتا ہے اور تحکیم کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے اور مغالطہ دینے والوں نے کہا ہے کہ "حضرت ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص دونوں متفق تھے کہ امیر معاویہ اور حضرت علی دونوں کو معزول کر دیا جائے تو ابو موسیٰ نے تو ان دونوں کو معزول کر دیا اور عمرو بن عاص نے حضرت علی کو معزول کر دیا اور امیر معاویہ کو رہنے دیا" اور اس میں مغالطہ صرف یہ ہے کہ جان بوجھ کر جاہل بننے والوں نے یہ مغالطہ دیا ہے۔ ورنہ امیر معاویہ تو ان دنوں خلیفہ تھے ہی نہیں اور نہ ہی وہ خلافت کے دعویدار تھے (باقی برصفحہ ۲۹۰)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۹)

کہ عمرو بن عاص ان کو معزول کرتے۔ بلکہ حضرت ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص دونوں طرف
اس معاملہ پر متفق ہوئے تھے کہ خلافت کا معاملہ ان بڑے بڑے صحابہ پر چھوڑ دیا
جائے جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخر دم تک راضی رہے اور دونوں حاکموں
کا اس امر پر اتفاق امیر معاویہ کو کسی صورت بھی شامل نہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ خلیفہ نہیں
تھے اور نہ ہی بزاتِ خود دعوئے خلافت پر ہو رہی تھی بلکہ ان کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ قاتلانِ
عثمان پر شرعی حد قائم کی جائے۔

پھر جب معاملہ مسلمانوں کی امامت پر آ پڑا اور دونوں حکم اس فیصلہ پر متفق ہوئے
کہ معاملہ کبار صحابہ پر چھوڑ دیا جائے تو اس صورت میں تحکیم نے امامت کے مسئلہ کو لے
لیا۔ باقی رہا عملی تصرف تو حضرت علی اور امیر معاویہ جن جن علاقوں پر قابض و متصرف
تھے وہ اسی طرح رہے۔ حضرت علی اپنے علاقہ پر قابض رہے اور امیر معاویہ اپنے علاقہ
پر متصرف رہے۔

تو اس صورت میں بتاؤ کہ فیصلہ میں دھوکہ اور مکر و فریب کونسا تھا؟ یا فریق
ثانی کی طرف غفلت، یا کم عقلی کی کونسی بات تھی؟ مکر و فریب یا غفلت و بلاہت اس صورت
میں ہوتی کہ عمرو بن عاص یہ اعلان کرتے کہ میں امیر معاویہ کو مسلمان امت کی امامت یا
امارت سپرد کرتا ہوں اور عمرو بن عاص نے اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی امیر
معاویہ نے اس کا دعویٰ کیا اور نہ ہی پچھلی تیرہ صدیوں میں کسی آدمی نے یہ بات کہی ہے
امیر معاویہ کی خلافت تو حضرت حسن بن علی سے صلح کے بعد شروع ہوتی ہے اور پھر جب
امام حسن نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو پھر پوری خلافت ان کے ہاتھ آئی اور
اس کے بعد ہی معاویہ کا نام امیر المومنین ہوا۔

قصہ مختصر یہ کہ عمرو بن عاص نے ابو موسیٰ کو کوئی مغالطہ نہیں دیا نہ کوئی ان سے
فریب کیا اور نہ ہی امیر معاویہ کو کوئی نئی چیز عطا کی اور نہ ہی فیصلہ میں کوئی ایسی چیز ثابت
کی جسے ابو موسیٰ نے ثابت نہیں کیا تھا اور نہ ہی متفقہ فیصلہ سے انحراف کیا (باقی بر ص ۲۹۱)

حضرت ابوموسیٰ سے کہا آپ پہلے بات کریں تو ابوموسیٰ نے آگے بڑھ کر کہا "میرا خیال یہ ہے کہ میں حضرت علی کو خلافت سے معزول کرتا ہوں اور مسلمان اپنے لیے نئے سرے سے کوئی خلیفہ منتخب کر لیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی گردن سے یا کندھے سے تلوار اتار کر رکھ دی ہے" اور پھر تلوار کو اپنی گردن سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ پھر عمرو بن عاص آگے بڑھے اور اپنی تلوار زمین پر رکھ دی اور کہا "میرا خیال یہ ہے کہ میں معاویہ کو اس معاملہ میں برقرار رکھتا ہوں۔ جیسا کہ میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر اٹھاتا ہوں"۔ اور پھر اس کو اپنے گلے میں ڈال لیا۔ تو ابوموسیٰ نے اس بات کا انکار کیا تو عمرو نے کہا ہم نے تو یہی فیصلہ کیا تھا اور پھر اس اختلاف ہی کی حالت میں مجمع منتشر ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۹۰) تو عراق اور حجاز اپنے پہلے قابض ہی کے تحت تصرف رہے اور شام اور اس کے ملحقہ علاقے بھی اپنے قابض ہی کے قبضہ میں رہے اور امامت کا معاملہ کبار صحابہ کے سپرد کرنے پر معلق ہو گیا۔ پھر بتاؤ تو سہی کہ عمرو نے کس معاملہ میں کونسی غلطی کی ہے یا حضرت ابوموسیٰ سے کونسی غفلت کا ارتکاب ہوا۔ ہاں اگر کوئی آدمی کسی چیز کو خلاف واقعہ ہی سمجھنا چاہے تو وہ جس طرح چاہے سمجھتا رہے۔ باقی رہا یہ معاملہ تو یہ تو ہر اس آدمی پر واضح ہے جو اسے اپنی اصلی صورت پر دیکھنا چاہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ملے کونسا معاملہ؟ اگر اس سے اپنے علاقہ پر قبضہ مراد ہو تو حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں قابض رہے اور ہر ایک اپنے ماتحت علاقے پر حاکم رہا اور اگر اس سے امارت المومنین اور امامت عامہ مراد لی جائے تو امیر معاویہ امام نہیں تھے (یعنی خلیفہ) کہ عمرو بن عاص ان کو مقرر رکھتے۔ اور ہم نے اس حقیقت کو پہلے حاشیہ میں بیان کر دیا ہے اور یہی وہ مغالطہ کا نقطہ ہے جس سے کذاب مورخوں نے دھوکہ دیا ہے۔ انہوں نے اپنے تمام قاریوں سے مذاق کیا ہے اور اس وہم میں مبتلا کیا ہے کہ اس وقت دو خلیفے تھے (باقی بر صفحہ ۲۹۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱)

یا مومنوں کے دو امیر تھے اور حکمین میں اتفاق اس پر ہوا تھا کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور ابو موسیٰ نے متفقہ فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے دونوں کو معزول کر دیا اور عمرو نے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک کو معزول کر دیا اور دوسرے کو برقرار رکھا اور یہ سب جھوٹ، بہتان اور افتراء ہے اور جو کچھ عمرو نے کیا وہ وہی ہے جو ابو موسیٰ نے کیا ان دونوں کے فیصلے میں ایک ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔

باقی رہا امامت یا خلافت یا امارت المومنین کے مسئلہ کا کبار صحابہ کی رائے پر موقوف ہونا کہ وہ جو چاہیں فیصلہ کریں اور جب چاہیں کریں تو یہی وہ فیصلہ تھا جس پر دونوں کا اتفاق تھا اور پھر اگر یہ فیصلہ نافذ نہیں ہو سکا تو اس میں حضرت ابو موسیٰ یا عمرو بن عاص کا کیا گناہ ہے۔ انہوں نے تو اپنے اجتہاد اور کوشش کے مطابق فیصلہ کر دیا اور اگر مسئلہ میں دونوں جماعتیں متفق ہو کر ان کو تکلیف نہ دیتیں تو وہ بالکل اس طرف توجہ نہ کرتے اور نہ اپنی رائے کا اظہار کرتے اور اگر اس عظیم تاریخی واقعہ میں حضرت ابو موسیٰ کا موقف کم عقلی پر مبنی ہوتا تو تاریخ ان پر نکتہ چینی کرتی۔ حالانکہ ان کے بعد کی نسلیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ ابو موسیٰ کا موقف قابل فخر تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی درستی اور اصلاح رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ذوالرمہ شاعر نے ابو موسیٰ کے پوتے بلال بن ابو بردہ بن ابو موسیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ع

"آپ کے باپ نے لوگوں کی خواہش کے مطابق دین کو بچا لیا جبکہ دین کا محل گر رہا تھا"

"آپ نے اذرح کے دنوں میں دین کی بنیادیں مضبوط کر دیں اور ان جنگوں کو ناکارہ کر دیا جو خون بہا رہی تھیں۔"[۵]

---

[۵] اور حقیقتاً یہ امر واقع ہے کہ فیصلہ حکمین کے بعد خانہ جنگی رک گئی جو اس چیز کی علامت ہے کہ فیصلہ ٹھیک ہوا تھا اور فریقین اس فیصلہ پر مطمئن تھے حضرت کی آخری وصیتوں سے بھی اس چیز کی تصدیق ہوتی ہے ۱۲ (خالد گھرجاکھی)

عاصِمَۃٌ

قاضی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہتا ہے کہ یہ سب صریح جھوٹ ہے۔ اس میں سے ایک حرف بھی نہیں بولا گیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی بدعقیدوں نے خبر دی ہے اور بادشاہوں کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے اس کو وضع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بدعت کا علانیہ ارتکاب کرنے والے گناہگاروں نے اس کو بیان کیا ہے۔[1]

---

[1] اسلامی تاریخ کی تدوین بنی امیہ کے زوال اور ایسی حکومتوں کے قیام کے بعد ہوئی جو بنی امیہ کے محاسن کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تو اسلامی تاریخ کی تدوین میں تین طرح کے آدمی آگے آئے۔

ایک جماعت تو ایسی تھی جو بنی امیہ کی دشمنی کا اظہار کر کے موجودہ حکومتوں کے انعامات پر عیش بھی کر رہے تھے اور ان کا تقرب بھی ان کو حاصل ہوتا تھا۔

اور ایک جماعت وہ تھی جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اور بنی عبد شمس کے فضائل کو بگاڑ کر نہ رکھ دیا جائے تو اس وقت تک خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

اور تیسری جماعت اہل انصاف اور دیندار ہے۔ جیسے کہ طبری۔ ابن عساکر ابن اثیر ابن کثیر وغیرہ۔

ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ یہ ہر مسلک اور ہر مشرب کے لوگوں کی روایات اکٹھی کرتے ہیں جیسے لوط بن یحییٰ غالی شیعہ۔ اور سیف بن عمر عراقی معتدل شیعہ کی روایات ممکن ہے شیعہ میں سے بھی بعض لوگ دوسری روایات کی قوت (باقی بر صفحہ ۲۹۴)

اور جو کچھ معتبر ائمہ نے روایت کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب وہ دونوں شرفاء کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تو عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کو معزول[1] قرار دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۳) سے متاثر ہوئے ہوں۔ ان مورخین نے اخبار کے راویوں کے نام درج کیے تاکہ بحث کرنے والا ہر خبر کے متعلق پوری بصیرت سے بحث کر سکے اور اب ہمارے پاس یہ ترکہ پہنچا ہے تو اس حیثیت سے نہیں کہ وہ ہماری تاریخ ہے بلکہ اس کی حیثیت یہ ہے کہ بحث و تحقیق کے لیے ایک مواد ہے جس سے ہماری تاریخ مرتب ہوگی۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی اس پر غور کرے جو ان روایات کے ضعف و قوت کو دیکھ سکتا ہو تو یہ کام ناممکن نہیں ہے بشرطیکہ اس امر پر بھی غور کیا جائے کہ یہ کام ہو سکتا ہے یا نہیں یا یہ واقعہ ہوا ہوگا یا نہیں اور اس سلسلہ میں صرف صحیح روایات کو قبول کیا جائے اور اڑتی ہوئی افواہوں کو چھوڑ دیا جائے۔

اور اہل سنت کی کتب اور ائمہ امت کے ملاحظات سے یہ مشکل حل ہو سکتی ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس ضروری کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں جس میں ہم نے بہت دیر کی ہے اور ہمارے زمانہ میں سب سے پہلا وہ شخص جو اس غفلت سے ہوشیار ہوا اور بنی امیہ کی تاریخ میں جو جھوٹی روایات داخل کی گئی تھیں ان کا پردہ جس نے چاک کیا وہ ہندوستان کا علامہ شبلی نعمانی تھا۔ اس نے جرجی زیدان کی کتابوں کی تنقید کی پھر اس کے بعد روشن دماغ منصف مزاج لوگوں نے حق کی جستجو کی تو وہ ظاہر ہونے لگا اور لوگوں کو روشنی نظر آنے لگی۔ اور اگر حق کی راہ میں یہ جہاد جاری رہا تو کچھ بعید نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ذہن اپنی تاریخ کے متعلق بدل جائیں اور جوان کی ماضی میں معجزات ہو چکے ہیں وہ ان کے اسرار کو پالیں۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یعنی حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ جو متفقہ فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی امامت کا مسئلہ بڑے بڑے صحابہ کے سامنے رکھ دیا جائے ۱۲

دارقطنی نے اپنی سند سے حضین[1] بن منذر سے روایت کیا ہے کہ جب عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کو معزول کر دیا تو میں نے اپنا خیمہ امیر معاویہ کے خیمہ کے قریب آکر لگا لیا جب امیر معاویہ کو میرے آنے کی خبر ہوئی تو مجھ کو بلا بھیجا اور کہا مجھے عمرو بن عاص کے متعلق اس طرح کی خبر پہنچی ہے۔ ذرا جاؤ پتہ کرو کہ اس بات کی حقیقت کیا ہے جو مجھے پہنچی ہے چنانچہ میں گیا اور عمرو بن عاص سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ جس معاملہ میں آپ کو اور ابو موسیٰ کو حکم بنایا گیا تھا اس کا تم نے کیا بنایا؟ تو عمرو نے کہا لوگ تو بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں لیکن جو کہہ رہے ہیں سب غلط ہیں[2]۔ بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ میں نے ابو موسیٰ سے پوچھا "آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے"؟ تو انہوں نے کہا "میرا خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ ان صحابہ کے سپرد کر دیا جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک راضی رہے ہیں"۔ پھر میں نے ان سے پوچھا "آپ امیر معاویہ اور میرے لیے کیا رائے رکھتے ہیں"؟ تو انہوں نے کہا "اگر تم سے اس معاملہ میں مدد لی جائے تو تم مدد کرو اور اگر تمہاری ضرورت نہ ہو تو کافی عرصہ تک اللہ کا دین تم سے بے نیاز رہا ہے"۔

---

[1] دارقطنی میں سند اس طرح ہے ہم سے ابراہیم بن حماد نے بیان کیا انہوں نے ابو یوسف قلوسی یعنی یعقوب بن عبدالرحمن بن جریر نے بتایا ان سے اسود بن شیبان نے ان سے عبداللہ بن مضارب نے اس نے حضین بن منذر سے سنا اور یہ حضین بن منذر حضرت علی کے خاص آدمیوں میں سے تھا جس نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگیں لڑیں)

[2] یعنی عمرو بن عاص نے علی اور معاویہ دونوں کو ہٹا کر یہ معاملہ صحابہ کبار کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۱۲

[3] یعنی ان دونوں نے کسی کو معزول کیا ہے بلکہ معاملہ کبار صحابہ کی رائے پر چھوڑ دیا ہے ۱۲

حفین نے کہا کہ یہی وہ بات تھی جس سے معاویہ نے اپنے نفس کو اس معاملہ سے پھیر دیا۔ چنانچہ ہیں نے آکر امیر معاویہ سے کہہ دیا کہ جو کچھ آپ نے عمرو بن عاص کے متعلق سنا ہے وہ صحیح ہے (یعنی اس نے بھی اس معاملہ کو کبار صحابہ کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے) تو پھر امیر معاویہ نے ابوالاعور[۱] ذکوانی کو بلایا اور ان کو اپنے لشکر میں بھیجا۔ ابوالاعور اپنے گھوڑے کو دوڑاتا پھر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "کہاں ہے وہ اللہ کا دشمن کہاں ہے وہ فاسق"؟

ابو یوسف[۲] نے کہا میرا خیال ہے کہ "وہ اپنے نفس کے گناہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا" تو عمرو بن عاص اپنے خیمہ سے نکل کر گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور امیر معاویہ کے خیمہ کی طرف گھوڑا دوڑاتے لگے اور کہتے جا رہے تھے۔ "کبھی خوشی سے دودھ نہ دینے والی اونٹنی بھی بہت سا دودھ دے دیتی ہے"[۳] تو امیر معاویہ نے کہا۔ "ہاں جب دودھ دوہنے والے کی گرفت مضبوط نہ ہو تو اس کا ناک توڑ دیتی ہے اور برتن نیچے گرا دیتی ہے"۔

---

[۱] آپ ابوالاعور اسلمی ہیں (اور ذکوان بنو سلیم کی ایک شاخ ہے) اور ان کا نام عمرو بن سفیان ہے۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کبار مشیروں میں سے تھا۔ اس نے جنگ صفین میں اشتر نخعی کو لڑنے کی دعوت دی۔ جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھ کر کہا یہ میرے جوڑ کا آدمی نہیں ہے (یعنی مجھ سے بہت ہلکا ہے) اور اسے واپس کر دیا ۱۲

[۲] یعنی ابو یوسف فلوسی نے جو اس خبر کا ایک راوی ہے جس نے اسود بن شیبان سے بواسطہ عبداللہ بن مضارب حفین سے روایت کیا ہے ۱۲

[۳] عربی مثل ہے "قد تحلب الضجور العلبة"۔ "کبھی ناک منہ چڑھانے والی اونٹنی دودھ کا برتن بھر دیتی ہے" اور یہ مثال بد خلق آدمی پر بولتے ہیں جب وہ نرمی سے گفتگو کرے اور یا پھر بخیل اگر کچھ مال دے دے تو اس پر یہ مثل بولتے ہیں۔ ۱۲

اور دار قطنی نے صحیح اور ثقہ سند سے[1] ربعی سے بواسطہ ابو موسیٰ۔ عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا "اگر وہ مال جسے ابو بکر و عمر نے چھوڑا وہ ان کے لیے حلال تھا تو خدا کی قسم ہم نے اس کی حقیقت کو پا لیا اور ان دونوں کی رائے ناقص تھی۔ لیکن خدا کی قسم وہ نہ ناقص الرائے تھے نہ دھوکہ کھانے والے اور اگر ان دونوں امیروں نے اپنے لیے اس مال کو حرام سمجھا اور ہم نے اس کو حاصل کر لیا ہے تو ہم ہلاک ہو گئے اور خدا کی قسم یہ وہم ہم لوگوں کو ہوا ہے وہ صحیح تھے"[2]

یہ اس بات کی ابتدا اور انتہا تھی۔ سو تم گمراہوں سے متنبہ رہو اور شور و غوغا کرنے والوں کو ڈانٹو اور عہد شکن لوگوں کی راہ چھوڑ کر ہدایت یافتہ لوگوں کی راہ پر آ جاؤ اور دین کی طرف سبقت کرنے والوں سے اپنی زبانیں بند کر لو ایسا نہ ہو کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے جھگڑنے کے باعث قیامت کے روز ہلاک ہو جاؤ۔ کیونکہ جس کے مقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہوں گے وہ برباد ہو گا۔ جو ہو چکا سو ہو چکا اور جو اللہ تعالےٰ نے اس فیصلہ کرنا تھا وہ کر دیا اور جن عقائد و اعمال میں تم پر کوشش کرنا لازم ہے اس میں اپنی بھلائی کے لیے کوشش کرو اور اپنی زبانوں کو ہر چیخنے والے بے دین آدمی کی آواز کے ساتھ آزاد نہ چھوڑو۔ یقیناً اللہ تعالےٰ نیک لوگوں

---

[1] اس خبر کی سند کے راوی یہ ہیں۔ محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم اور دعلج بن احمد۔ محمد بن احمد بن نضر۔ معاویہ بن عمرو۔ زائدہ۔ عبد اللہ بن عمر۔ ربعی۔ اور ربعی حراش عبسی کا بیٹا ہے کنیت ابو مریم اور سکونت کوفہ ہے ۱۲

[2] مؤلف نے اس خبر کو اس لیے بیان کیا ہے کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ عمرو کس درجہ کا متقی تھا اور کس طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرتا تھا اور سلف صالحین کی سیرت کو اس نے کس طرح یاد رکھا اور ان سے نصیحت حاصل کی ۱۲

کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔

اور اللہ تعالےٰ ربیع بن خثیمؒ[1] پر رحم فرمائیں جب ان کو اطلاع ملی کہ حسینؓ قتل ہو گئے تو فرمایا۔ "کیا ان لوگوں نے حسین کو قتل کر دیا"؟ تو لوگوں نے کہا ہاں۔ تو کہنے لگے (اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے غیب اور حاضر کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے گا) (زمر) اور اس گفتگو پر آپ نے کبھی بھی کسی حرف کا اضافہ نہ کیا۔ سو دین اور عقل کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے احوال سے زبان کو روکا جائے اور معاملہ رب العالمین کے سپرد کیا جائے۔

---

[1] آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ ابو ایوب انصاری اور عمرو بن میمون کے شاگرد ہیں اور امام شعبی۔ ابراہیم نخعی اور ابو بردہ کے استاد۔ عبد اللہ بن مسعود نے آپ سے کہا تھا اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھ لیتے تو تم سے محبت کرتے۔ ان کی وفات ۶۷ھ میں ہوئی ۱۲

قَاصِمَۃٌ

پھر اگر کہا جائے کہ یہ طریق ان مسائل میں درست ہے جن میں کوئی اشکال ہو اور ان امور میں تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی کی خلافت صاف الفاظ میں بیان کر دی تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "علی تمہارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا"[1]۔ اور یہ بھی فرمایا "اے اللہ جو علی سے دوستی رکھے اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے اس سے دشمنی کر[2] اور جو اس کی مدد کرے اس کی مدد کر اور جو اسے ذلیل کرے اس کو ذلیل کر"[3]

تو ان تصریحات کے بعد تو کسی ضدی آدمی کو اختلاف کی گنجائش نہیں تھی پھر ابوبکر نے حضرت علی پر زیادتی کی اور اس مقام پر بیٹھ گئے جو ان کا نہیں تھا۔

پھر ابوبکر کے بعد عمر نے بھی خلافت سنبھال کر حضرت علی پر زیادتی کی۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۲۹ اور صحیح مسلم باب فضائل الصحابہ میں حضرت سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تبوک کو نکلے تو مدینہ میں حضرت علی کو اپنا خلیفہ بنایا۔ تو حضرت علی نے عرض کیا۔ آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو آنحضرت نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میری طرف سے وہی ہے جو موسیٰ کی طرف سے حضرت ہارون کی تھی ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہے اس حدیث کے متعلق ایک مناظرہ سید عبد اللہ بن حسین سویدی اور ملا باشی علی اکبر (جو کہ شیعہ کا ایک بہت بڑا عالم اور مجتہد تھا) کے درمیان (باقی بر صفحہ ۳۰۰)

پھر علی کو توقع تھی کہ عمر حق کی طرف رجوع کرے گا تو انہوں نے حال کو مبہم رکھا اور اسے شوریٰ بنا دیا تاکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی بات کا خلاف کر کے اس کو توڑا جا سکے۔

پھر عبدالرحمن بن عوف نے حیلہ سے خلافت عثمان کے سپرد کر دی۔

پھر عثمان قتل کر دئے گئے کیونکہ وہ خلافت اور احکام شریعت پر ناجائز تصرف کیے ہوئے تھے پھر خلافت خدا و رسول کے حکم کے مطابق علی کے سپرد ہوئی۔ پھر جس نے خلافت ان کے لیے مقرر کی اس نے جھگڑا کیا اور جس نے بیعت کی اس نے مخالفت کی اور جس نے عہد کیا اس نے توڑ دیا۔

اور شامی لوگوں نے آپ کے مقابلہ پر دین میں فسق بلکہ کفر کی دعوت دی[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) ۱۱۵۶ھ میں نادر شاہ کے زمانہ میں ہوا اس کی تفصیل کتاب "مؤتمر النجف" صفحہ ۲۵-۲۷ میں موجود ہے وہاں دیکھ لیں ۱۲

[۳] یہ مسند احمد میں حدیث ہے ج ۱- ص ۸۴-۸۸، ۱۱۸- ۱۱۹- ۱۵۲ طبع اول اور حدیث نمبر ۶۴۱- ۶۷۰- ۹۵۰- ۹۶۱- ۱۳۱۰ اور ج ۴- ص ۲۸۱- ۳۶۸- ۳۷۰ ۳۷۲ طبع اول اور ج ۵ ص ۳۴۷- ۳۶۶- ۳۷۰- ۴۱۹ طبع اول) اور امام حسن مثنیٰ بن حسن السبط بن علی بن ابی طالب کی اس حدیث کی شرح صــ پر دیکھیں اور ان کی تفصیل آئندہ آئے گی ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یہ تمام فقرے قاصمہ کے مزکنین اور ان کے شیعہ کے بکواسات ہیں اور مؤلف نے اس کے ساتھ تحفہ عاصمہ میں ان کی خرافات کا نہایت دندان شکن جواب دیا ہے لیکن چونکہ ان پر بات کا میدان بڑا وسیع ہو گیا ہے لہذا اسلام کے اس فتنہ میں شامل ہونے کے موقف کی بات ان سے رہ گئی ہے۔ آپ پہلے ابن کوا کا بیان پڑھ چکے ہیں جو کہ فتنہ کے زعماء میں سے ایک تھا وہ بڑے بڑے شہروں کے فسادی لوگوں کے کوائف بیان کرتا ہوا کہتا ہے اور شام کے مفسد لوگ اپنے مرشد کی سب سے زیادہ (باقی بر صفحہ ۲۲۱)

(بقیہ حاشیہ ۲)

اطاعت کرتے ہیں اور گمراہ کرنے والے کی نافرمانی کرتے ہیں"۔ اور جب شام کے مفسد لوگوں کی یہ کیفیت ہو جو فتنہ کے زمانہ میں سے ایک ذمہ دار آدمی بیان کر رہا ہے تو شام کے اہل ایمان اور عافیت کے متعلق امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھ لیں جس کو ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲ میں باسند اس طرح روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (جو ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے) اپنے شیخ معمر بن راشد بصری سے روایت کرتے ہیں (اور یہ بھی بہت بڑے عالم ہیں) وہ زہری سے (جس نے حدیث کی تدوین کی اور یہ ائمہ حدیث کے استاد ہیں) کہ عبداللہ بن صفوان جمحی نے کہا کہ صفین والوں میں سے ایک آدمی نے کہا "یا الٰہی شام والوں پر لعنت فرما"۔ تو حضرت علی نے اس سے فرمایا "اہل شام کو گالی نہ دو وہاں ابدال ہیں وہاں ابدال ہیں" اور یہ حدیث ایک اور سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بھی ثابت ہے۔

اور ابوادریس خولانی نے روایت کیا ہے (یہ سنت اور شریعت کے بہت بڑے عالم او حسن بصری۔ ابن سیرین اور مکحول جیسے لوگوں کے استاد ہیں) کہ حضرت ابوالدرداء نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سویا ہوا تھا۔ میں نے ایک کتاب دیکھی جسے میں نے اپنے سر کے نیچے سے اٹھایا تھا تو مجھے خیال گذرا کہ یہ کتاب چلی جانے گی تو میں اسے دیکھتا رہا تو وہ شام کی طرف چلی گئی۔ اور جب فتنے اٹھیں گے تو اس وقت ایمان شام میں ہوگا۔" اور اس حدیث کو ابوالدرداء کے علاوہ حضرت ابوامامہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص نے بھی روایت کیا ہے۔

اور اہل شام اور ان سے جنگ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم ابن کثیر ج ۸ ص ۲ سے ایک باسند حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جو راوی یونس بن ابی اسحاق، عمرو بن مرہ، عبداللہ بن حارث۔ زہیر بن ارقم، حضرت علی (باقی بر صفحہ ۳۰۲)

اور یہ ان کے مذہب کی حقیقت[۱] ہے کہ ان کے نزدیک سب کافر ہیں[۲]۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۰۱) علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر یمن پر غالب آگیا ہے اور خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ عنقریب تم پر غالب آجائیں گے اور غالب آنے کی وجہ یہ ہے کہ تم اپنے امیر کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ فرمانبرداری کرتے ہیں۔ تم خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں۔ تم اپنے علاقہ میں فساد کرتے ہو اور وہ اصلاح کرتے ہیں۔ میں نے فلاں آدمی کو بھیجا اس نے خیانت کی اور دھوکہ کیا پھر فلاں کو بھیجا اس نے بھی خیانت اور دھوکہ کا ارتکاب کیا اور مال معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں تم میں سے کسی کو ایک پیالہ امانت کے طور پر دوں تو وہ اس کو دبا لے گا اے اللہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور وہ مجھ سے تنگ آچکے ہیں اور میں ان کو ناپسند کرتا ہوں اور وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ اے اللہ ان کو مجھ سے الگ کر دے اور مجھ کو ان سے"۔

حضرت علی نے اپنے لشکر اور جماعت کی یہ تعریف کی اور ان کے برخلاف شامیوں کے فضائل بیان کیے جو کہ مجبور ہو کر میدان جنگ میں آئے تھے اور حضرت علی کے اہل شام کی اطاعت، امانت اور اصلاح کی تعریف کرنے کے بعد یہی بات رہ جاتی ہے کہ جن لوگوں نے ان کو دین میں فسق اور کفر کی طرف منسوب کیا ہے ان کی اس بات کو ان کے منہ پر مار دیا جائے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] یعنی شیعہ اور صحابہ کرام کے دشمنوں کے مذہب کی حقیقت ۱۲

[۲] شیعہ صرف ان لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ۔ ان کے بعض گھر والے۔ سلمانؓ فارسی۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ بن اسود۔ عمارؓ بن یاسر۔ حذیفہؓ بن یمان۔ ابو الہیثمؓ بن تیہان۔ سہلؓ بن حنیف۔ عبادہؓ بن صامت۔ ابو ایوبؓ انصاری۔ خزیمہؓ بن ثابت۔ ابو سعیدؓ خدری۔ اور بعض شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو پاک لوگ تھے ان کی تعداد ان سے بہت کم ہے ۱۲

کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ گناہ سے آدمی کا فر ہو جاتا ہے[1]۔ اور یہی عقیدہ امامیہ فرقہ کا ہے کہ جو آدمی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے وہ کافر ہے[2]۔ جیسا کہ قدریہ فرقہ کا عقیدہ ہے[3] اور خلفائے مذکورین اور ان کے ساتھی سب سے زیادہ عاصی اور نافرمان تھے[4] اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دنیا کی حرص سب سے زیادہ رکھنے والے تھے ان میں دین کی محبت بڑی کم تھی اور انہوں نے شریعت اور اس کے ضابطہ کو سب سے زیادہ گرایا[5]۔

---

[1] شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ علی اور اس کی آل سے گیارہ آدمی غلطی سے پاک (معصوم) ہیں اور شریعت انہی کے اقوال میں ہے اور وہ وہی شریعت قبول کرتے ہیں جسے ایسے راوی ان سے بیان کریں جو شیعہ ہوں اور علی کی محبت کے دعویدار ہوں۔ اگرچہ وہ لوگوں کے نزدیک جھوٹے ہوں یا وہ روایت خواہ اصول دین کے برخلاف ہو ۱۲

[2] کبیرہ گناہ کی تعریف ان کے نزدیک وہ نہیں جو دوسرے مسلمانوں کے نزدیک ہے ۱۲

[3] شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۷۴ میں فرمایا ہے کہ پہلے شیعہ اثبات تقدیر اور صفات میں قدریہ سے متفق تھے۔ جب یہ بنی بویہ کے عہد حکومت میں معتزلہ سے مل گئے تو قدریہ کے مخالف ہو گئے ۱۲

[4] یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم ۱۲

[5] اس کے باوجود ایسے آدمی بھی ہیں جو اپنے آپ کو ازہر اور مسلک اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس ادارہ سے بھی تعلق رکھتے ہیں جو قاہرہ میں دوسری عالمی جنگ کے بعد اس لیے بنایا گیا ہے کہ مذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کیا جائے اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کی عمر کا ایک حصہ اس میں صرف ہو رہا ہے اور تقیہ کے ساتھ تقیہ والوں سے تعلق رکھے ہوئے ہیں ۱۲

اللھم احفظنا من الزلات والخطیات واغفر لنا ذنوبنا وارحمنا وانت خیر الراحمین اور خیر الغافرین ۱۲

عاصِمَۃ

قاضی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ان باتوں کا سننا ہی کافی گناہ ہے پھران کی طرف جھکنا تو در کنار۔ اس بات کو آج جب کہ ہم یہ بحث لکھ رہے ہیں پورے پانچ سو سال گذر چکے ہیں ان میں سے ایک دن بھی کم یا زیادہ نہیں ہے یعنی آج شعبان ۵۳۶ھ کی یکم تاریخ ہے اور پورا ہو جانے کے بعد تو کمی ہی ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے صحابہ کے متعلق وہ سلوک پسند نہیں کرتے جو روافض نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق روا رکھا ہے۔ کہ انہوں نے تمام صحابہ پر کفر اور باطل کا فتویٰ لگا دیا ہے[1] جیسا کہ ان سے امید تھی۔

---

[1] حافظ ابن عساکر جز ۴/۱۶۵ نے بیان کیا ہے کہ حسن مثنیٰ بن حسن السبط بن علی بن ابی طالب نے ایک رافضی آدمی سے کہا "خدا کی قسم اگر ہمیں اللہ تعالےٰ نے تم پر قابو دیا تو ہم تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور پھر تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے"۔ تو ایک آدمی نے سوال کیا۔ آپ کیوں ان کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے"؟ تو فرمایا "ہم ان کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ لوگ اگر چاہیں تو تم سے سچ بولیں گے چاہیں تو جھوٹ بول دیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ تقیہ میں ان کو جھوٹ بولنے کی اجازت ہے اور تجھ پر افسوس تقیہ مسلمان کے لیے ایک رخصت کا باب ہے جبکہ آدمی اس کے لیے مجبور ہو جائے اور بادشاہ سے اسے جان کا خطرہ ہو تو خلاف واقعہ بات کہہ کر اللہ کے حکم کے مطابق اپنی جان بچالے اور یہ فضیلت کا مقام نہیں ہے فضیلت سچی بات کرنے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہے اور خدا کی قسم جہاں تک تقیہ پہنچ سکتا ہے اس سے تو آدمی خدا کے بندوں کو گمراہ کرتا ہے"۔

اور پھر ان سے باقی کیا رہ گیا؟ اور اللہ تعالے نے فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ ضرور انہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط کر دے گا جسے وہ پسند کرتا ہے اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا" (سورہ نور) اور اللہ تعالیٰ کا قول سچا ہے اور وعدہ حق ہے اور ان شیعہ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ان کا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور نہ ہی دین مضبوط ہے اور نہ ان کو امن وسکون ہے ان کی زندگیاں ظلم۔ تعدّی۔ غصب۔ لڑائی۔ افتراق اور فسادات میں گذر رہی ہیں۔

اور امت کا اجماع ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی آدمی کے لیے صراحت سے وصیت نہیں کی۔ حالانکہ حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا تھا۔ جیسا کہ حضرت عباس سے ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے روایت کیا

لہ حافظ ابن عساکر نے ج۱۲۶ میں حافظ بیہقی سے فضیل بن مرزوق کی حدیث بیان کی ہے کہ حسن مثنی بن حسن سبط بن ابی طالب سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے "جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے"؟ تو آپ نے فرمایا درست ہے لیکن خدا کی قسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے امارت اور سلطنت مراد نہیں لی اور اگر آپ کا یہی مطلب ہوتا تو آپ صاف طور پر بیان کر دیتے کیونکہ آنحضرت مسلمانوں کے بہت زیادہ خیر خواہ تھے اور اگر معاملہ اسی طرح ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو آپ اس طرح فرماتے کہ میرے بعد علی امیر ہوں گے۔ اور سلطنت ان کے ہاتھ سے ہوگی اور ان کی بات سننا اور اطاعت کرنا اور خدا کی قسم اگر اللہ و رسول نے حضرت علی کو اس کام کے لیے منتخب کر لیا تھا اور پھر حضرت علی نے آپ کے بعد اللہ و رسول کے حکم کو چھوڑ دیا ہے تو سب سے پہلے حضرت علی نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی ہے"۔ بیہقی نے اس کو متعدد طریقوں سے کئی بیتی سے روایت کیا ہے۔[۱۲]

ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر آئے جب کہ آنحضرت اپنی آخری بیماری میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو الحسن! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا بحمد اللہ اب آپ پہلے سے اچھی حالت میں ہیں۔ تو حضرت عباس بن عبد المطلب نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "خدا کی قسم تین روز کے بعد آپ پر لاٹھی کی حکومت ہوگی مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ اسی بیماری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات عنقریب ہونے والی ہے۔ کیونکہ بنی عبد المطلب کے چہروں کی جو کیفیت موت کے وقت ہوتی ہے وہی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم ہو رہی ہے۔ آؤ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور آپ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اگر آپ ہمیں خلافت دے جائیں تو بھی ہمیں معلوم ہو جائے اور اگر آپ کسی اور کو خلافت دیں تو پھر ہمارے متعلق اس کو کچھ وصیت کر جائیں"

تو حضرت علی نے کہا "خدا کی قسم اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کریں اور آپ ہم کو نہ دیں تو پھر لوگ ہمیں کبھی نہ دیں گے اور میں تو خدا کی قسم اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز سوال نہ کروں گا"[۱]

قاضی ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حضرت عباس کی رائے زیادہ صحیح ہے اور نتائج کے لحاظ سے زیادہ قریب۔ اور اس سے حق کی صراحت بھی ہو جاتی اور اس سے مدعی کا قول باطل ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کی خلافت کا

---

[۱] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب المغازی ص ۱۴۰-۱۴۱ ج ۵ اور البدایہ والنہایہ ص ۲۲۷-۲۵۱ ج ۵ میں ابن عباس سے مروی ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۳۷۴-۲۹۹۹ میں روایت کیا ہے ۱۲

اشارہ کیا گیا تھا اور اس معاملہ میں نقص کا ہونا تو بڑی بات ہے۔

اور حضرت ابو بکر کی حیثیت یہ ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر کسی وقت آنا تو اس نے عرض کیا اگر آپ مجھے نہ مل سکیں تو پھر؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو پھر؟ تو آپ نے فرمایا "تجھے ابو بکر مل جائیں گے"[1]۔

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا جبکہ ان کے اور حضرت ابو بکر کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اور آنحضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ابو بکر اس سے خوفزدہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھی کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے" (دو دفعہ فرمایا) اور فرمایا مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکر نے میری تصدیق کی ہیں ہر ایک دوست کی دوستی سے دستبردار ہوتا ہوں[2]۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اسلام میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں[3] اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی کو اپنا دوست بنایا ہے مسجد میں ابو بکر کے دروازہ کے سوا اور کوئی دروازہ باقی نہ رہے[4]۔

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ جلد ۲ میں جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر میرے پاس آنا۔ اس نے کہا یہ بتائیں اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی اگر آپ کی وفات ہو جائے تو پھر؟ تو آپ نے فرمایا اگر میں نہ ہوا تو ابو بکر کے پاس آ جانا ۱۲

[2] یہ حدیث حضرت ابو الدرداء کی روایت سے صحیح بخاری کتاب مناقب الصحابہ میں مروی ہے

[3] یہ حدیث ابن عباس کی روایت سے صحیح بخاری کتاب مناقب الصحابہ باب نمبر ۵ میں مذکور ہے

[4] اس جملہ میں اضطراب اور نقص ہے اور اس معنی کے لیے صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰ اور ص ۱۹۲ میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث اور مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۰ (باقی بر ص ۳۰۸)

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے اپنے آپ کو خواب میں ایک کنوئیں پر دیکھا اس پر ایک ڈول تھا جب تک خدا تعالے نے چاہا میں اس سے پانی کے ڈول نکالتا رہا۔ پھر وہ ڈول مجھ سے ابن ابو قحافہ نے لے لیا تو اس نے ایک دو ڈال نکالے[۱] اور اللہ تعالے آپ کو معاف کرے آپ کے ڈول کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی۔ پھر وہ ڈول ایک چرسہ بن گیا پھر عمر بن خطاب نے اس کو پکڑ لیا میں نے کسی نوجوان کو عمر کی طرح چرسہ کھینچتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ لوگوں نے وہیں اونٹوں کے ڈیرے لگا دیے[۲]۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ لرزنے لگا۔ آپ نے فرمایا "اے احد! ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں[۳]"۔

اور آنحضرت نے فرمایا "تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی نہیں تھے لیکن انہیں الہام ہوتا تھا۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا آدمی ہوا تو وہ عمر ہوں گے[۴]"

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۷) حدیث نمبر ۳۲ ۲ میں ابن عباس کی حدیث ملاحظہ فرمائیں نیز البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۹ و ص ۲۳ میں اس کی تفصیل موجود ہے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] ذنوب کا معنی ہے پانی سے بھرا ہوا بڑا ڈول۔ اور ابن ابو قحافہ حضرت ابو بکر ہیں ۱۲

[۲] یعنی لوگوں نے اس کے ارد گرد اونٹوں کے باڑے بنا لیے کیونکہ یہاں پانی بہت زیادہ ملتا تھا اور یہ حدیث صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۳ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ۱۲

[۳] یہ حدیث صحیح مسلم باب ۵ ج ۲ ص ۱۹۷ کتاب فضائل الصحابہ میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے ۱۲

[۴] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب ۱۷ ج ۲ ص ۲۰۰ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ۱۲

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا" ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ کہ میں ان کو کچھ لکھ دوں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کل کوئی آدمی آرزو کرے اور کہے کہ میں زیادہ حقدار ہوں حالانکہ اللہ تعالے اور مومن ابوبکر کے سوا سب کا انکار کرتے ہیں۔[۱]

اور ابن عباس نے کہا۔ ایک آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا" اے اللہ کے رسول میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ ایک بادل سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اپنے ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہیں کسی نے زیادہ لیا اور کسی نے کم اور پھر آسمان سے زمین تک میں نے ایک رسہ لٹکا ہوا دیکھا ہے آپ نے اس رسہ کو پکڑا اور اوپر چلے گئے۔ پھر ایک اور آدمی نے پکڑا اور وہ بھی چڑھ گیا پھر ایک اور آدمی نے اس کو پکڑا تو رسہ ٹوٹ گیا اور پھر وہ جڑ گیا اور وہ آدمی اوپر چڑھ گیا اور ساری حدیث بیان کی۔

پھر حضرت ابوبکر نے آنحضرت کی موجودگی میں اس کی تعبیر کہی اور فرمایا وہ جو رسہ آسمان سے زمین تک لٹک رہا ہے وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں۔ آپ نے اسے پکڑ لیا ہے تو اللہ تعالے آپ کو بلند کریں گے۔ پھر آپ کے بعد ایک اور آدمی اس کو پکڑے گا وہ بھی بلندی پر چلا جائے گا پھر ایک اور پکڑے گا اور وہ بھی بلندی پر چلا جائے گا پھر ایک اور آدمی اس کو پکڑے گا تو وہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا اور پھر مل جائے گا تو وہ بلندی پر چلا جائے گا۔[۲]

---

[۱] یہ حدیث مسند احمد طبع اول ص ۱۴۴/۶ میں حضرت عائشہ کی روایت سے ہے اور پھر مسند ص ۴۷-۱۰۶/۶ میں بھی ہے اور طبقات ابن سعد ص ۱۲۷/۳ میں اور مسند ابوداؤد طیالسی میں حدیث نمبر ۱۵۰۸ ہے ۱۲

[۲] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب التعبیر باب ۴۷ ج ۸ ص ۸۳-۸۴ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اور مسند احمد طبع اول حدیث نمبر ۲۱۱۳ میں بھی ابن عباس سے مروی ہے ۱۲

اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے"؟ تو ایک آدمی نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اترا ہے اس پر آپ کا اور ابوبکر کا وزن ہوا تو آپ بھاری نکلے پھر ابوبکر اور عمر کا وزن ہوا تو ابوبکر بھاری ہوئے پھر عمر اور عثمان کا وزن ہوا تو عمر بھاری ہوئے۔ پھر وہ ترازو اوپر اٹھ گئی" تو ہم نے رسول خدا کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھے[ا]۔

اور یہ احادیث اپنے بیان میں پہاڑوں کی طرح وزنی ہیں اور جسے اللہ توفیق دے اس کے لیے حق کی راہنمائی کا وسیلہ ہیں اور اے اہل سنت کے گروہ! اگر تمہارے پاس اور کوئی بھی دلیل نہ ہو تو اللہ تعالے کا یہی قول کافی ہے کہ "اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو یقیناً اس کی مدد اللہ نے کی ہے جب کہ اسے کافروں نے نکال دیا تھا اور رسول دو میں سے ایک تھا جب وہ دونوں غار میں تھے (توبہ)" تو اللہ تعالے نے باقی تمام مسلمان امت کو ایک حصہ قرار دیا اور ابوبکر صدیق کو دوسرا حصہ قرار دیا[۲] اور پھر آپ کے ساتھ تمام صحابہ

[ا] یہ حدیث سنن ابی داؤد کی کتاب السنۃ باب ۸ حدیث نمبر ۴۶۳۴ میں حضرت ابوبکرہ سے مروی ہے اور جامع ترمذی کی کتاب الرؤیا باب ۱۰ میں ابوبکرہ سے آئی ہے اور مسند احمد طبع اول ۴۴/۵ میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے اور آنحضرت کے چہرہ پر کراہت کے آثار اس لیے پیدا ہوئے کہ ابوبکر ترازو کے ایک پلڑے پر تھے اور باقی ساری امت دوسرے پلڑے میں تو گویا کہ ساری امت مل کر بھی ابوبکر سے بھاری نہ ہو سکی۔ تو گویا کہ باقی امت کی درماندگی کا خیال آیا اور چہرہ متغیر ہو گیا ۱۲

[۲] یعنی اللہ تعالے نے مدد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ تو اپنی مدد کا قرار دیا اور دوسرا حصہ مسلمانوں کی مدد کا اور پھر مسلمانوں کی مدد کو صرف حضرت ابوبکر کی ذات میں منحصر کر دیا۔ تو ابوبکر کی مدد ساری امت کی روش سے بھاری ہوئی ۱۲

بھی کھڑے ہوئے۔

جب تم ان حقائق کو غور سے دیکھو گے تو ان سے خلفاء کا حال بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ ان کے کام۔ ان کی خلافت ان کی ترتیب سب کچھ چھوٹی بڑی چیز سمجھ میں آجائے گی اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ اللہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے ذریعہ اللہ تعالےٰ ان کے دین کو مضبوط کرے گا جو اللہ کو پسند ہے اور ان کے خوف کو دور کر کے امن کی فضا پیدا کرے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے" (النور)

اب اگر یہ وعدہ خلفائے راشدین کے ذریعہ پورا نہیں ہوا تو پھر کس سے پورا ہو گا؟ اور اگر یہ کوائف ان کے ذریعہ پورے نہیں ہوئے تو پھر کس کے ذریعہ پورے ہوں گے؟ اور اس کی دلیل مسلمانوں کا اجماع ہے کہ آج تک کوئی آدمی ان سے فضیلت میں بڑھ نہیں سکا اور جو ان کے بعد خلیفہ ہوئے ان میں اختلاف بھی ہوا اور یہی وہ خلفاء ہیں جن کے متعلق فیصلہ متفقہ طور پر ہوا۔ ان کی امامت یقینی ہے اور اللہ کا وعدہ ان کے متعلق ثابت اور نافذ ہے۔ انہوں نے اسلامی مملکت کی حفاظت کی اور دینی سیاست کو قائم کیا۔

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جو بھی امام ہوئے جو کہ ملت کے ارکان اور شریعت کے ستون۔ اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرنے والے اور جو اللہ کی طرف ہدایت پانا چاہے اسے راہ دکھانے والے ہیں وہ سب خلفاء کے تابع ہیں اور جو ظالم والی ہوئے ان کا ضرر دنیا اور اس کے احکام کے متعلق ہے۔

اور باقی رہے دین کی حفاظت کرنے والے تو وہ امام ہیں جو علم والے اور خدا کے دین کی خیر خواہی کرنے والے ہیں اور ان کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو محفوظ کیا اور ان کی حیثیت معاشی غلہ جات کے محافظوں کی سی ہے۔

دوسری قسم علماء اصول ہیں جنہوں نے خدا کے دین کی طرف سے اہل عناد اور بدعتی لوگوں سے مدافعت کی اور اس کے نوجوان گمراہی کے میدان جنگ میں اسلام کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبادات کے اصول اور معاملات کے قانون مرتب کیے اور حلال حرام کو الگ کیا اور خراج اور دیتوں پر حکم لگاتے اور نذور اور ایمان کے معانی بیان کیے اور مقدمات وغیرہ احکام کی تفصیل لکھی ان کی دین میں وہی حیثیت ہے جو مال میں تصرف کرنے والے وکلاء کی ہوتی ہے۔

اور چوتھی قسم وہ ہیں جو خدمت کے لیے وقف ہیں اور عبادت الٰہی میں مصروف ہیں مخلوق خدا سے الگ تھلگ ہیں اور آخرت میں ان لوگوں کی وہی حیثیت ہے جو دنیا میں بادشاہوں کے خاص امراء کی ہوتی ہے۔

اور ہم نے اپنی کتاب (سراج المریدین) کے چوتھے باب میں جو علوم قرآن کے متعلق ہے واضح کیا ہے کہ ان لوگوں میں افضل کون ہیں اور ان کے درجات کی ترتیب کیا ہے۔

قاضی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا اور یہ سب اشارات یا تصریحات یا دلالتیں یا تنبیہات ہیں اور ان سب کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو ہوا وہ بالکل صحیح ہوا اور عقلاء کی تحقیق وہی ہے جو ہوا۔

اور اس بیان کے بعد ہم ایک دوسرے طریق سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر خلافت کے متعلق حضرت ابوبکر یا حضرت علی کے متعلق نص ہوتی تو نہایت ضروری تھا کہ حضرت علی کو بطور حجت پیش کرتے یا پھر کوئی آدمی مہاجرین یا انصار میں سے آپ کے لیے اس کو بطور دلیل بیان کرتا۔

اور وہ جو غدیر خم[1] کی حدیث ہے تو اس میں اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ نے حضرت علی کو اپنی زندگی میں مدینہ پر خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں مناجات کے سفر کے وقت بنی اسرائیل پر حضرت ہارون کو مقرر کیا تھا اور اس پر تو ان کے بھائیوں تمام یہودیوں کا اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ کی وفات حضرت ہارون کے بعد ہوئی ہے پھر خلافت کہاں سے آگئی۔

باقی رہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "اے اللہ جو علی سے محبت رکھے اس سے محبت رکھ" یہ بالکل صحیح ہے اور آنحضرت کی قبول شدہ دعا ہے اور شیعہ کے علاوہ کوئی آدمی بھی حضرت علی سے دشمنی نہیں رکھتا۔ کیوں کہ انہوں نے حضرت علی کو ان کے اصلی مقام پر نہ بٹھایا بلکہ ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو آپ کے درجہ کے لائق نہ تھیں اور اگر حد میں زیادتی ہو جائے تو محدود میں نقصان ہو جاتا ہے اور اگر حضرت ابوبکر نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے تو پھر وہ اکیلے یہ زیادتی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ سب صحابہ ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے باطل پر ان کی مدد کی۔

اور ان کی ان باتوں کو عجیب نہ سمجھو وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کا نفاق جانتے ہوئے بھی بطور تقیہ ان کی خوشامد کرتے رہے ہیں اور کیا تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ قول یاد نہ رہا کہ جب آپ نے حضرت عائشہ کی یہ بات سنی کہ "عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ دیں وہ نماز پڑھائیں" تو فرمایا کہ "تم تو حضرت یوسف سے جھگڑنے والی عورتوں کی طرح ہو ابوبکر سے

---

[1] غدیر خم کی حدیث پہلے اس کتاب میں دو جگہ گذر چکی ہے اور اس حدیث کی تفسیر بھی حسن ثنی کی زبان سے گذر چکی ہے ۱۲

کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ اور جو احادیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ بھی یاد رکھیں۔

ان لوگوں نے تو بڑی عظیم بات کہہ دی اور بہت بڑا بہتان لگایا اور حضرت عمر نے جو اس معاملہ کو شوریٰ کے سپرد کیا تھا تو وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کی اقتداء تھی جیسا کہ آپ نے فرمایا[۱] "اگر میں خلیفہ مقرر کر جاؤں تو اس آدمی نے خلیفہ مقرر کیا ہے جو مجھ سے بہتر تھا (یعنی حضرت ابوبکر نے) اور اگر میں خلیفہ مقرر نہ کروں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مقرر نہیں کیا[۲]"۔ تو ان کلمات کی تردید کسی نے بھی نہ کی اور آپ نے فرمایا "میں اس معاملہ کو ان لوگوں کے مشورہ پر چھوڑتا ہوں جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے[۳]۔ اور اللہ تعالے ان سے زیادہ پہلے خوش تھا لیکن آپ نے ان لوگوں کو انتخاب کیا جو ان میں سے بہترین تھے اور حضرت عمر نے ان کی خلافت کی اہلیت کی شہادت دی۔

اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حیلہ سے خلافت حضرت عثمان کے سپرد کر دی۔ پھر اگر یہ حیلہ تھا اور اس کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی تو پھر یہ حیلہ عبدالرحمن بن عوف نے نہیں کیا[۴]۔ اور اگر بندوں کا عمل حیلہ ہو

---

[۱] یہ حدیث حضرت عائشہ اور ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے صحیح بخاری ج۱ کے صفحہ نمبر ۱۶۱ - ۱۶۲ - ۱۶۵ - ۱۶۴ - ۱۶۷ میں درج ہے ۱۲

[۲] صحیح مسلم کی کتاب للامارت میں یہ حدیث ج ۶ ص ۴ - ۵ میں حضرت ابن عمر کی حدیث عروہ بن زبیر اور سالم کے واسطہ سے مروی ہے اور مسند احمد ج ۱ حدیث نمبر ۲۹۹ میں عروہ کی روایت سے ابن عمر سے اور ابن عباس سے حدیث نمبر ۳۲۲ میں اور ابن عمر سے حدیث نمبر ۳۳۲ میں مروی ہے ۱۲

[۳] یہ حدیث صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ میں عمرو بن میمون سے مفصل مروی ہے اور پہلے اس کتاب میں بھی یہ حدیث گذر چکی ہے ۱۲

(باقی بر صفحہ ۳۱۵)

یا تقدیر جیلہ سے متعلق ہو تو وہ حیلہ اور قوت اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ یہ معاملہ صرف ایک آدمی کے سپرد ہو گیا اور عبد الرحمٰن بن عوف اس معاملہ میں اکیلے تگ و دو کرتے رہے جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر دیا اور شرطیہ تھی کہ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کی کوشش کریں تو پھر اسی طرح ہوا جیسا کہ انہوں نے کیا تھا اور انہوں نے خلافت صحیح مستحق کے سپرد کر دی اور ان کے علاوہ خلافت کا ان سے زیادہ کوئی مستحق نہ تھا جیسا کہ ہم نے خلافت کے مراتب کو اپنی کتاب "الفوز الکبیر" اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بیان کر دیا ہے۔

اور حضرت عثمان شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علیؓ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالےٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۴) ہے کہ یہ کام اللہ تعالےٰ نے کیا ہے اور اللہ تعالےٰ ہی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور ان کے ساتھیوں کو توفیق دینے والا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس نتیجہ پر آگئے جسے اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے پسند کیا تھا اور وہ اس میں بالکل صاف نیت اور مخلص اور اس کام کو محض اللہ تعالےٰ کے لیے کرنے والے تھے تو حضرت عمر نے خلیفہ کا انتخاب جو شوریٰ کے سپرد کیا تو یہ نفس انسانی کی نہایت بلند شان تھی اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ انسان بزرگی کے اعلیٰ مقام پر ہو اور دل کی تمام خواہشات سے پاک و صاف ہو ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

سلہ یہ قاضی ابو بکر بن العربی کی نہایت ضخیم تفسیر ہے جو اسی جلدوں میں ہے اور اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے ۱۲

احکام اور علوم بیان فرمائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔[1]"

اور اہل قبلہ کی جنگ میں ان کی سمجھ اور علم کا اظہار ہوا کہ آپ نے ان کو دعوت دی۔ ان سے بحث کی اور جب تک جنگ شروع نہ ہو گئی آپ ان کی طرف نہ بڑھے نہ جنگ میں ابتدائی اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کریں گے۔ اور حکم دیا کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے کسی عورت پر حملہ نہ کیا جائے۔ ان کا مال غنیمت نہ لوٹا جائے اور حکم دیا کہ مخالفین کی شہادت قبول ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یہاں تک کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی کی یہ جنگ نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہوتا۔

اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے خروج کا معاملہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔[2] باقی رہا ان کا سارے حقیقت پر کفر کا فتویٰ لگانا تو اصل میں وہی کافر ہیں۔ اور ہم نے اہل مذہب کا حال بیان کیا ہے کہ وہ بھی کسی کو گالی نہیں دیتے نہ کسی کتاب میں ایسا لکھا ہے اور ہم نے اس کو ہر باب میں مفصل بیان کیا ہے۔

پھر اگر یہ سوال کیا جائے کہ ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق حضرت عباس نے حضرت علی کے متعلق کہا تھا جبکہ حضرت عباس اور علی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقاف کے بارے میں حضرت عمر کے پاس اپنا جھگڑا لے کر گئے

---

[1] حالانکہ حضرت عمر خود وہ تھے جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حق سب سے پہلے عمر سے مصافحہ کرتا ہے" اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے جس سے وہ بولتے ہیں" اور یہ بھی فرمایا "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے" ۱۲

[2] ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے متعلق حدود شریعت قائم کرنے میں حضرت علی سے سمجھوتہ اور تعاون کیا جائے ۱۲

تو حضرت عباس نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المومنین میرے اور اس ظالم جھوٹے
گنہگار، ٹیڑھی راہ پر جانے والے کے درمیان فیصلہ کر دیں تو اہل مجلس نے حضرت
عمرؓ سے کہا اے امیر المومنین! آپ واقعی ان میں فیصلہ کر دیں اور ایک کو دوسرے
سے مطمئن کریں تو حضرت عمرؓ نے کہا میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں
جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے اور
اس سے مراد ان کا اپنا نفس تھا تو لوگوں نے کہا بے شک اسی طرح کہا ہے الخ پھر

ف۱ اسی کتاب میں پہلے حضرت عباس اور علی کے اپنا مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لانے
کا تذکرہ ہو چکا ہے اور صحیح بخاری میں حضرت مالک بن اوس کی حدیث سے مروی ہے
اور حافظ ابن حجر نے اس کو فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۵ پر اس کو درج کیا ہے اور شعیب
اور یونس نے یہ الفاظ بھی زیادہ کیے ہیں کہ "حضرت عباس اور علی نے آپس میں گالی
گلوچ کی" اور ابن شہاب کی روایت فرائض میں ہے اس کے لفظ یہ ہیں "میرے
اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کر دو۔ پھر ایک دوسرے کو گالی دیں اور جویریہ کی حدیث
کے الفاظ یہ ہیں "اس جھوٹے گنہگار دھوکہ باز اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دو"
حافظ ابن حجر نے کہا میں نے کسی حدیث میں کوئی ایسے لفظ نہیں دیکھے جو حضرت علی
سے حضرت عباس کے حق میں ثابت ہوتے ہوں بر خلاف اس کے عقیل کی روایت
سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے گالی دیں مازری نے کہا ان روایات کو زیادہ صحیح کہا
ہے جن میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کو گالی دیں" اور کہا ہے میرا خیال یہ ہے
کہ بعض راویوں کو ان الفاظ کا وہم ہوا ہے اور اگر یہ الفاظ محفوظ بھی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ
ان کو اس پر محمول کیا جائے کہ حضرت عباس نے حضرت علی کو یہ لفظ بطور پیار و محبت
کہے ہوں کیونکہ وہ آپ کے بچوں کی طرح تھے تو آپ نے حضرت علی کو اس چیز سے روکنا
چاہا جس کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے ۱۲

حضرت علی اور عباس کی طرف توجہ کی اور فرمایا "میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے" تو دونوں نے کہا "ہاں" تو حضرت عمر نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اس مال فے میں کچھ حصے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص فرمایا جو اور کسی کو نہیں دیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس پر عمل کرتے رہے پھر آپ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر نے کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوں تو آپ نے اپنی امارت کے دو سال اس پر قبضہ رکھا اور اس میں وہی کچھ کرتے رہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور تم خیال کرتے تھے کہ ابوبکر جھوٹے دھوکہ باز اور خائن ہیں[1] اور اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے۔ نیک۔ ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے اور پھر ساری حدیث بیان کی۔

تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت عباس نے جو کچھ حضرت علی سے کہا وہ باپ بیٹے کی آپس میں گفتگو ہے جیسے سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ اور چھوٹے اور بڑے میں ایسی چیزیں قابل معافی ہوتی ہیں پھر باپ بیٹے کی گفتگو پہ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

اور وہ جو حضرت عمر کا قول ہے کہ علی اور عباس نے حضرت ابوبکر کے متعلق یہ خیال کر رکھا تھا کہ وہ ظالم۔ خائن اور دھوکہ باز ہے تو یہ ایک واقعہ کے متعلق روایت تھی جس میں حضرت ابوبکر نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور ان لوگوں نے اپنی رائے بیان کی۔ پھر حضرت ابوبکر و عمر نے اپنی رائے سے ایک فیصلہ کیا اور

---

[1] حافظ ابن حجر ص ۱۲۳ میں فرماتے ہیں زہری یہ حدیث سناتے تھے کبھی صراحۃً یہ الفاظ بیان کرتے کبھی کنایۃً اور اسی طرح مالک بھی اور اسمٰعیلی اور دوسروں نے جو روایت بشر بن عمر سے بیان کی ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور یہ بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں جو حضرت عباس نے حضرت علی کے متعلق کہے ۱۲

علی وعباس کی وہ رائے نہ تھی لیکن جب انہوں نے فیصلہ کر دیا تو انہوں نے ان کے فیصلہ کو قبول کر لیا جس طرح کہ اختلافی معاملہ میں قاضی کے فیصلہ کو قبول کیا جاتا ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہو وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ قاضی کو وہم ہوا ہے لیکن وہ خاموش ہو کر فیصلہ کو تسلیم کر لے۔

پھر اگر کہا جائے کہ یہ کیفیت اول حال تو ہو سکتی ہے جبکہ معاملہ کی اصلیت معلوم نہ ہو کیونکہ حکم کی بنا اجتہاد پر تھی۔ لیکن جب یہ معاملہ حضرت فاطمہ اور عباس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث سے روک دیے جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی مل گئی اور آنحضرت کی ازواج مطہرات کو بھی علم ہو گیا اور عشرہ مبشرہ کو بھی اور انہوں نے اس کی شہادت بھی دی تو پھر تمہاری یہ توجیہ کس طرح درست ہو سکتی ہے[1]؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیفیت ابتدا میں ہو جب کہ معاملہ کی حقیقت ظاہر نہ ہوئی ہو تو ان دونوں کو خیال ہوا ہو کہ قرآن مجید اور اصول اور زمانے میں مشہور حکم کے خلاف اس وقت تک عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ معاملہ ثابت نہ ہو جائے پھر جب وہ ثابت ہو گیا تو تسلیم کر لیا اور مطیع ہو گئے اور اس کی دلیل وہی صحیح حدیث ہے جو ہم نے پہلے بیان کی اس پر غور کرنا چاہیئے اور یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں نص صریح نہیں ہے کیونکہ آپ کا قول کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ہماری میراث درست نہیں اور نہ میں اس کا اہل ہوں کیونکہ میری ملکیت ہی کوئی نہیں اور نہ میں نے دنیا کی کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہے جو دوسروں کی طرف منتقل ہو" اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا نورث الگ حکم ہو اور ما ترکنا صدقہ" ایک الگ حکم ہو اور اس کی خبر دی ہو کہ آپ نے

---

[1] یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے ۱۲

اپنے ہاتھ کی ہر چیز پر صدقہ کا حکم نافذ کر دیا ہو جو کہ اللہ تعالے نے آپ کو دے رکھی تھیں اور یہ اس مال سے مخصوص ہے جس پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہ دوڑائے ہوں اور جو مال مسلمان جنگ کر کے غنیمت کے طور پر حاصل کرتے تھے اس میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حصہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقۃً کا لفظ منصوب ہو اور یہ متروک سے حال ہو ابو حنیفہ کے اصحاب نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ توجیہ کمزور ہے اور ہم نے اس کو اس کے مقام پر بیان کر دیا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور اس میں اجتہاد کا دخل ہے اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص ثابت نہیں ہے تو اس میں مجتہد کی غلطی اور درستی دونوں کا احتمال ہے۔

تاصمة

پھر حضرت علی شہید ہوئے تو رافضیوں نے کہا آپ نے خلافت حضرت حسن کو دی تھی اور حسن نے امیر معاویہ کے سپرد کر دی تو ان کو "مومنوں کے چہرے کو سیاہ کرنے والا" کہا گیا اور رافضیوں کی ایک جماعت نے حضرت حسن کو فاسق کہا اور ایک جماعت نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔

ا۔ شیعوں کے ایمان کے عناصر میں سے بلکہ ایمان کا بہت بڑا عنصر یہ ہے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت حسن اور ان کے والد اور ان کے بھائی اور حسین کی اولاد میں سے نو آدمی یہ سب معصوم ہیں اور ان معصومین میں سے دوسرے حضرت حسن ہیں اور عصمت کا معنی یہ ہے کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے اور ان سے جو کچھ بھی صادر ہو وہ حق ہے اور حق تناقض نہیں ہوتا اور وہ جو حضرت حسن سے امیر معاویہ کی بیعت کا صدور ہوا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ بھی اس بیعت میں شامل ہو جاتے اور اس پر ایمان لاتے کہ وہ حق ہے کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق یہ معصوم کا عمل ہے لیکن ان کی حالت سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے منکر ہیں اور اپنے معصوم امام کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا یہ طرز عمل دو حال سے خالی نہیں ہے۔

یا تو وہ بارہ اماموں کی عصمت کے قائل نہیں ہیں تو اس صورت میں ان کا دین اپنی بنیادوں سے اکھڑ جائے گا کیونکہ ان کے دین کی بنیاد عصمت کا عقیدہ ہے اور اس کے علاوہ ان کے دین کی اور کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اب یا تو وہ حضرت حسن کی عصمت کے قائل ہوں گے اور امیر معاویہ کی بیعت ایک معصوم کا عمل ہوگا۔

اور یا پھر اس سے انکاری ہوں گے اور معصوم نے جس چیز کو درست (باقی بر ص۳۲۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۱)

سمجھا اور اس پر عمل کیا اس کے مخالف ہوں گے اور وہ نسلاً بعد نسلٍ اسی مخالفت کی تلقین کرتے آتے ہیں تاکہ وہ امام معصوم کی مخالفت پر اصرار دعناد اور عناد اور کفر کے سبب ثابت قدم رہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت ان کو ہلاکت میں زیادہ پھینکنے والی ہے اور یہ دوسری توجیہ تو بہت ہلاک ہے اور تیسری کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

اور جن رافضیوں نے یہ کہا ہے کہ وہ مومنوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا ہے ان کے اس کلام کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ شیعان پر ایمان لانے والوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا ہے۔

باقی رہے وہ مومن جو حسن کے نانا صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں وہ تو آپ کی مصالحت سے صلح اور بیعت کو نبوت کی پیشگوئیوں میں سے سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اسی طرح ظہور پذیر ہوئی جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ اور جنتی نوجوانوں کے سردار کے متعلق اطلاع دی تھی کہ اللہ تعالےٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے گا جیسا کہ آئندہ بیان آئے گا۔ اور تمام وہ لوگ جو اس پیشگوئی اور صلح پر خوش ہیں وہ حسن کو مومنوں کے چہروں کو روشن کرنے والا کہتے ہیں۔

عاصمہ

قاضی ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رافضیوں کا یہ قول کہ حضرت علیؓ نے خلافت حسن کے سپرد کی تھی" یہ باطل ہے۔ آپ نے کسی کو نامزد نہ کیا تھا۔[۱۵]

---

[۱۵] امام احمد نے اپنی مسند جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ میں عبد اللہ بن سبع کی باسند حدیث روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علی سے سنا آپ بیان کر رہے تھے کہ میں عنقریب قتل کیا جاؤں گا تو لوگوں نے کہا "کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں" تو فرمایا "نہیں بلکہ میں تم کو اسی حال پر چھوڑ جاؤں گا جس حال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا۔" لوگوں نے کہا "آپ خدا کو جا کر کیا جواب دیں گے" تو فرمایا "میں کہوں گا اے اللہ جس حال میں تجھے منظور تھا تو نے مجھے ان میں چھوڑا۔ پھر تو نے مجھے اٹھا لیا اور تو ان کا نگران تھا اگر تو چاہتا تو ان کو درست رکھتا اور اگر چاہتا تو بگاڑ دیتا"۔ امام احمد نے جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ حدیث نمبر (۱۳۳۹) میں بھی اسی طرح عبد اللہ بن سبع کی حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۵۰-۲۵۱ میں بیہقی کے حوالہ سے شقیق بن سلمہ اسدی کی باسند حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ خلیفہ کیوں مقرر نہیں کر دیتے تو آپ نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ بنایا تھا جو میں خلیفہ بنا جاؤں؟ لیکن اگر اللہ کو لوگوں کی بھلائی منظور ہوگی تو میرے بعد ان کو بہترین آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح کہ نبی کے بعد ان کو بہترین آدمی پر جمع کر دیا تھا۔" اور اس حدیث کی سند اچھی ہے۔

اور ابن کثیر نے جلد ۸ صفحہ ۱۳ پر امام بیہقی کے حوالہ سے ثعلبہ بن یزید حمانی (ابو یزید —)

لیکن بیعت حضرت حسن کے ہاتھ پر ہوگئی اور وہ امیر معاویہ اور بہت سے لوگوں سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ آپ کا لشکر لے کر نکلنا بالکل اپنے باپ کی طرح تھا کہ وہ باغی جماعت کو حق کے سامنے جھکنے اور اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ پھر حالات اس طرح کے پیش آئے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہوگئے تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو۔[1]

(بقیہ حاشیہ ص۳۲۳) کی روایت نقل کی ہے (یہ ثعلبہ کوفہ کا شیعہ تھا امام نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے) کہ حضرت علی سے کہا گیا "آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے"؟ تو فرمایا "نہیں میں تم کو اسی طرح چھوڑ جاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم کو چھوڑ گئے تھے"۔ مزید دیکھو سنن کبری بیہقی ج۸ ص۱۴۹) (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] حضرت حسن اور امیر معاویہ کے درمیان صلح کرانے کے لیے کچھ آدمی درمیان میں پڑے اور ان کی صلح ہوگئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الصلح ج۳ ص۱۶۹ پر حسن بصری کی حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا "خدا کی قسم امیر معاویہ کے مقابلہ پر حضرت حسن پہاڑوں جیسے لشکر لے کر آئے تو عمرو بن عاص نے کہا "میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جو اپنے جیسے آدمیوں کو قتل کیے بغیر واپس نہ ہوں گے"۔ تو امیر معاویہ نے ان سے کہا اور خدا کی قسم امیر معاویہ عمرو بن عاص سے بہت بہتر تھے "اے عمرو! اگر یہ آدمی ان سے لڑے اور وہ ان سے لڑے تو میں لوگوں کے معاملات کا کیا کروں گا۔ ان کی عورتوں کا کیا بنے گا۔ ان کے بچوں کو کون سنبھالے گا"۔

تو پھر امیر معاویہ نے دو آدمی عبد الرحمن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر بن کریز قریشی اموی حضرت حسن کے پاس روانہ کیے اور فرمایا کہ حضرت حسن کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو اور ان سے کہو کہ آپ جو شرائط چاہیں گے ہم ان کو منظور کریں گے اور میں تم دونوں کو پورے پورے اختیارات دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آئے اور حضرت حسن سے مل کر گفتگو کی تو حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ (باقی بر ص۳۲۵)

اور مجاہد نبی کی بات کی تصدیق ہوتی آپ نے منبر پر فرمایا "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالٰے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے[۱]" چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور امیر معاویہ کی بیعت صحیح ہو گئی اور یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی امید کے عین مطابق ہوا۔ پس امیر معاویہ خلیفہ ہیں۔ بادشاہ نہیں ہیں[۲]۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سفینہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی"۔ اور اب ہم ابوبکر کی خلافت سے لے کر حضرت حسن کی خلافت کے اختتام تک شمار کرتے ہیں تو تیس سال پورے ہو جاتے ہیں اور ایک دن بھی کم نہیں رہتا۔ تو ہم کہیں گے ع۔

دیکھی ہوئی چیز کو لے لو اور سنی سنائی باتوں کو چھوڑ دو۔ چاند دیکھنے کے بعد زحل کی ضرورت نہیں رہتی۔

(بقیہ حاشیہ ۳۲۴) "عبد المطلب کی اولاد کو تو مال مل گیا اور باقی امت خون میں لتھڑ گئی" (یعنی مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں کے آدمی شہید ہو چکے ہیں ان کو بھی مال دے کر خوش کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے صرف میری اپنی ذات ہی کا معاملہ نہیں ہے) تو ان دونوں نے کہا "معاویہ آپ کو اتنا روپیہ دینے کو تیار ہیں اور آپ سے صلح کے خواہشمند ہیں"۔ تو حضرت حسن نے کہا "اس کا ذمہ دار کون ہو گا" تو انہوں نے کہا "ہم ذمہ دار ہیں"۔ پھر آپ نے جو جو شرطیں پیش کیں وہ ان کی ذمہ داری اٹھاتے گئے چنانچہ حضرت حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] پہلے حضرت ابوبکرہ کی حدیث حسن بصری کے واسطہ سے گذر چکی ہے اور یہ حدیث صحیح بخاری میں دو جگہ آئی ہے کتاب الصلح اور کتاب فضائل الصحابہ کے باب مناقب حسن و حسین میں حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ (باقی بر صفحہ ۳۲۶)

یہ[۱] حدیث حضرت حسن کے ذکر میں ایک بشارت ہے اور حسن کی تعریف ہے کیونکہ آپ کی وجہ سے صلح ہوگئی اور معاملہ خلافت امیر معاویہ کے سپرد ہوا اور حضرت حسن نے امیر معاویہ کی بیعت کرلی[۲]
اور یہ حدیث[۳] صحیح نہیں ہے[۴] اور اگر صحیح بھی ہو تو وہ اس صلح کے مخالف ہے

(بقیہ حاشیہ ص۳۲۵) میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور حسن بن علی آپ کے پہلو میں کھڑے تھے اس وقت آپ نے فرمایا "میرا بیٹا سردار ہے" الحدیث اور یہ حدیث البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۹ اور ابن عساکر ج۴ ص۲۱۱، ۲۱۲ میں بھی درج ہے ۱۲

۲؎ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ یعنی یہ حدیث کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے" جسے امام بخاری نے حسن البصری کے واسطہ سے حضرت ابوبکرہ سے روایت کیا ہے ۱۲

۲؎ یہ بیعت "مسکن" نامی جگہ میں ہوئی اور یہ نہر دجیل کے کنارہ پر واقع ہے اور یہ بیعت ربیع الاول ۴۱ھ میں ہوئی تو اس سال کا نام "عام الجماعۃ" مشہور ہوگیا کیونکہ اس میں مسلمان تفرقہ کے بعد پھر اکٹھے ہوگئے تھے اور بیرونی جنگوں اور فتوحات اور دعوت اسلامی کے پھیلانے کے لیے فارغ ہوگئے۔ اور اس سے پہلے حضرت عثمان کے قاتلوں نے اس مہم سے مسلمانوں کی تلواروں کو پانچ سال تک معطل کر دیا تھا اور ان پانچ سالوں میں مسلمان ان بلندیوں تک پہنچ سکتے تھے جن پر دوسرے لوگ پانچ صدیوں میں بھی نہ پہنچتے اور ہر چیز میں اللہ تعالےٰ کی حکمت ہوتی ہے ۱۲

۳؎ یعنی سفینہ کی حدیث ۱۲

۴؎ کیونکہ سفینہ سے اس کا راوی سعید بن جمہان ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض نے اسے ثقہ کہا۔ امام ابوحاتم نے کہا اس سے احتجاج نہ کیا جائے اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے۔ بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا "منکر ہے" اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس (باقی بر ص۳۲۷)

(بقیہ حاشیہ ۳۲۶)

حدیث کو سوید طحان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے متعلق حافظ ابن حجر تقریب میں کہتے ہیں "اس کی حدیث کمزور ہے"۔

اور پھر یہ جابر کی حدیث کے مطابق ہے جو صحیح بھی ہے اور صحیح ترین بھی جسے مسلم نے کتاب الامارۃ میں جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں اپنے باپ کے ہمراہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سنا آپ فرما رہے تھے "یہ کام اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ ان میں بارہ خلیفے نہ پیدا ہوں۔" پھر آپ نے کچھ گفتگو کی جو میں نہ سن سکا۔ تو میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ آپ نے کیا فرمایا تھا تو کہا آپ نے فرمایا ہے "وہ سب خلیفے قریش سے ہوں گے"۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الاحکام اور فتح الباری میں بھی ہے۔

اور سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی اور مسند امام احمد میں مسروق بن اجدع ہمدانی سے روایت ہے (یہ مسروق امام اور بہت بڑے عالم ہیں) کہ ہم حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ہمیں قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک آدمی نے آ کر آپ سے پوچھا "اے ابا عبد الرحمن کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اس امت میں کتنے خلیفے ہوں گے؟" تو عبد اللہ بن مسعود نے کہا "جب سے میں عراق میں آیا ہوں تم سے پہلے مجھ سے یہ بات کسی نے نہیں پوچھی۔ پھر کہا ہاں ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا "بارہ خلیفے ہوں گے جتنے بنی اسرائیل کے نقیب تھے"۔

اور یہ حدیث مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۱۹۰ اور مسند امام احمد صفحہ ۸۶-۸۷ میں تین روایتوں سے اور صفحہ ۸۹-۹۰ میں تین روایتوں سے اور ۹۲ میں تین روایتیں اور ۹۳ میں دو روایتیں اور ۹۴-۹۵-۹۶ میں دو روایتیں اور ۹۷ میں دو ۹۸ میں تین ۹۹ میں تین ۱۰۰-۱۰۱ میں دو اور ۱۰۶ میں دو اور ۱۰۷ میں دو اور ۱۰۸ میں دو اور مسند ابو داؤد طیالسی میں حدیث نمبر ۷۶۷ اور ۱۲۷۸ میں آئی ہے۔

جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو اہو اس طرف رجوع لازم ہوگا[1]۔
پھر اگر یہ کہا جائے کہ کیا صحابہ میں امیر معاویہ سے افضل اور کوئی آدمی نہ تھا جو خلیفہ بنایا جاتا؟ تو ہم کہیں گے بہت تھے[2]۔ لیکن امیر معاویہ میں چند ایک باتیں

---

[1] یعنی حضرت حسن کے امیر معاویہ کی بیعت کرنے کی طرف۔ اور اس پر اتفاق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہ اور رضا کی بشارت اس کو شامل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ میں کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں کے درمیان صلح اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ تھی اور جو کچھ امام حسن نے اس میں کیا یہ آپ کے بہت بڑے فضائل اور مناقب میں شامل ہے جس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی اور اگر لڑائی واجب یا مستحب ہوتی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم واجب یا مستحب کے چھوڑ دینے پر ان کی تعریف نہ کرتے ۱۲

[2] جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص جو فاتح اور مجاہد اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور عبداللہ بن عمر بن خطاب جو ایک عالم صحابی اور ہر چھوٹی بڑی چیز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کمال پیروی کرنے والے تھے اور ان کے علاوہ ان جیسے بھی اور ان سے کچھ کمتر بھی اور یہی وہ لوگ تھے جن کی رائے پر خلافت کا معاملہ جنگ صفین کے بعد دونوں حاکم عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ چھوڑ دینا چاہتے تھے۔ پھر جب حکمین نے معاویہ کے لیے تمام امت کا اجماع دیکھا تو انہوں نے بھی معاویہ کی خلافت قبول کر لی اور پھر بیعت بھی کر لی۔ حالانکہ یہ حضرت عثمان کے فتنہ سے لے کر اب تک گوشہ نشین رہے تھے۔ (دیکھو فتح الباری صفحہ ۵/۱۳)

اور امیر معاویہ بذات خود بھی ان لوگوں کی قدر و منزلت کو جانتے تھے چنانچہ البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۳۲/۸ میں ابو حاتم عتبی کی روایت ہے کہ امیر معاویہ نے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں کئی آدمی مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو اور ان کے علاوہ بھی دوسرے فاضل صحابہ۔ لیکن شاید (باقی بر صفحہ ۳۲۹)

جمع ہو گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت عمرؓ نے شام اور اس کے تمام ملحقہ علاقے ان کی تحویل میں دیدیے تھے اور وہ بلا شرکت غیرے ان پر قابض[۱] تھے اور حضرت عمرؓ نے یہ اس لیے کیا کہ امیر معاویہ کی سیرت بہت اچھی تھی[۲]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۸) میں خلافت کے معاملہ میں تمہارے لیے زیادہ مفید رہوں اور دشمنان اسلام سے زیادہ جنگ کروں اور تمہیں زیادہ مال غنیمت دے سکوں"۔ اور اس روایت کو ابن سعد نے بھی محمد بن مصعب۔ ابوبکر بن ابو مریم۔ ثابت مولیٰ معاویہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے معاویہ کو یہ کہتے سنا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] شام کا علاقہ آپ کی قیادت اور حسن سیاست سے اسلام کی ایک بہت بڑی قوت بن چکا تھا اور شامی لوگ اپنے اسلام کی صداقت کی وجہ سے ان لشکروں کے پیشرو بن چکے تھے جو اسلامی جہاد اور فتوحات حاصل کرنے کے لیے جاتے تاکہ وہ اپنا اخلاق اور سیرت اور اپنے قائد کی حکمت عملی سے لوگوں پر اثر انداز ہوں ۱۲

[۲] پہلے امام اہل مصر لیث بن سعد کی صحیح سند سے حدیث گذر چکی ہے کہ سعد بن ابی وقاص (فاتح عراق و ایران اور دولت کسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے) نے کہا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امیر معاویہ سے بہتر حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا کوئی آدمی نہ دیکھا اور عبدالرزاق صنعانی نے اپنی سند سے عبداللہ بن عباس حبر الامت سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میں نے امیر معاویہ سے بہتر حکمرانی کرنے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا امیر معاویہ کا اپنی رعیت سے برتاؤ بہت اچھا تھا اور اس کے اخلاق بہترین والیوں کے اخلاق تھے اور صحیح مسلم (صفحہ ۲۴ حدیث نمبر ۶۵-۶۶) میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ تمہارے بہترین امام وہ ہوں گے جن سے تم محبت رکھو اور وہ تم سے محبت رکھیں اور وہ تمہارا جنازہ پڑھیں اور تم ان کا جنازہ پڑھو۔ (باقی بر صفحہ ۳۳۰)

اور آپ اسلامی مملکت کی حفاظت اور سرحدوں کی نگرانی بڑی اچھی طرح کرتے

(بقیہ حاشیہ ۳۲۹) اور طبری ۱۸۹ میں قبیصہ بن جابر اسدی کی باسند روایت ہے آپ نے فرمایا "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے کس کس کی صحبت حاصل رہی ہے۔ میں عمر بن خطاب کی مجلس میں رہا۔ آپ دین میں نہایت سمجھدار اور تعلیم دینے میں بہت اچھے استاد تھے۔ پھر میں طلحہ بن عبید اللہ کے پاس رہا۔ میں نے بغیر مانگے بے شمار مال دینے والا ان سے بہتر کوئی نہ دیکھا۔ پھر میں امیر معاویہ کی صحبت میں رہا۔ ان سے زیادہ دوستوں سے نرمی کرنے والا اور ظاہر و باطن ایک جیسا رکھنے والا میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ہمت کی بلندی اور عظیم توجہ کی بنا پر اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ آپ نے روم کے بادشاہ کو ڈانٹ پلائی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ روم کا بادشاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر سرحدوں کے قریب آگیا ہے۔ تو آپ نے اس کو ایک نہایت سخت خط لکھا اس خط کا مضمون یہ تھا۔

"اگر تو اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا اور اپنے علاقے میں واپس اپنے پایۂ تخت میں نہ چلا گیا تو میں اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر لوں گا اور تجھے تیرے تمام علاقہ سے محروم کر دوں گا اور باوجود فراخ ہونے کے تجھ پر زمین تنگ کر دوں گا"

جب یہ خط روم کے بادشاہ نے پڑھا تو نہایت خوفزدہ ہوا اور اپنے علاقے میں واپس چلا گیا" (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۹/۸)

فوج کی ترتیب اور دشمن پر غالب آنے کے ڈھنگ[1] جانتے اور لوگوں کی سیاست اچھی طرح[2] کرتے۔

---

[1] آپ بری اور بحری جنگوں میں بے مثال تھے امیر معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں اسلام کو وہ مثالی عزت حاصل ہو رہی تھی جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار آدمی پسند کرتے تھے آپ کے دور خلافت میں اسلامی جھنڈے دنیا جہان میں لہرا رہے تھے جیسے مصر کی فتح اور اس کا اسلامی اور عربی علاقہ میں داخل ہونا کیلئے عمرو بن عاص کا کارنامہ ہے۔ اسی طرح بحری بیڑہ کا تیار کرنا اور ابتدائی بحری جنگیں لڑنا حضرت امیر معاویہ کا کارنامہ ہے اور جو آدمی عرب اور اسلامی تاریخ میں مشغول ہونا چاہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ امیر معاویہ پیدائشی طور پر سرداری اور قیادت اور حکومت کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔

ابن کثیر نے تاریخ ج۸ ص۱۳۵ میں عمرو بن عاص کی باسند روایت کی ہے انہوں نے کہا "میں نے امیر معاویہ سے بڑھ کر کوئی بھی بڑا سردار نہیں دیکھا" تو جبلہ بن سحیم نے پوچھا کیا حضرت عمر بھی نہیں تھے؟ تو کہا حضرت عمر معاویہ سے بہت بہتر تھے لیکن معاویہ سرداری میں ان سے بڑھ کر تھے"۔ اور اسی طرح کے کلمات امیر معاویہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی مروی ہیں اور عبداللہ بن عباس کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ میں نے معاویہ سے بڑھ کر کوئی اچھا حکمران نہیں دیکھا"۔

[2] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج۳ ص۱۸۵ میں کہا ہے کہ اسلامی بادشاہوں میں سے کوئی بھی امیر معاویہ سے اچھا بادشاہ نہیں ہوا اور جتنی خوبیاں اور بھلائیاں لوگوں میں اس کے دور میں پیدا ہوئیں اتنی کبھی نہ پیدا ہوئی تھیں۔ بشرطیکہ آپ امیر معاویہ کے بعد کے بادشاہوں سے مقابلہ کریں اور اگر حضرت ابوبکر و عمر سے مقابلہ کریں تو بہت فرق ہے ابوبکر اثرم اور ابن بطہ نے اپنے اپنے طریق سے حضرت قتادہ سے باسند روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر تم امیر معاویہ کے اعمال دیکھتے تو تم (باقی بر صفحہ)

اور ان کی سمجھداری کے متعلق صحیح حدیث نے شہادت دی ہے[1]۔ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۱) میں سے اکثر کہتے کہ یہ مہدی ہیں" اور ابن بطہ نے دو صحیح سندوں سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اگر معاویہ کو دیکھ لیتے تو کہتے یہ مہدی ہے"۔ اور اثرم نے باسند ابوہریرہ مکتب کا قول نقل کیا ہے کہ ہم اعمش کے پاس بیٹھے تھے تو عمر بن عبد العزیز اور اس کے عدل و انصاف کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی تو اعمش نے کہا اگر تم امیر معاویہ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہے"۔ تو لوگوں نے پوچھا "ان کے حلم کی بابت آپ کہہ رہے ہیں؟ تو فرمایا نہیں خدا کی قسم اس کے عدل کی بابت کہہ رہا ہوں"۔

اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے باسند ابو اسحاق سبیعی کا قول نقل کیا ہے انہوں نے معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "اگر تم اس کو اور اس کے زمانہ کو دیکھ لیتے تو کہتے یہ مہدی ہے" اور یہ شہادت جو ان بڑے بڑے علماء سے امیر المومنین معاویہ کے متعلق ملی ہیں یہ حقیقت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعا کی بازگشت ہے جو آپ نے اس نیک خلیفہ کے متعلق کی تھی کہ "یا الٰہی اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے"۔ اور یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں سے ہے"۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] صحیح بخاری کتاب مناقب الصحابہ ص ۲۱۹ جز ۲ میں روایت ہے کہ ابن عباس سے کہا گیا "آپ امیر المومنین معاویہ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ ایک ہی وتر پڑھتے ہیں"۔ تو آپ نے فرمایا "وہ فقیہ آدمی ہیں" اور جامع ترمذی کی کتاب المناقب میں ابوعمیرہ مزنی کی روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کے لیے دعا فرمائی اے اللہ اسے ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے"

اور طبرانی نے سعید بن عبد العزیز تنوخی (یہ شامیوں میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو امام مالک مدینہ میں) سے روایت کی ... بن یزید ابادی (یہ بہت بڑے عالم ہیں)

(باقی بر ص ۳۳۳)

(بقیہ حاشیہ ۳۳۲)

سے روایت کرتے ہیں وہ عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کے لیے دعا کی "اے اللہ اسے کتاب اور حساب کا علم دے اور عذاب سے بچا"

اور اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ابو مسہر سے روایت کیا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب عمیر بن سعد الانصاری کو حضرت عمر کی خلافت میں حمص کی ولایت سے معزول کیا گیا اور امیر معاویہ کو وہاں مقرر کیا گیا تو حضرت عمیر نے شہادت دی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کے لیے دعا کی ہے کہ "اے اللہ اس کو ہدایت دے"۔ اور امام احمد نے اس کو عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ابن جریر نے ابن مہدی کی روایت سے اور اس حدیث کو اسد بن موسیٰ اور بشر بن السری اور عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے باسناد روایت کیا ہے اور بشر بن سری کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "اور اسے جنت میں داخل کر" اور ابن عدی وغیرہ نے اسے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور محمد بن سعد نے اپنی سند سے مسلمہ بن مخلد سے روایت کیا ہے جو کہ مصر کی فتح کرنے والوں میں شامل تھا اور کچھ عرصہ اس کا حاکم رہا، اور امیر معاویہ کے لیے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اور بھی دعا کے راوی جو ابن شہاب سے بھی زیادہ ہیں (دیکھو البدایہ والنہایہ ص ۱۲۰-۱۲۱ اور دیکھو ابن عساکر کی تاریخ دمشق ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان میں)

اور جو اس حدیث کی تصدیق نہ کرے وہ شریعت اسلامی کی ایک اہم چیز کا انکار کرتا ہے جو سنت سے ثابت ہوئی ہو اور امیر معاویہ سے بغض رکھنے والے شیعہ میں سے جو ان پر لعنت کرتے ہیں ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت بھی کرتے ہیں کیا تم نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے نانا سے بھی بغض رکھتے ہیں کیونکہ وہ امیر معاویہ سے خوش ہیں اور اس کی مدد بھی کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔ سچ ہے جب تم میں شرم و حیا باقی نہ رہے تو جو چاہے کرو۔

اور حافظ ابن عساکر نے ابو زرعہ رازی سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ان سے کہا "میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں" تو آپ نے اس سے (باقی برصفحہ ۳۳۴)

آپ کی خلافت کی شہادت ام حرام کی حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت کی امت میں سے بحیرۂ اخضر کے وسیع سمندر میں اس طرح جہازوں پر بیٹھیں گے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں اور یہ امیر معاویہ کی خلافت میں ہوا۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۳) پوچھا کیوں؟ تو کہنے لگا کہ اس نے علی سے لڑائی کی" تو ابوزرعہ نے اس کو جواب دیا۔ تجھ پر افسوس! معاویہ کا رب رحیم ہے اور معاویہ سے جھگڑا کرنے والا کریم ہے پھر تو ان دونوں صحابہ میں دخل دینے والا کون ہے"؟ ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ام حرام بنت ملحان قباء کی رہنے والی صحابیہ انصاری عورت ہیں۔ آنحضرت جب قبا تشریف لے جاتے تو ان کے گھر پاس آرام فرماتے اور یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالک کی خالہ ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الجہاد میں اور مسلم نے کتاب الامارت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ام حرام کے پاس قیلولہ فرمایا پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے کیونکہ آپ نے اپنی امت کے کچھ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے غازی دیکھے تھے جو سمندر کے وسط میں سفر کر رہے ہیں اور جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں وہ جہازوں پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے پھر اپنا سر رکھا اور سو گئے پھر بیدار ہوئے اور اب بھی آپ نے پہلے کی طرح نظارا دیکھا تو ام حرام نے آپ سے عرض کیا اللہ سے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بھی ان میں سے کرے تو آپ نے فرمایا "تو پہلے لوگوں میں سے ہے"۔

حافظ ابن کثیر نے ج ۲۵ میں فرمایا اس سے مراد امیر معاویہ کا لشکر ہے جس نے حضرت عثمان کے زمانہ میں ۲۷ھ میں حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور اس لشکر کے سپہ سالار امیر معاویہ تھے آپ نے اس سے پہلے اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا بحری بیڑا تیار کیا اور ام حرام اپنے شوہر عبادہ بن صامت کے ہمراہ اس جہاد میں شریک ہوئیں (باقی بر صفحہ ۳۳۷)

اور یہ احتمال بھی ہے کہ ولایت کے مدارج مختلف ہوں ایک ولایت خلافت
ہو اور ایک ولایت ملوکیت اور ولایت خلافت چار خلفاء کے لیے ہو اور
ولایت ملوکیت کی ابتداء امیر معاویہ سے[ھ] ہو[لہ]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) اور اس لشکر میں حضرت ابوالدرداء اور ابوذر بھی رضی اللہ عنہم اور حضرت ام حرام
وہیں خدا کی راہ میں شہید ہوئیں اور ان کی قبر آج تک قبرص میں موجود ہے۔ ابن کثیر نے
کہا پھر دوسرے لشکر کا امیر یزید بن معاویہ مقرر ہوا جس نے قسطنطنیہ فتح کیا اور یہ
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا)

ھ خلافت و ملوکیت کا فرق میں نے مقدمہ کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ اس کو ملاحظہ
فرمائیں (خالد گھرجاکھی)

لہ خلافت، ملوکیت اور امارت یہ مختلف اصطلاحی عنوانات ہیں اور اپنے عملی مدارج
کے اعتبار سے تاریخ میں مختلف نام رکھے جاتے ہیں اور اس میں آدمی کی سیرت
اور عمل ملحوظ رہتا ہے اور امیر معاویہ خلافت راشدہ میں بیس سال تک شام کے والی
رہے اور پھر جب حضرت حسن نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اسلامی حکومت کے
دارالخلافہ میں بیٹھ کر بیس سال تک اسلامی مہمات سرانجام دیتے رہے آپ دونوں
حالتوں میں عدل و انصاف کرتے رہے۔ لوگوں کے ہر طبقہ سے اچھا سلوک کرتے اور
اہل سخاوت کی عزت کرتے اور ان کے مال بڑھاتے رہے، ان کی امداد کرتے اور جاہل لوگوں
کی جہالت پر اپنے وسیع حوصلے سے کام لیتے۔ اور اس طرح ان کے دل اپنی طرف کھینچ لیتے اور
تمام حالتوں میں احکام شریعت محمدیہ کا التزام رکھتے اور پوری احتیاط اپنے اندر
ایمان اور پختگی کو ملحوظ رکھتے۔ نمازوں میں خود امامت کرتے اور ان کی مجلسوں
میں شامل ہوتے اور جنگوں میں ان کی قیادت کرتے۔

اور منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء اور باقی ارہے ۳۳۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۵)

رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ آپ شامی لوگوں سے کہہ رہے تھے "میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو تمہارے امام سے"۔ یعنی امیر معاویہ سے۔

اور آپ پہلے حضرت اعمش کا قول پڑھ آئے ہیں آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جو عمر بن عبد العزیز اور ان کے عدل کا تذکرہ کر رہے تھے کہ "اگر تم امیر معاویہ کو دیکھ لیتے تو پھر کیا کہتے؟" تو انہوں نے کہا "ان کے حلم کے بارے میں؟" تو فرمایا "نہیں خدا کی قسم ان کے انصاف کے بارے میں"۔

اور اسلام کے طریقہ پر آپ کی استقامت اس حد تک تھی کہ قتادہ اور مجاہد اور ابو اسحٰق سبیعی جیسے ائمہ اعلام ان کو مہدی کہتے تھے۔ اور جو آدمی امیر معاویہ کی سیرت اور حکومت کو غور سے دیکھے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ شام میں آپ کی حکومت عدل، رحم، ہمدردی میں ایک مثالی حکومت تھی۔ اور جب امیر معاویہ کو اچھی اور بہت اچھی میں اختیار دیا جاتا تو آپ ہمیشہ بہت اچھی کو اچھی پر ترجیح دیتے اور جس آدمی کا چالیس سال تک یہ مسلک رہا ہو اور جسے ایک مسلمان امیر مسلمانوں کی خلافت کا اہل سمجھ کر اس کے حق میں دستبردار ہو جائے اور پھر لوگ اسے پسند بھی کریں اور اس پر رشک کریں تو وہ خلیفہ ہی ہو گا۔

اور جس نے آپ کو بادشاہ کہا ہے وہ بھی اس سے تو انکار نہیں کر سکتا کہ وہ اسلام کے بادشاہوں میں سے سب سے زیادہ مہربان اور مصلح تھا۔ ہم طالب علمی کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں طلباء کی مجلس میں بحث کر رہے تھے اور موضوع بحث تھا "امیر معاویہ کی سیرت وخلافت" اور یہ سلطان عبد الحمید کا زمانہ تھا تو میرا دوست شہید سعید عبد الکریم قاسم الخلیل اٹھ کھڑا ہوا (یہ شیعہ تھا) اور کہنے لگا "تم ہمارے بادشاہ (عبد الحمید) کو خلیفہ کہتے ہو اور میں تمہارا شیعہ بھائی ہوں میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ اپنی پاک سیرت اور شریعت محمدی پر صدق دل سے عمل کرنے کے لحاظ (باقی بر صفحہ ۳۳۷)

(بقیہ حاشیہ ص۳۳۶)

سے ہمارے اس خلیفہ سے خلافت کا زیادہ حقدار تھا۔ پھر اس کے باپ امیر معاویہ کا تو کیا کہنا۔"

(۸) امیر معاویہ اپنے متعلق خود کہا کرتے تھے جیسا کہ ابن شوذب کی روایت میں ہے کہ "میں سب سے پہلا بادشاہ اور آخری خلیفہ ہوں" اور پہلے اس کتاب میں زہری کی حدیث گذر چکی ہے کہ "امیر معاویہ نے دو سال تک حضرت عمر کے طریقہ پر کام کیا اور اس میں کوئی کمی نہ کی" اور ہم نے وہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا تھا کہ علاقوں کے اختلاف اور ان کی تاثیر کی وجہ سے حکومت کے نظام میں ضرور کچھ نہ کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے۔ بلکہ امیر معاویہ نے تو ایک دن حضرت عمر کے سامنے اس بات کا اظہار کیا۔

جب حضرت عمر شام میں آئے تو امیر معاویہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کے استقبال کو آئے تو حضرت عمر کو یہ طریقہ پسند نہ آیا تو امیر معاویہ نے ان الفاظ سے اس کی معذرت کی کہ "ہم ایک ایسے علاقے میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت زیادہ ہیں تو لازم ہے کہ بادشاہ کی ایسی عزت کریں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہو اور دشمن خوفزدہ ہو"۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عمر سے کہا "اے امیرالمومنین آپ کے اعتراض کا امیر معاویہ نے کیسا اچھا جواب دیا ہے"۔ تو حضرت عمر نے کہا "اسی لئے تو ہم نے ان کو اس کام کی تکلیف دے رکھی ہے" (البدایہ والنہایہ ص۱۲۵ ج۸)

اور حضرت عمر کی وہ سیرت جس کی اتباع امیر معاویہ نے دو سال تک کی اس کا نہایت اعلیٰ نمونہ آپ کی عائلی زندگی میں موجود رہا۔ بلکہ یزید بھی ان کی اتباع کا اپنے نفس پر التزام کرنا چاہتا تھا۔

ابن ابی الدنیا نے باسناد بکیر بن اشج مخزومی مدنی مصری سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ امیر معاویہ نے یزید سے پوچھا "اگر تمہیں کبھی والی بنایا جائے تو تم کیا کرو" اس نے جواب دیا "ابا جان! خدا کی قسم میں وہی کروں جو عمر بن خطاب نے کیا تھا" تو امیر معاویہ نے کہا "سبحان اللہ! میرے بیٹے میں نے حضرت عثمان (باقی بر ص۳۳۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۷)

کے طریقہ پر چلنے کی کوشش کی لیکن نہ چل سکا پھر تم حضرت عمرؓ کی سیرت پر کیسے چل سکتے ہو" (ابن کثیر صفحہ ۲۲۹ ج ۸)

اور جو لوگ امیر معاویہ کی سیرت سے بے خبر ہیں شاید وہ میری یہ بات سن کر تعجب کریں کہ امیر معاویہ نہایت زاہد اور نیک لوگوں میں سے تھے امام احمد نے کتاب "الزہد" (صفحہ ۱۷۲ طبع مکہ مکرمہ) میں با سند علی بن ابی حملہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے امیر معاویہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا آپ نے اپنے پیچھے اپنے خادم کو سوار کر رکھا تھا اور آپ نے ایسی قمیص پہن رکھی تھی جس کے گریبان پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور آپ دمشق کے بازاروں میں پھر رہے تھے اور امیر معاویہ کے سپہ سالار اور انکے بڑے بڑے ہمنشین تبرک کے طور پر آپ سے ان کے پہنے ہوئے کپڑے مانگتے اور جب کوئی آدمی ان میں سے مدینہ منورہ آتا اور اس پر وہ کپڑے ہوتے تو لوگ ان کو پہچان لیتے اور ان کے حاصل کرنے کیلئے بڑی بڑی قیمت ادا کرتے۔

دارقطنی نے محمد بن یحییٰ بن عثمان سے روایت کیا ہے کہ مشہور سپہ سالار ضحاک بن قیس فہری مدینہ منورہ آیا اور مسجد میں آکر قبر اور منبر کے درمیان نماز پڑھی اور اس پر پیوند لگی ہوئی چادر تھی اور وہ اس نے امیر معاویہ سے ان کی پہنی ہوئی چادر لی تھی تو ان کو ابوالحسن براد نے دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ یہ امیر معاویہ کی چادر ہے تو اس سے اس کی قیمت پوچھی اور وہ ان کو ایک اعرابی اور عام آدمی سمجھ رہا تھا۔ یہانتک کہ براد ان کو تین سو دینار دینے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ ضحاک بن قیس ان کو حویطب بن عبدالعزیٰ کے گھر لے گیا اور وہاں جا کر دوسری چادر پہن لی اور وہ چادر ابوالحسن کو اتار کر مفت دے دی اور کہا آدمی کیلئے بری بات ہے کہ اپنی چادر بیچنے لے جاؤ اور جا کر پہن لو"۔ چنانچہ ابوالحسن نے وہ چادر لے لی اور آگے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالی اور اس کو پہلا مال ملا تھا (ابن عساکر صفحہ ۲۶ ج ۲)

اور یہ مثالیں ہم نے اس لیے بیان کی ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے (باقی بر صفحہ ۳۳۹)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے حالانکہ آپ ہر معاویہ سے بہتر ہیں[1] "اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک اور حکمت عطا فرمائی" (سورۃ البقرہ) تو اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ملک سے تعبیر فرمایا۔ تو تم ان احادیث کی طرف توجہ نہ کرو جن کی سندیں اور متن کمزور ہیں[2]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۸) کہ امیر معاویہ کی حقیقی صورت وہ نہیں ہے جو ان کے دشمن ان کی جھوٹی صورت بنا کر دکھاتے ہیں اب اس کے بعد جو چاہے آپ کو خلیفہ اور امیر المومنین کہے۔ سلیمان بن مہران الاعمش جو ایک بہت بڑے امام، عالم اور حافظ تھے اور جن کا لقب صداقت کی وجہ سے مصحف پڑ گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ امیر معاویہ عمر بن عبد العزیز سے عدل و انصاف میں بھی بڑھ جائیں اور جس آدمی کی امیر معاویہ سے آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں اور وہ ان کو خلیفہ کا لقب دینے میں بخل سے کام لے تو امیر معاویہ اپنے انصاف، علم، جہاد اور نیک اعمال کو لے کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور آپ جب ہماری دنیا میں تھے تب بھی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کوئی انہیں خلیفہ کہے یا بادشاہ اور اب وہ آخرت میں تو اس سے بھی زیادہ بے نیاز ہیں جیسے کہ آپ اس دنیا میں بے نیاز تھے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] داؤد علیہ السلام نبی ہیں۔ جیسا کہ مسلمان ان کو اپنے مذہب کے لحاظ سے نبی مانتے ہیں یہ داؤد تو ہر معاویہ سے بہتر ہیں۔ لیکن یہودیوں کے داؤد جیسا کہ ان کو آج کل کی موجودہ تورات بتاتی ہے ان سے امیر معاویہ بہتر ہیں اور یہ یہود کی بدبختی ہے کہ وہ اپنے اوپر اسلام اور قرآن کے احسان کو نہیں سمجھتے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے انبیاء کو کس طرح پاک و صاف بنایا ہے حالانکہ یہود نے ان پر اپنی کتابوں میں کئی ایک الزام لگائے ہیں ۱۲

[2] یہ سفینہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق پہلے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے ۱۲

اور اگر حالات پر غور کرنے کا موقع مل جاتا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے شاید جمہور کی رائے کچھ اور ہوتی لیکن امیر معاویہ کے لیے اس طریقہ سے بیعت ہو گئی جیسے اللہ نے چاہا اور اس طریقہ پر ہوئی جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی مدح کرتے ہوئے خوش ہو کر صلح کی امید رکھتے ہوئے اظہار فرمایا تھا کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالے اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے"[۱]

اور علماء نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ اس حد تک نہیں ہے جتنا کہ عام لوگوں نے اس کو سمجھ رکھا ہے اور ہم نے اس کو اس کے مقام پر بیان کر دیا ہے[۲]

---

[۱] اس حدیث پر پہلے بحث ہو چکی ہے ۱۲

حسن خلافت معاویہ بھی خلافت راشدہ تھی کیونکہ حضرت علی کے بیٹے حسن جو کہ خلفائے راشدین میں سے تھے انہوں نے اپنی خلافت ہی تو حضرت معاویہ کو دی تھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز حضرت حسن کے پاس ہو تو درست ہو اور وہی جب دوسرے کو سونپ دیں اور بیعت ہو جانے کی اس سے مطمئن اور خوش رہیں تو وہ غلط ہو جائے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اصحاب رسول سب کے سب راشدین تھے اور صحابہ کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی تھی۔ اس کا بیان ہم نے تفصیل سے مقدمۃ الکتاب میں کر دیا ہے ۱۲ (خالد گھرجاکھی عفی عنہ)

[۲] یعنی اپنی دوسری مؤلفات میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ مسئلہ ایک خالص اسلامی فقہ کا مسئلہ ہے اور اس کے احکام کی بنیاد نصوص اور سنن اور شریعت کی ان بنیادوں پر ہے جن پر دین کی عمارت استوار ہے جن میں مصالح کا حصول اور مفاسد کی مدافعت مدنظر ہوتی ہے۔ قاضی ابوالحسن الماوردی نے احکام سلطانیہ ص۵ میں مفضول کی امامت کے جواز میں جاحظ کے علاوہ اور کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا اور اگر جاحظ امام الدین ربانی ہے ۳۴۱

اور اگر کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے حجر بن عدی کو جو بڑا پارسا تھا زیاد کے کہنے پر قتل کر دیا اور وہ صحابہ میں بھلائی کے ساتھ مشہور تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حجر کے معاملہ میں سفارش کی لیکن حجر اس وقت قتل ہو چکا تھا۔ ہم کہتے ہیں حجر کا قتل تو ہم سب جانتے ہیں لیکن اس کی توجیہ میں اختلاف ہے کچھ کہتے ہیں کہ حجر مظلوم قتل ہوا اور کچھ کہتے ہیں اس کا قتل حق کے ساتھ ہوا۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۰) کی کسی مسئلہ میں مخالفت کرے تو اس سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ اور کیا عباسی لوگ جن کا تقرب حاصل کرنے کی خود جاحظ کوشش کرتا رہا ہے کیا وہ اپنے تمام معاصرین سے افضل تھے؟ الباقلانی، جمہور فقہاء اور متکلمین مفضول کی امامت اور اس کی بیعت کی صحت کے قائل ہیں اور اگر امامت کے شرائط پائے جائیں تو افضل کا وجود مفضول کی امامت میں مانع نہیں ہوتا جیسا کہ قضا کی ولایت میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے کیونکہ زیادہ فضیلت مزید برتری ہے یا مبالغہ تو ہے لیکن شروط استحقاق میں معتبر نہیں ہے۔ اور ہم قارئین کی توجہ ابو محمد بن حزم کی کتاب "الامامۃ والمفاضلۃ" کی طرف مبذول کراتے ہیں جو کہ آپ کی کتاب "الفصل" کی چوتھی جلد میں مندرج ہے اور خاص طور پر اس فصل کی طرف جو مفضول کی امامت کے متعلق لکھی گئی ہے (ص ۱۶۳ تا ۱۶۷ طبع مصر) (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] حجر بن عدی کندی کو امام بخاری اور دوسرے محدثین نے تابعین میں شمار کیا ہے اور بعض نے اس کو صحابی کہا ہے۔ یہ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھی تھا۔ ابن سیرین نے بیان کیا ہے کہ زیاد کوفہ کا امیر تھا اس نے خطبہ لمبا کر دیا تو حجر بن عدی نے آواز دی نماز! نماز! لیکن زیاد خطبہ دیتا رہا تو حجر اور اس کے ساتھیوں نے زیاد پر کنکریاں پھینکیں تو زیاد نے امیر معاویہ کو لکھا کہ حجر نے خانہ خدا میں اپنے امیر پر سرکشی کی ہے اور یہ فساد فی الارض ہے تو امیر معاویہ نے زیاد کو لکھا (باقی بر صفحہ ۳۴۲)

پھر اگر کہا جائے کہ اصل یہ ہے کہ اسے ظلم سے قتل کیا گیا ہاں اگر ایسی کوئی چیز ثابت ہو جائے جس سے اس کا قتل واجب ہو جائے تو الگ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ بادشاہ کا کسی کو قتل کرنا حق کے ساتھ ہوتا ہے اگر کوئی ظلم کا دعویٰ کرے تو وہ دلیل پیش کرے۔ اور اگر محض ظلم کی وجہ سے اسے

(بقیہ حاشیہ ص۳۴۱) "اس کو میرے پاس بھیجدو" جب اسے امیر معاویہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ معاویہ نے اس کو صحیح قتل کیا وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی حکومت ایسی نہیں جو ایسے آدمی کو قتل سے کم سزا دے کہ امیر جامع مسجد میں منبر پہ کھڑا ہو کر خطبہ دے رہا ہو اور وہ اس پر کنکر پھینکے۔ اور حجر کی حمایت کرنے والے کہتے ہیں امیر معاویہ کو اپنے مخالفین کے متعلق حوصلے اور فراخدلی سے کام لینا چاہیئے تھا اور پھر حجر کے فضائل بیان کرتے ہیں اور دوسرے جواب دیتے ہیں کہ امیر معاویہ شخصی طور پر تو مخالف کے متعلق حوصلے سے کام لے سکتے تھے۔ لیکن جماعتی سرکشی اگر حاکم پہ کی جائے اور وہ بھی مسجد میں منبر پہ کھڑا ہونے کی حالت میں تو اس صورت میں امیر معاویہ کو درگذر سے کام نہیں لینا چاہیئے تھا۔ خصوصاً کوفہ جیسی جگہ میں کہ جہاں سے اہل فتنہ کی ایک کثیر تعداد پیدا ہوئی جنہوں نے حضرت عثمان پہ سرکشی کی وہ اسی نرمی کا نتیجہ تھی کہ مسلمانوں کی خونریزی ہوئی۔ وقار کو صدمہ پہنچا۔ دل بے قرار ہوئے جہاد رک گیا۔ یہ کتنی مہنگی قیمت تھی اس نرمی کی اور اگر مناسب وقت میں حکومت کی ہیبت تھوڑے سے اہل دعوت پر گرفت کرتی اور کچھ گوشمالی کر دیتی تو جو کچھ ہوا وہ کبھی نہ ہوتا جس طرح حضرت عائشہ چاہتی تھیں کہ معاویہ حجر کے معاملہ میں فراخدلی سے کام لیتے عبد اللہ بن عمر بھی اسی طرح کی خواہش رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ میں بھی حضرت عثمان کا سا حوصلہ اور عادات تھیں لیکن وہ حکومت کے معاملہ میں حضرت عثمان کا انجام اور مفسدوں کی سرکشی کو بھی ملحوظ رکھتے تھے ۱۲

قتل کیا جاتا تو ہر گھر میں معاویہ پر لعنت ہوتی اور یہ مدینۃ السلام ہے جو بنی عباس کا دار الخلافہ ہے اور عباسیوں اور امویوں کے درمیان جو عداوت اور دشمنی ہے وہ بھی کسی پر مخفی نہیں ہے اور یہاں مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین انسان ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی پھر معاویہ (جو مومنوں کے ماموں ہیں) رضی اللہ عنہم[1]

اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے حجر نے زیاد سے کچھ ناپسندیدہ امور دیکھے[2] تو اس پر کنکریاں پھینکیں اور اسے منبر سے اتارا اور لوگوں میں فتنہ پیدا کرنا چاہا تو امیر معاویہ نے ان کو زمین میں فساد کرنے والا شمار کیا۔

اور حضرت عائشہ نے حج کے موقع پر امیر معاویہ سے حجر کے متعلق گفتگو کی تو معاویہ نے کہا "آپ حجر اور میرے معاملہ کو خدا کے سپرد کر دیں"۔ اور اے مسلمانو کی جماعت تم زیادہ حقدار ہو کہ ان دونوں کا معاملہ خدا کے سپرد کرو۔ یہاں تک کہ

---

[1] مؤلف عباسی دور حکومت میں بغداد میں رہے جیسا کہ ہم ان کے ترجمہ میں بیان کر چکے ہیں وہ بغداد کی مساجد کا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں اور معاویہ مومنوں کے ماموں اس لیے ہیں کہ ابوسفیان کی بیٹی رملہ (ام حبیبہ) ام المومنین امیر معاویہ کی ہمشیرہ ہیں ۱۲

[2] زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی طرف سے کوفہ کا والی تھا اور حجر بن عدی اس کا دوست اور مددگار تھا اور کسی چیز پر اعتراض نہ کیا کرتا تھا پھر جب زیاد امیر معاویہ کی طرف سے عامل مقرر ہوا تو وہ حضرت علی کا طرفدار ہونے کی حیثیت سے ہر چیز پر اعتراض کرنے لگا اور زیاد سے پہلے بھی جو عامل امیر معاویہ کی طرف سے مقرر ہوئے ان سے بھی یہی سلوک کرتا تھا۔ پھر امیر معاویہ نے دیکھا کہ حجر کی سرکشی کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتی اور اس طرح حکومت میں فتنہ اٹھے گا تو اس کو قتل کر دیا ۱۲

وہ رسول اللہ کی موجودگی میں خدا کے سامنے کھڑے ہوں اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس میں کیوں دخل دیتے ہو اور کیوں سیدھی بات نہیں سنتے ؟

پھر اگر کہا جائے کہ امیر معاویہ نے دھوکے سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ دو وجہ سے ناممکن ہے۔ ایک تو یہ کہ امیر معاویہ کو حضرت حسن سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ خلافت ان کے سپرد کر چکے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایک غیبی معاملہ ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر تم بغیر کسی دلیل کے یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ معتبر خبر بھی نہیں ہے اور اتنا عرصہ بھی گذر چکا ہے اور پھر قلم بھی دشمن کے ہاتھ میں ہے اور فتنہ اور عصبیت بھی موجود ہے اور ایسی صورت میں ہر آدمی اپنے مخالف کی طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جن کی حقیقت نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں صرف معتبر خبر قبول کی جائے گی اور خالص انصاف کی بات ہی سنی جائے گی۔[1]

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۲۵ میں کہا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ "معاویہ نے حضرت حسن کو زہر دیدیا۔" اور یہ نہ تو کسی شرعی دلیل سے ثابت ہے۔ نہ کسی معتبر اقرار سے اور کسی قابل اعتماد تحریر سے تو ایسی صورت میں اس کا یقینی علم ہی نہیں ہو سکتا اور یہ بات بغیر علم کے بات ہے۔" پھر کہتے ہیں ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ کئی لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کو زہر دیا گیا اور اس کی موت ہو گئی اور لوگوں میں اس کے متعلق اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کے محل وقوع اور اس قلعہ کے تعین میں بھی اختلاف ہوتا ہے تو جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی ہی باتیں سنی جاتی ہیں۔"

اور پھر امام ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ حسن کی موت مدینہ میں ہوئی اور امیر معاویہ شام میں تھے تو پھر یہ کیونکہ ممکن ہے اور پھر کہا ہے اگر بفرض محال ربائی بہ ص ۲۴۵

اور اگر یہ اعتراض ہو کہ امیر معاویہ نے یزید کو خلیفہ بنایا حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا[1]۔ اور امیر معاویہ اور عبد اللہ بن عمر عبد اللہ بن زبیر اور حسین رضی اللہ عنہم کے درمیان وہ گفتگو ہوئی جسے مورخین نے وہب بن جریر بن حازم وغیرہ سے بیان کیا ہے کہ جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۴) یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کو زہر دیا گیا تھا تو اس کے اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت حسن بہت زیادہ طلاقیں دیتے تھے اور نئی نئی شادیاں کرتے تھے اور کسی عورت کے ساتھ بھی ہمیشہ نہ رہے ممکن ہے کسی مطلقہ عورت نے زہر دیدیا ہو ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اگر اہلیت کا معیار حضرت ابوبکر اور عمر کے عادات و خصائل ہیں تو یہ وہ معیار ہے جس پر ان کے سوا تاریخ اسلام میں کوئی خلیفہ پورا نہیں اترا حتیٰ کہ عمر بن عبد العزیز بھی اور اگر بالفرض ہم ایک ناممکن بات تصور بھی کر لیں کہ اب بھی حضرت ابوبکر اور عمر جیسا آدمی پیدا ہو سکتا ہے تو پھر بھی وہ ماحول پیدا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو مہیا کر دیا تھا۔ اور اگر اہلیت کا معیار یہ ہے کہ خلیفہ کی سیرت میں استقامت ہو۔ شریعت کا احترام ملحوظ ہو اس کے احکام پر عمل ہو۔ لوگوں میں انصاف کیا جائے۔ ان کی مصلحت کو مد نظر رکھا جائے۔ دشمنوں سے جہاد کیا جائے دعوت اسلامی کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ لوگوں سے انفرادی اور اجتماعی طور پر نرمی کی جائے۔ تو جس دن یزید کی تاریخ چھان پھٹک کے بعد اپنی اصلی شکل و صورت میں سامنے آئے گی۔ جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں تھا۔ تو اس دن معلوم ہو جائے گا کہ بہت سے ایسے لوگوں سے یزید کم نہیں تھا کہ جن کی تعریف میں تاریخ اور مورخ رطب اللسان ہیں اور جن کی تعریف اور توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں ۱۲

لینے کا پختہ ارادہ کر لیا تو ایک ہزار آدمی کی معیّت میں حج کیا۔ پھر جب مدینہ کے قریب پہنچے تو عبد اللہ بن عمر۔ ابن زبیر اور عبد الرحمن بن ابو بکر وہاں سے نکل آئے۔ معاویہ مدینہ میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر اپنے بیٹے یزید کا تذکرہ کیا اور کہا اس سے زیادہ خلافت کا حق دار اور کون ہے[۱]

---

[۱] یزید کے معاصر قریشی جوانوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو بعض اعتبارات کے لحاظ سے اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ سعید بن عثمان اور وہ بھی جو سعید سے بھی کم مرتبہ لوگ تھے وہ یہ امید لگائے بیٹھے تھے وہ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ امیر معاویہ کے بعد وہ خلیفہ بنیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ خلیفہ کے انتخاب میں مجلس شوریٰ کا قیام ولیعہد مقرر کرنے سے بہتر ہے لیکن امیر معاویہ بڑی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر خلافت کے معاملہ میں شوریٰ کا دروازہ کھول دیا تو ان حالات میں امت میں ایسی خونریزی ہو گی کہ وہ اس وقت تک نہ رکے گی جب تک کہ تمام قابل قریشی جوان ختم نہ ہو جائیں اور امیر معاویہ اس سے بلند ہیں کہ ان کو ایسی حالت میں مبتلا کر دیتے۔ اور ان قریشی جوانوں میں مختلف خوبیاں تقسیم ہیں اگر ایک نوجوان اپنے دوسرے ساتھیوں سے ایک صفت میں ممتاز ہے تو دوسرا کسی اور صفت میں اس سے اعلیٰ و افضل ہے اور یزید میں بھی بعض خوبیاں ان کے ساتھ مشترک تھیں اور ان کے علاوہ کچھ اور اسباب ترجیح کے بھی تھے۔

ایک یہ کہ اگر اس کو خلیفہ بنایا جائے تو ایک بہت بڑی فوجی طاقت اس کی مدد کر سکتی ہے جو دوسروں کے لیے ممکن نہیں ہے اور اسی چیز کی حکومت سب سے زیادہ محتاج ہوتی ہے کیونکہ اگر فوجی قوت کمزور ہو تو ایسے حالات پیدا ہونا لازمی ہیں جن کے نتائج ہر مسلمان کے لیے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بالفرض یزید کی پشت پر اور کوئی طاقت بھی نہ ہوتی تو صرف اس کے ماموں بنو قضاعہ اور ان کے یمنی حلیف ہی اتنی بڑی طاقت تھے کہ حکومت کے معاملات میں غور و فکر کرنے والا باقی بر صفحہ ۳۴۷

پھر آپ سوار ہو کر مکہ آئے۔ طواف کیا اور اپنے گھر چلے گئے تو پھر حضرت عبداللہ بن عمر کو بلایا۔ پہلے کلمۂ شہادت پڑھا پھر کہا اے عبداللہ بن عمر آپ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ "میں پسند نہیں کرتا کہ امیر کے بغیر ایک رات بھی گذاروں" اور اب میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ نہ ڈالنا اور فساد کی کوشش نہ کرنا۔"

جب امیر معاویہ خاموش ہوئے تو عبداللہ بن عمر بولے اللہ کی حمد و ثنا کہی پھر فرمایا آپ سے پہلے بھی خلیفے ہوئے ہیں اور ان کے بھی بیٹے تھے۔ آپ کا بیٹا ان سے اچھا نہیں ہے۔ انہوں نے تو اپنے بیٹوں کے متعلق وہ نہ سوچا جو آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق سوچ لیا ہے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ اپنی بھلائی سوچیں۔ باقی رہا آپ کا مجھے نصیحت کرنا کہ میں مسلمانوں میں اختلاف

(بقیہ حاشیہ ملکہ) آدمی ان کو حساب سے نظرانداز نہیں کرسکتا اور اس کے ساتھ ابن خلدون کا وہ بیان بھی نگاہ میں رکھیں جو اس نے امام حسین کے یزید کے خلاف ہو کر عراق کی طرف سفر کرنے کے بیان کے موقع پر کہا ہے اور اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ایک فصل لکھی ہے "ولایۃ العہد" وہاں لکھتے ہیں "اور وہ جوان کو اپنی شوکت کا خیال تھا سو غلط تھا اللہ ان پر رحم کرے۔ اس لیے کہ قریش مضر کے طرفدار تھے اور قریشی اور عبد مناف بنو امیہ کے حامی تھے اور اس بات کا قریش کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی علم تھا اور اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

اور عصبیت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں ختم ہوئی جب کہ معجزات اور وحی الٰہی نے ان کی توجہ اپنی طرف پھیر لی اور جب نبوت اور خوارق کا زمانہ ختم ہوا تو پھر حالات اسی پرانی ڈگر پر آگئے۔ اور پھر وہی عصبیت کام کرنے لگی۔ جس جس میں تھی اور جس جس کے لیے تھی۔ سو مضر جتنی حمایت بنو امیہ کی کرتے تھے اتنی اور کسی کی نہ کرتے تھے ۱۲

نہ ڈالوں"۔ تو واقعی میں ایسا نہیں کروں گا اور میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں جب وہ کسی بات پر اتفاق کرلیں گے تو میں بھی انہی کا ساتھ دوں گا"۔ اتنی بات کہہ کر عبداللہ بن عمر باہر چلے آئے۔[۱]

پھر امیر معاویہ نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو بلایا۔ تشہد پڑھا اور پھر گفتگو شروع کی تو عبدالرحمن نے ان کی بات کاٹ دی اور کہا "خدا کی قسم آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے بیٹے کے معاملے میں تمہیں خدا کے سپرد کردیں اور اللہ کی قسم ہم ایسا کبھی نہ کریں گے۔ خدا کی قسم یا تو آپ معاملہ کو مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں پیش کرو ورنہ فتنہ اپنے پورے زور و شور کے ساتھ آپ کے سامنے آجائے گا"۔ پھر اچھل کر کھڑے ہوگئے تو معاویہ نے کہا "یا اللہ جس طرح تو چاہے اس کا منہ بند کر"۔ اور پھر اس کے بعد کہا "اے بندۂ خدا ذرا ٹھہر جا۔ شامیوں کے سامنے اس طرح نہ جانا مجھے خطرہ ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے پہلے وہ تجھے قتل نہ کردیں۔ یہاں تک کہ میں پچھلے پہر ان کو بتاؤں گا کہ تم نے بیعت کرلی ہے۔ پھر اس کے بعد جس طرح مرضی ہو کرلینا"۔[۲]

پھر اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کو بلایا اور کہا "اے زبیر کے بیٹے! تو ایک مکار لومڑ ہے جو ایک بل سے نکلتا ہے تو دوسرے میں داخل ہو جاتا ہے تو نے ہی

---

[۱] یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جو صحیح بخاری ج۵ ص۴۸ میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ کی بہن ام المومنین حفصہ نے انہیں نصیحت کی کہ جاکر جلدی سے بیعت کرلو اور کہا سچی بات تو یہ ہے کہ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ تمہارے دیر کرنے سے کوئی اختلاف نہ پیدا ہو جائے ۱۲

[۲] ذرا یہ دیکھتے جائیں کہ جو لوگ امیر معاویہ سے اتنی لمبی چوڑی گفتگو کر رہے ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ یزید اس کا اہل نہیں ہے لہٰذا ہم اس کی بیعت نہیں کرینگے اس کی وجہ یہ ہے کہ نا اہلی کی بات بڑا زمانہ بعد بنائی گئی ہے ۱۲

ان دونوں آدمیوں سے ملاقات کر کے ان کو پھونک دیدی ہے"۔ تو ابن زبیر نے کہا۔ اگر آپ امارت سے اکتا گئے ہیں تو اس سے الگ ہو جائیے اور اپنے بیٹے کو لے آئیے ہم اس کی بیعت کر لیں گے۔ بھلا یہ تو بتاؤ جب تمہاری بیعت کے ساتھ تمہارے بیٹے کی بیعت بھی کر لوں گا تو تم دونوں میں سے ہم کس کی بات سنیں گے اور کس کا کہا مانیں گے۔ تم دونوں کی اکٹھی بیعت کبھی نہیں ہو سکتی"۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

پھر امیر معاویہ باہر نکل کر منبر پر کھڑے ہو گئے اور کہا "کچھ لوگ ٹیڑھی سیدھی باتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ حالانکہ انہوں نے بات سنی ہے۔ اطاعت کی ہے۔ بیعت کر لی ہے"۔

تو شامیوں نے کہا "خدا کی قسم اس طرح کی بیعت نہیں چاہئے وہ سب کے سامنے بیعت کریں ورنہ ہم ان کو قتل کر دیں گے"۔

تو امیر معاویہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ سبحان اللہ لوگ قریش کو تکلیف پہنچانے میں کتنے جلد باز ہیں۔ میں آج کے بعد کسی شخص سے ایسی بات سننے کو تیار نہیں" پھر منبر سے اتر آئے۔

تو لوگوں نے کہا "انہوں نے بیعت کر لی ہے" اور وہ خود کہتے تھے کہ "ہم نے بیعت نہیں کی"۔ اور لوگ کہتے "نہیں تم نے بیعت کی ہے"۔

اور وہب بن جریر نے ایک اور سند سے اس طرح روایت کی کہ امیر معاویہ

ا؎ عبداللہ بن زبیر اس سے بہت زیادہ سمجھدار تھے کہ ان کی عقل میں یہ بات نہ آئے کہ یزید کی بیعت معاویہ کے بعد ہو گی اور یہ دونوں ہستیاں معاویہ کی زندگی میں نہیں ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ خبریں بنائی ہیں اور ان کو وہب بن جریر بن حازم کے ذمہ لگایا ہے انہوں نے نہایت ذلیل قسم کا جھوٹ بولا ہے ۱۲

نے خطبہ دیا تو عبداللہ بن عمر کا ذکر کیا اور کہا "خدا کی قسم! یا تو وہ بیعت کرے گا یا میں اسے قتل کر دوں گا۔"

تو عبداللہ بن عبداللہ بن عمر اپنے باپ سے ملنے کے لیے مکہ کی طرف آیا اور آکر اسے خبر دی۔ تو عبداللہ بن عمر رونے لگے جب یہ بات عبداللہ بن صفوان کو معلوم ہوئی تو وہ عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور پوچھا "کیا معاویہ نے اس طرح کا خطبہ دیا ہے؟" تو انہوں نے کہا "ہاں"۔ تو ابن صفوان نے کہا "پھر کیا ارادہ ہے کیا معاویہ سے لڑو گے؟" تو جواب دیا "اے ابن صفوان! صبر اس سے بہتر ہے" تو ابن صفوان نے کہا "خدا کی قسم اگر اس نے ایسا ارادہ کیا تو میں ضرور اس سے

سلہ وہب بن جریر کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے یہ خطبہ دمشق سے آکر مدینہ منورہ میں دیا اور وہ ابھی مکہ نہیں پہنچے تھے اور عبداللہ بن عمر اس وقت مکہ میں تھے تو آپ کے بیٹے نے مکہ آکر ان کو اس خطبہ کی خبر دی اور اس سے پہلی روایت بھی وہب بن جریر ہی کی تھی اور اس میں تصریح تھی کہ جب معاویہ دمشق سے مدینہ آئے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر مدینہ میں تھے اور وہ ان رؤسا کے ساتھ تھے جو امیر معاویہ کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر نکلے۔ یہ دونوں خبریں آپس میں متناقض ہیں اور ایک دوسری کی تکذیب کرتی ہیں حالانکہ دونوں روایتیں ایک ہی راوی کی ہیں اور مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ مؤلف ان کو کہاں سے لے آئے۔ طبری میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا حالانکہ طبری وہب بن جریر کی روایت بڑے اہتمام سے نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ثقہ راوی ہے اور وہب کی وفات ۲۰۶ھ میں ہوئی اور ان کے والد کی ۱۷۰ھ جبکہ انکا حافظہ خراب ہو چکا تھا اور ان کے درمیان اور ان حوادث کے درمیان اور راوی بھی ہیں اور پھر ان دونوں کے درمیان بھی اور طبری وغیرہ مورخین کے درمیان بھی اور راوی ضرور ہیں اور یہ روایتیں تناقض ہونے کی وجہ سے یقیناً صحیح نہیں ہیں اور اگر ہمیں وہب سے پہلے اور پچھلے راویوں کا پتہ چل جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ جھوٹ کہاں سے آیا ہے ۱۲

لڑوں گا۔" پھر معاویہ مکہ میں آئے اور ذی طوٰی میں ڈیرا لگایا تو عبداللہ بن صفوان[1] اس کے پاس گئے اور پوچھا کیا آپ نے یہ بات کہی ہے کہ اگر عبداللہ بن عمر نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہ کی تو تم اسے قتل کر دو گے؟ تو امیر معاویہ نے کہا "کیا میں عبداللہ بن عمر کو قتل کروں گا؟ خدا کی قسم میں اسے قتل نہیں کرونگا۔"

اور وہب نے ایک تیسری روایت اس طرح بیان کی ہے[2] کہ جب معاویہ بطن مر سے مکہ کا قصد کر کے چل پڑے تو اپنے باڈی گاڈ کو بلایا اور کہا۔ تمہارے خاص آدمیوں کے علاوہ میرے ساتھ کوئی آدمی نہ چلے۔ چنانچہ اکیلے ہو کر چلنے لگے جب "اراک" کے وسط میں پہنچے تو آپ کو حسین بن علی ملے۔ امیر معاویہ ٹھہر گئے۔ اور کہا "رسول اللہ کی بیٹی کے بیٹے اور نوجوان مسلمانوں کے سردار مرحبا۔ خوش آمدید" اور پھر حکم دیا "ایک سواری ابو عبداللہ کے لیے لاؤ کہ وہ سوار ہو جائیں" تو ایک ترکی گھوڑا پیش کیا گیا حسین اس پر سوار ہو گئے۔ پھر عبدالرحمٰن بن ابی بکر آ گئے[3] تو امیر معاویہ نے کہا "قریش کے سردار اور بزرگ اور اس امت کے صدیق کے بیٹے! مرحبا خوش آمدید"

---

[1] عبداللہ بن صفوان امیہ بن خلف جمحی کا پوتا ہے یہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہمراہ قتل ہوا ۱۲

[2] اور یہ روایت بھی طبری میں نہیں ہے اور یہ بھی اسی کارخانہ میں تیار ہوئی ہے جہاں پہلی دو روائتیں تیار کی گئی ہیں ۱۲

[3] وہب بن جریر کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ جب امیر معاویہ دمشق سے مدینہ آیا تو عبدالرحمٰن استقبال کرنے والوں کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکلا اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن مکہ میں تھا اور امیر معاویہ کا استقبال کرنے کے لیے باہر نکلا معلوم نہیں کونسی چیز عبدالرحمٰن کو مدینہ سے مکہ اڑا لائی؟ اصل چیز یہ ہے کہ امیر معاویہ پر جھوٹ بولنے والے ایسے غبی لوگ ہیں کہ وہ کوئی کام ٹھیک طرح نہیں کر سکتے حتیٰ کہ جھوٹ بھی اچھی طرح نہیں بول سکتے ۱۲۔

اور پھر حکم دیا "ابو محمد کے لیے سواری لاؤ" چنانچہ ایک اور ترکی گھوڑا پیش کیا گیا اور وہ بھی اس پر سوار ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن عمر آئے تو کہا۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھی۔ فاروق کے بیٹے اور مسلمانوں کے سردار۔ مرحبا خوش آمدید" اور پھر سواری لانے کا حکم دیا اور وہ بھی سواری آنے پر سوار ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن زبیر آئے تو کہا۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حواری اور صدیق اکبر کے بیٹے اور رسول اللہ کی پھوپھی کے پوتے۔ مرحبا خوش آمدید"۔ پھر ایک اور سواری منگائی اور وہ بھی سوار ہو گئے۔ پھر معاویہ ان کے جلو میں چلتے ہوئے آئے اور کوئی دوسرا آدمی ان کے ساتھ نہ تھا یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ سب سے پہلے مکہ میں آئے اور سب سے بعد مکہ سے نکلے ہر روز ان کو تحفہ تحائف ملتے اور ان کی عزت افزائی ہوتی۔

امیر معاویہ نے حج سے فارغ ہونے تک ان سے اپنے ارادہ کے متعلق کوئی گفتگو نہ کی۔ پھر اپنا سامان باندھا اور شام کو جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اور سواریاں تیار ہو گئیں۔ تو ان میں سے بعض نے بعض سے ملاقات کی اور کہا "اے قوم! دھوکہ نہ کھانا۔ معاویہ نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہاری محبت یا تمہاری بزرگی کے لیے نہیں کیا۔ یہ سب کچھ ان کے مقصد کی تمہید ہے سو اس کے لیے جواب سوچ رکھو"۔

تو سب سے پہلے حسین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "اے ابو عبداللہ آپ جواب دینا"۔ تو انہوں نے کہا۔ "تم میں قریش کے سردار اور بزرگ آدمی موجود ہیں۔ گفتگو کرنے کا ان کا زیادہ حق ہے"۔ تو پھر انہوں نے عبدالرحمن بن ابوبکر کی طرف توجہ کی اور پوچھا "اے ابو محمد! آپ جواب دیں گے؟" تو انہوں نے کہا "میں اس قابل نہیں ہوں اور تم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور سید المسلمین کے بیٹے یعنی حضرت عبداللہ بن عمر موجود ہیں ان سے کہو"۔ تو پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا "اے ابن عمر! آپ جواب دیں گے؟" تو انہوں نے کہا "میں

یہ کام نہیں کر سکتا۔ آپ لوگ یہ گفتگو عبداللہ بن زبیر کے سپرد کریں وہ اس معاملہ کو
نپٹا لیں گے"۔ پھر انہوں نے عبداللہ بن زبیر سے پوچھا "آپ جواب دیں گے"؟
تو انہوں نے کہا "ہاں میں جواب تو دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم لوگ مجھ سے عہد
بیان کرو کہ میں جو کچھ بھی جواب دوں آپ میری مخالفت تو نہیں کریں گے"؟ تو
سب نے متفقہ طور پر کہا ہم عہد کرتے ہیں۔ ابھی باتیں ہو چکیں تو ادھر سے بلاوا
آگیا۔ ان لوگوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اجازت ہوئی تو یہ اندر چلے
گئے۔

امیر معاویہ نے گفتگو شروع کی۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہا "تمہیں معلوم ہے
کہ میں نے تم سے کیسا اچھا برتاؤ کیا میں تم سے صلہ رحمی کرتا رہا۔ تم نے ہمیشہ درگزر
کی اور تم نے مجھ پر جو بھی بوجھ رکھا وہ میں نے اٹھایا اور میرا بیٹا یزید تمہارا بھائی
ہے تمہارے چچا کا بیٹا ہے اور تمہارے متعلق اس کے جذبات بڑے اچھے ہیں۔
میرا ارادہ یہ ہے کہ تم اسے خلیفہ کا لقب دے دو اور باقی تمام معاملہ تمہارے
ہاتھوں میں رہے گا جسے چاہو رکھو جسے چاہو اکھاڑ دو۔ جو چاہو حکم دو جس طرح
چاہو مال تقسیم کرو وہ تمہارے کسی معاملہ میں دخل نہیں دیگا"۔

تو سب لوگ خاموش ہو گئے۔ امیر معاویہ نے کہا "تم جواب کیوں نہیں
دیتے"۔ وہ پھر بھی خاموش رہے تو پھر پوچھا "کچھ تو جواب دو"۔ پھر خاموشی رہی
پھر امیر معاویہ نے عبداللہ بن زبیر کی طرف توجہ کی اور کہا "اے زبیر کے بیٹے تم آؤ
بولو خدا کی قسم آپ قوم کے خطیب ہیں"۔ تو انہوں نے کہا ہاں اے امیر المومنین
میں آپ کو تین باتوں میں اختیار دیتا ہوں آپ جو بھی پسند کر لیں وہ آپ کی
مرضی"۔ تو امیر معاویہ نے کہا "شاباش! بیان کرو"۔ تو آپ نے کہا "اگر آپ چاہیں
تو وہ کرو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا اور اگر چاہو تو وہ کرو جو ابوبکر رضی
اللہ عنہ نے کیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین
آدمی ہیں اور اگر آپ چاہیں تو وہ کر لیں جو حضرت عمر نے کیا کہ وہ ابوبکر کے بعد

اس امت میں بہترین آدمی ہیں" تو امیر معاویہ نے کہا۔ "تیرے باپ کو خدا جنت نصیب کرے ان لوگوں نے کیا کیا ہے"؟

تو ابن زبیر نے کہا "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور کسی کو خلیفہ مقرر نہ کیا تو مسلمانوں نے اپنی مرضی سے ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا۔ اگر آپ چاہیں تو اس امت کے معاملہ کو اسی طرح چھوڑ جائیں یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ پورا ہو اور مسلمان اپنا خلیفہ آپ انتخاب کر لیں" تو امیر معاویہ نے کہا "کچھ اور بیان کیجئے آج تم میں ابوبکر جیسا کوئی آدمی موجود نہیں ہے اور مجھے اختلاف کا خطرہ ہے"۔ تو ابن زبیر نے کہا پھر وہ کیجئے جو ابوبکر نے کیا کہ ایک ایسے آدمی کو خلیفہ نامزد کیا جو قریشی تھا اور ان کے اپنے خاندان سے نہیں تھا"۔ تو امیر معاویہ نے کہا "اور بیان فرمایئے تیسری بات کیا ہے"؟ تو انہوں نے کہا "اچھا پھر وہ کرو جو عمر نے کیا تھا۔ آپ نے چھ قریشی آدمیوں میں مجلس شوریٰ منحصر کر دی اور ان میں سے کوئی آدمی بھی ان کے اپنے خاندان کا نہیں تھا"۔

تو امیر معاویہ نے کہا کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ہے"؟ تو ابن زبیر نے کہا "نہیں"۔ امیر معاویہ نے پھر دوسرے لوگوں سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے"؟ انہوں نے کہا "ہمارا بھی یہی خیال ہے" تو امیر معاویہ نے کہا "اگر ایسا نہیں کرتے تو نہ سہی میں تو تمہیں آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ اور میں نے تنبیہ کر کے تم پر حجت قائم کر دی ہے۔ اگر کسی آدمی نے بر سر عام کھڑے ہو کر میری بات کو جھٹلایا تو اسے میں سنبھال لوں گا میں ایک بات کہنے والا ہوں اگر میں سچ بولوں گا تو اس کا اجر مجھ کو ملے گا اور اگر جھوٹ بولوں گا تو اس کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم میں سے کسی نے میری بات کو جھٹلایا تو اس کے منہ سے بات نکلنے سے پہلے اس کا سر اس کی گود میں گرے گا"۔

پھر اس نے اپنے باڈی گارڈ کو بلایا اور حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر اپنے دو آدمی کھڑے کر دو۔ اگر ان میں سے کوئی آدمی میری بات ٹوکے

خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ تو وہ دونوں آدمی اس کی گردن اڑا دیں۔"

پھر امیر معاویہ اور وہ سب باہر آ گئے۔ معاویہ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر کہا "یہ لوگ مسلمانوں کے سردار اور بزرگ آدمی ہیں ہم کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے اور نہ ان کی رائے کے بغیر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں یہ سب لوگ راضی ہیں اور انہوں نے میرے بعد امیرالمومنین کے بیٹے یزید کے لیے بیعت کر لی ہے۔ سو تم بھی اللہ کا نام لے کر بیعت کرو۔" چنانچہ لوگوں نے دھڑا دھڑ بیعت کی۔ پھر معاویہ اپنی سواری پر بیٹھے اور چلے گئے۔

پھر ان کو لوگ ملے تو انہوں نے کہا "پہلے تو تم اس طرح کی باتیں کرتے رہے پھر جب امیر معاویہ نے تم کو راضی کیا اور تحفے دیے تو تم نے بیعت کر لی۔" انہوں نے کہا "خدا کی قسم ہم نے بیعت نہیں کی۔" تو لوگوں نے کہا "پھر جب معاویہ نے جھوٹ بولا تھا تو تم نے اس کو جواب کیوں نہ دیا؟" پھر مدینہ والوں اور دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی پھر معاویہ شام کو چلے گئے۔"

لہ مؤلف نے اس بدترین قسم کی جھوٹی روایت کو اس لیے درج کیا ہے کہ اس سے صحیح بخاری کی اس حدیث سے مقابلہ کیا جائے جو ابن عمر کے صحیح موقف کی اطلاع دیتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حق اور راوی میں ہے اور یہ جھوٹے راوی کسی اور وادی میں رہتے ہیں ۱۲

ص اس سے معلوم ہوا کہ واقعی مدینہ والوں نے بیعت کر لی تھی بلکہ جس طرح یزید کی ولیعہدی پر اتفاق ہوا وہ ایک عظیم اجماع ہے جس کی نظیر اس دور میں ملنا مشکل ہے بلکہ اگر فرض کر لیں کہ تین یا چار آدمیوں نے بیعت نہیں کی تو لاکھوں میں سے چار آدمیوں کی کیا وقعت ہے جس طرح حضرت علی سے چند افراد کی بیعت نہ کرنے سے ان کی خلافت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ان چار کے متعلق کئی غلط روایات لکھی (باقی بر صفحہ)

قاضی ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ہم انکار نہیں کرتے اور نہ ہم جاہل ہیں۔ اور نہ ہم میں حق کے بارے میں جاہلیت کی ضد ہے اور نہ ہم صحابہ میں سے کسی کے متعلق اپنے دل میں بغض رکھتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے متعلق کوئی کینہ اور بغض نہ رکھ اے ہمارے رب یقیناً تو شفقت کرنے والا مہربان ہے"۔

ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ امیر معاویہ نے افضل بات کو چھوڑ دیا انہیں چاہیے تھا کہ اس کو شوری میں رکھ دیتے اور اپنے قرابتداروں میں سے کسی کو خاص نہ کرتے چہ جائیکہ اپنے بیٹے کو اور انہیں زیبا یہ تھا کہ ترک اور فعل میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے مشورہ پر عمل کرتے[۱]۔

(بقیہ حاشیہ ص۳۵۵) جا رہی ہیں۔ چنانچہ ابن عمر کا واقعہ بخاری شریف میں آگے آرہا ہے کہ انہوں نے قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا اور بیعت کرلی اور اس بیعت پر مضبوطی سے قائم رہے حتی کہ حرہ کے واقعات میں حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے سارے خاندان کو اکٹھا کرکے یزید کی بیعت پر قائم رہنے کی تلقین کی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کو تو بیعت میں شامل کرنا ویسے ہی خلاف واقعہ ہے کیونکہ یزید سے بیعت ۵۶ھ میں ہوئی اور عبدالرحمن بن ابی بکر ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ البتہ حضرت حسین نے خروج کیا حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباس نے سخت مخالفت کی اور اپنے خاندان کو واقعات حرہ میں بھی یزید کی بیعت کو قائم رکھا اور ابن زبیر نے اگرچہ یزید سے بیعت نہ کی لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی نہ کی اور نہ ہی حضرت حسین نے حضرت ابن زبیر کی بیعت کی تھی ۱۲ دیکھا لد گھر جا کھی!

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] امیر معاویہ ابن زبیر کو ابن زبیر سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ بلاذری نے انساب الاشراف ص۵۲-۵۳ میں ابو قلابہ سے روایت کیا ہے کہ امیر معاویہ نے ابن زبیر سے کہا (باقی برص۳۵۷)

آپ اپنے بیٹے کی حکومت کی طرف مائل ہوئے اور اس کے لیے بیعت کا ارادہ کیا اور لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور جس نے نہ کرنا تھی اس نے نہ کی[1] بہر حال شرعاً بیعت ہوگئی کیونکہ وہ ایک یا دو آدمیوں کے بیعت کرنے سے منعقد ہو جاتی ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ اس کی بیعت ہو جاتی ہے جس میں امامت کے شرائط پائے جائیں تو ہم کہیں گے۔ امامت میں عمر کی کوئی شرط نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ وہ ان شرائط سے قاصر تھا۔

پھر اگر کہا جائے کہ عدالت اور علم اس کی شرط ہے اور یزید نہ عادل تھا اور نہ عالم۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمیں اس کا عدم علم اور عدم عدالت کس طرح معلوم ہوا[2]

(بقیہ حاشیہ ۳۵۶) کہ بخل اور حرص اس وقت تک تیرا پیچھا نہ چھوڑیں گے جب تک کہ تجھے کسی تنگ جگہ میں داخل نہ کر دیں۔ میری خواہش ہے کہ اگر میں اس وقت تیرے پاس ہوتا تو تجھے بچا لیتا پھر جب عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ ہوا تو انہوں نے کہا یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق امیر معاویہ نے مجھ سے کہا تھا۔ کاش آج وہ زندہ ہوتے ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] آپ نے افضل کو اس لیے ترک کیا کہ آپ ان فتنوں اور خونریزیوں کو دیکھ رہے تھے جو شوریٰ کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھیں اور وہ قوت، طاعت، نظام اور استقرار اسی جانب دیکھ رہے تھے جس طرف ان کا بیٹا تھا ۱۲ (ملکہ حالات کے مطابق ولیعہدی افضل تھی امت کی خونریزی سے خصوصاً جبکہ یہ معاملہ بھی صحابہ کے مشورہ سے ہوا ۱۲

[2] یزید کی عدالت کے متعلق تو محمد بن علی بن ابی طالب کی شہادت کافی ہے جب یزید کی فوج نے مدینہ پر حملہ کیا تو یزید کی طرف سے ابن مطیع کو جواب دیتے ہوئے محمد بن حنفیہ نے کہا تھا: "جو کچھ تم بیان کرتے ہو میں نے وہ چیزیں یزید میں نہیں دیکھیں میں اس کے پاس گیا ہوں اس کے پاس قیام کیا ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ نماز کا پابند ہے۔ نیکی کا متلاشی ہے فقہی مسائل کا دلدادہ ہے اور سنت کا پابند ہے" (باقی برصفحہ ۳۵۸)

اور اگر اس میں یہ شرائط نہ ہوتیں تو یہ تینوں فضلاء جنہوں نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی اس کا تذکرہ ضرور کرتے وہ صرف تحکم کی مخالفت کرتے رہے اور شوریٰ کا مطالبہ کیا۔

پھر اگر کہا جائے کہ اس وقت علم اور عدالت میں یزید سے بہتر آدمی بھی موجود تھے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں تو ہم کہیں گے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مفضول کی امامت ایک اختلافی مسئلہ ہے جسے علماء نے اپنی جگہ پہ بیان کر دیا ہے

امام بخاریؒ نے ایک فیصلہ کن باب لکھا ہے اور اس میں صحیح راہ اختیار کی ہے آپ نے اپنی صحیح میں وہ روائتیں بیان کی ہیں جو ان تمام روایتوں کو باطل قرار دیتی ہیں اور وہ روایت یہ ہے کہ امیر معاویہ نے خطبہ دیا اور عبد اللہ بن عمر اس خطبہ میں حاضر تھے جیسا کہ امام بخاری نے صحیح میں عکرمہ بن خالد کے واسطہ سے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں میں حضرت حفصہ کے پاس گیا۔ آپ غسل کر کے آئی تھیں اور بالوں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے میں نے کہا یہ معاملہ جہاں تک پہنچ چکا ہے آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ میرے لیے تو اس میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی"۔

تو انہوں نے کہا "ان کے پاس جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر تم نہ گئے تو پھوٹ نہ پڑ جائے"۔ پھر حضرت حفصہ نے ان کو بھیج کر ہی دم لیا جب لوگ اکٹھے ہوئے تو امیر معاویہ نے خطبہ دیا جو آدمی اس معاملہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۷) (ابن کثیر ص ۲۳۳/۸) اور یزید کے علم کی شہادت عبد اللہ بن عباس دیتے ہیں کہتے ہیں کہ حسن بن علی کی وفات کے بعد میں معاویہ کے پاس گیا تو یزید میرے پاس آیا اور تعزیت کرتا رہا جب اٹھ کر چلا گیا تو میں نے کہا "جب بنو حرب ختم ہو گئے تو علم بھی ختم ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ص ۲۲۸/۸)

گفتگو کرنا چاہے وہ سامنے آجائے ہم اس معاملہ میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حقدار ہیں تو حبیب[1] بن مسلمہ نے عبداللہ سے کہا۔ پھر آپ نے اس کو جواب کیوں نہ دیا؟ تو عبداللہ نے کہا "میں نے اپنی چادر اتاری اور ارادہ کیا کہ اس سے کہوں "اس چیز کا آپ سے زیادہ حقدار وہ ہے جس نے اسلام کے لیے تجھ سے اور تیرے باپ سے جنگیں لڑیں"۔ پھر مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ میری اس بات سے امت میں پھوٹ پڑے گی۔ خونریزی ہوگی اور میری بات کا کوئی اور ہی مطلب نکالا جائے گا تو میں نے جنت میں اللہ تعالٰے کی نعمتوں کو یاد کیا" تو حبیب نے کہا آپ بال بال بچ گئے۔

اور امام بخاری[2] نے بیان کیا ہے کہ مدینہ والوں نے جب یزید کی بیعت توڑ دی تو عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے۔ قیامت کے روز ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا" اور ہم نے اللہ و رسول کے حکم کے مطابق[3]

---

[1] حبیب بن مسلمہ فہری مکی ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹے تھے۔ پھر جہاد کے لیے شام چلے گئے اور بڑی مدت تک وہاں رہے۔ آرمینیہ انہوں نے فتح کیا۔ یہ اس لشکر کے سردار تھے جو حضرت عثمانؓ کو باغیوں کی گرفت سے نکالنے کے لیے شام سے آیا تھا جب اس کو راستہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی تو واپس چلا گیا۔

[2] صحیح بخاری کتاب الفتن ۹۹/۸۷

[3] امام بخاری کی یہ صاف اور روشن روایت ان لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے کافی ہے جنہوں نے جھوٹی روایات بنا کر وہب بن جریر کے ذمہ لگا دیں اور پھر وہ روایات بھی آپس میں متناقض ہیں کہ عبداللہ بن عمر وغیرہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور امیر معاویہ نے ان کے سروں پر آدمی کھڑے کر دیے تھے کہ اگر یہ میری بات جھٹلائیں (باقی بر صفحہ ۳۶۰)

یزید کی بیعت کی تھی اور میں اس سے بڑی اور کوئی غداری نہیں سمجھتا کہ ہم اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ایک آدمی کی بیعت کریں اور پھر اس سے لڑائی شروع کر دیں۔ اور جس آدمی نے بھی یزید کی بیعت کرکے توڑ دی ہے اس کا اور میرا فیصلہ ہوگا۔"

اے مسلمانو! صحیح بخاری کی یہ روایت دیکھو اور پہلی روایتوں پر بھی غور کرو جن میں کہا گیا تھا کہ عبداللہ بن عمر نے بیعت نہیں کی تھی اور معاویہ نے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ اس نے بیعت کی ہے اور پھر اپنے محافظ کو حکم دیا کہ اگر یہ میری بات کو جھٹلائے تو اسکی گردن اڑا دینا۔" اور بخاری کی روایت میں حضرت عبداللہ کہہ رہے ہیں

(بقیہ حاشیہ ۳۵۹) تو ان کو قتل کر دینا اور وہ بات بھی افتراء تھی کہ ان لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ اب اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ امیر معاویہ نے ان پر کوئی افتراء نہیں کیا تھا اور یہ عبداللہ بن عمر ہیں جو نہایت مشکل وقت میں اعلان کر رہے ہیں (یعنی اس وقت جبکہ عبداللہ بن زبیر کی ترغیب سے ابن مطیع نے آکر مدینہ والوں کو یزید کی بیعت توڑ دینے کو کہا) کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ان کی گردنوں میں بھی امام کی بیعت ہے جیسے کہ میں نے بیعت کی ہے اور سب سے بڑی غداری یہ ہے کہ کوئی امت کسی امام سے بیعت کرے اور پھر اس سے جنگ شروع کر دے اور یزید کے خلاف خروج کے وقت عبداللہ بن عمر نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب الامارت جلد ۲ص۱۲۷ میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر ابن مطیع کے پاس آئے جو کہ عبداللہ بن زبیر کا داعی اور اس ہنگامہ کو بپا کرنے والا تھا۔ تو ابن مطیع نے کہا "ابو عبدالرحمن کے لیے تکیہ لاؤ"۔ تو عبداللہ بن عمر نے کہا "میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا ہوں میں تجھے صرف ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے فرمایا جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا تو قیامت کے روز اللہ کے سامنے اس کی کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو اس حال میں مرے کہ اسکی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔ اور محمد بن حنفیہ نے بھی ابن مطیع کے سامنے اسی طرح کا موقف اختیار کیا جیسے قاری "یزید کی سیرت" کے عنوان میں آئندہ دیکھے گا۔۱۲

کہ ہم نے اللہ و رسول کے حکم کے مطابق یزید کی بیعت کی ہے"۔ ان روایات کا آپس میں تعارض بھی دیکھو اور سلامت رہنے کے لیے راجح روایت کو قبول کرو۔ اور صحابہ اور تابعین کے معاملہ میں بچ کر چلو جب اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے فتنہ سے محفوظ رکھا ہے اور تم نے ان کو دیکھا بھی نہیں ہے تو تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اپنی زبان کے ساتھ ان کی خونریزی میں شامل ہو گئے ہیں اور زمین پر سے ان کے گوشت کے ٹکڑے اٹھانے کے بعد کتے کی طرح اب ان کا خون چاٹ رہے ہیں اور اب کتوں کو زمین پر پڑا ہوا خون ہی چاٹنے کو مل سکے گا اور کیا ملے گا؟

ثابت اور عادل راویوں نے عبد الرحمٰن بن مہدی سے بواسطہ سفیان اور انہوں نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ جب یزید کی بیعت ہو گئی تو ابن عمر نے کہا "اگر یہ اچھا ہوا ہے تو ہم خوش ہیں اور اگر برا ہوا ہے تو ہم صبر کریں گے"۔

اور حمید بن عبد الرحمٰن سے ثابت ہے اس نے کہا جب یزید بن معاویہ خلیفہ ہوا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے پاس گئے تو انہوں نے کہا "تم کہتے ہو یزید بن معاویہ امت محمدیہ میں سے بہترین آدمی نہیں ہے اور نہ سب سے زیادہ فقیہ ہے اور نہ بزرگی میں سب سے بڑا ہے اور میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم اگر امت محمدیہ ایک آدمی پر اتفاق کر لے تو یہ مجھے افتراق سے زیادہ پسند ہے۔ کیا تم نے کوئی ایسا دروازہ دیکھا جس میں ساری امت محمدیہ داخل ہو سکے یا کوئی ایسا دروازہ دیکھا ہے جس میں کوئی آدمی بھی داخل نہ ہو سکے؟ تو ہم نے کہا "نہیں"۔ پھر کہا "بھلا بتاؤ اگر ساری امت محمدیہ یہ عہد کر لے کہ میں اپنے بھائی کا نہ خون کروں گا نہ مال لوں گا تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟" ہم نے کہا "ہو سکتا ہے" تو کہنے لگے "یہی تو میں تم سے کہتا ہوں" پھر کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حیا ہمیشہ بھلائی لاتا ہے"۔

یہ صحیح روایات آپ کو بتا رہی ہیں کہ عبد اللہ بن عمر یزید کے معاملہ میں مجتمع تھے

اطاعت کر رہے تھے آپ نے اس کی بیعت کی اور پھر بیعت کے لوازمات پورے کیے اور جو عہد دوسرے مسلمانوں نے کیا وہ انہوں نے بھی کیا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں پر اس کی بیعت کو توڑنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حرام قرار دیا۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ معاویہ نے اپنے اس قول میں جھوٹ بولا کہ "ابن عمر نے بیعت کر لی ہے" حالانکہ اس نے بیعت نہیں کی تھی اور ابن عمر اور اس کے ساتھیوں سے پوچھا گیا کہ تم نے بیعت کی ہے تو انہوں نے کہا ہم نے بیعت نہیں کی" تو وہ آدمی خود جھوٹا ہے۔

امام بخاری نے اپنی روایت میں امیر معاویہ کے قول کی تصدیق کر دی ہے کہ معاویہ نے منبر پہ کہا تھا "ابن عمر نے بیعت کر لی ہے"۔ تو امام بخاری نے عبداللہ بن عمر کا اپنا اقرار نقل کر دیا ہے کہ "میں نے یزید کی بیعت کی ہے اور اس کی فرمانبرداری کا عہد کیا ہے"۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جب مدینہ والے یزید کے خلاف ہو چکے تھے۔

اب تم ہی بتاؤ کہ ان دونوں فریقوں میں سے کون سچا ہے آیا وہ فریق جس میں امام بخاری ہے یا دوسرا فریق؟

تم اپنے لیے زیادہ صحیح اور زیادہ محتاط راستہ اختیار کر و یا سب سے خاموش رہو اور اللہ ہی تمہاری توفیق اور حفاظت کا مالک ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن حمید جس "ایک صحابی" کا ذکر کر رہے ہیں میرے خیال میں وہ حضرت عبداللہ بن عمر ہی ہیں واللہ اعلم اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور صحابی ہیں تو پھر اس مقالہ پر دو صحابی متفق ہو گئے اور اس سے بھی اس کی تائید ہو گئی جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ مفضول کی ولایت نافذ ہے اگرچہ وہاں افضل موجود ہو جبکہ مفضول کی ولایت منعقد ہو چکی ہو اور اس کے توڑنے میں یا افضل کی طلب میں ناجائز امور کے ارتکاب "اور آزار" میں تفرقہ اور امت میں بے اتفاقی کا اندیشہ ہو۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یزید شراب نوشی کرتا تھا تو ہم کہیں گے اس طرح کہنا دو

شاہدوں کے بغیر جائز نہیں ہے اور اس کی شہادت دینے والا کون ہے۔ بلکہ معتبر

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلہ امیر معاویہ نے یزید کو باوجود کمال محبت کے با کمال ہونے اور اچھے اخلاق حاصل کرنے کے لیے اپنے سے دور صحرائی علاقہ میں بھیج دیا تھا چنانچہ یہ اپنے ماموؤں بنی قضاعہ میں رہا تاکہ یہ بھی اپنی ماں میسون بنت بحدل کے طریقہ پر چلے۔ چنانچہ اس کی ماں نے ایک شعر کہا تھا ع

"وہ گھر جس میں آدمی آزادی سے چلیں، پھریں وہ مجھے بلند ترین محل سے زیادہ پیارا ہے"۔

بس اسی ماحول میں یزید کا بچپن گذرا اور جوانی شروع ہوئی۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کے والد (معاویہ) خدا کو پیارے ہو گئے اور یزید اس مرکز کا والی بن گیا جو اللہ نے اس کے لیے چاہا تھا۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد جب عبداللہ بن زبیر کے لیے میدان خالی ہو گیا تو اس کی طرف دعوت دینے والے یزید کے متعلق جھوٹی خبریں پھیلانے لگے اور ایسی باتیں اس کی طرف منسوب کیں جو جائز نہ تھیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۳ ج ۸ میں نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مطیع (عبداللہ بن زبیر کا داعی) اور اس کے ساتھی مدینہ منورہ میں محمد بن علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور اسے یزید کی بیعت توڑنے پر اکسایا۔ اس نے انکار کر دیا تو ابن مطیع نے کہا "یزید شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور قرآن کے حکموں کے خلاف کرتا ہے" تو ابن الحنفیہ نے کہا "میں اس کے پاس گیا ہوں۔ اس کے پاس قیام کیا ہے میں نے تو جو کچھ تم کہتے ہو اس میں بالکل نہیں دیکھا۔ بلکہ میں نے اسے نمازوں کا پابند، نیکی کا متلاشی دیکھا ہے۔ وہ فقہی مسائل دریافت کرتا ہے سنت کی پابندی کرتا ہے" تو انہوں نے کہا یہ سب کچھ اس نے تمہارے دکھانے کو تصنع کے طور پر کیا ہے" تو محمد بن حنفیہ نے کہا "مجھ کو دکھانے کی اسے کیا ضرورت تھی کوئی خوف تھا یا کوئی امید؟ کیا تم کو اس نے اپنی شراب نوشی کے متعلق بتایا ہے؟ اور اگر اس نے تم کو بتایا ہے تو پھر تم بھی اس کے شریک کار ہو اور اگر اس نے تمہیں نہیں بتایا تو تم کو کہاں سے معلوم ہو گیا؟" انہوں (باقی بر صفحہ ۳۶۴)

لوگ تو اس کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ لیث نے کہا۔ امیر المومنین یزید فلاں تاریخ کو فوت ہوئے"۔ تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۳) نے کہا ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں گو ہم نے اس کو شراب نوشی کرتے دیکھا نہیں ہے"۔ تو محمد بن حنفیہ نے کہا "اللہ تعالےٰ ایسی گواہی دینے اور قبول کر لینے سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں "مگر جس نے حق کے ساتھ گواہی دی اور وہ جانتے ہوں" (زخرف) اور میں تمہارے کام کا آدمی نہیں ہوں"۔ تو انہوں نے کہا "شاید آپ کو یہ ناپسند ہو کہ تمہارے علاوہ کوئی اور خلیفہ بن جائے اگر ایسا ہے تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں" تو اس نے کہا "جس کام کے درپے تم لوگ ہو اس میں جنگ کرنے کو ایسے ہی ناجائز سمجھتا ہوں خواہ آگے لگ کر ہو یا پیچھے رہ کر"۔ تو انہوں نے کہا "آپ اپنے باپ کے ساتھ ہو کر تو لڑتے رہے ہیں" تو اس نے کہا "تم میرے باپ جیسا آدمی لے آؤ تو میں ایسے معاملہ میں جنگ کروں گا جس معاملہ میں میرے باپ نے جنگ کی تھی"۔

تو پھر انہوں نے کہا "اچھا اگر خود نہیں جاتے تو اپنے دونوں بیٹوں ابو القاسم اور قاسم کو تو بھیج دو وہ ہمارے ساتھ ہو کر لڑائی کریں"۔ تو آپ نے کہا "اگر میں ان کو حکم دوں تو پھر تو میں نے ہی لڑائی کی"۔ تو انہوں نے کہا "اچھا یہ بھی نہ سہی آپ ہمارے ساتھ تو ہو جائیں اور لوگوں کو لڑائی کی ترغیب دیں"۔ تو آپ نے فرمایا "سبحان اللہ! میں لوگوں کو ایسی بات کا حکم دوں جسے میں خود ناپسند کرتا ہوں اور جس پر خود عمل نہیں کرتا؟ ایسی صورت میں تو میں نے بندوں کی خدا کے لیے خیر خواہی تو نہ کی"۔

انہوں نے کہا "اگر ایسی ہی صورت ہے تو ہم آپ کو زبردستی اٹھا لیں گے"۔ تو آپ نے فرمایا "لے چلو میں جا کر لوگوں کو خدا سے ڈرنے کی تلقین کر دوں گا اور کہوں گا کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے خدا کو ناراض نہ کر لینا"۔

اور پھر اس کے بعد محمد بن حنفیہ مکہ کی طرف چلے آئے اور وہ لوگ اپنے کام میں مصروف رہے ۱۲

لیث نے یزید کو "امیر المومنین" اس وقت کہا جبکہ بنو امیہ کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ گذر چکا تھا اور اگر یزید فی الواقع ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو سیدھے الفاظ سے کہتے "یزید فوت ہوا"۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر یزید کے ذمہ قتل حسین کے علاوہ اور کوئی بھی گناہ نہ ہو تو بھی کافی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اور مصیبتوں پر ایک دفعہ افسوس اور حسین کی مصیبت پر ہزار بار افسوس۔ آپ کا پیشاب تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر جاری ہوا اور آپ کا خون زمین پر مفت میں بہ گیا۔ ہائے اللہ! ہائے مسلمانو!

صحیح روایت کے مطابق یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر دی اور حکم دیا کہ مدینہ والوں سے بیعت لی جائے۔ حالانکہ پہلے ایک دفعہ بیعت ہو چکی تھی تو اس نے مروان کو بلا کر اطلاع دی۔ مروان نے کہا "حسین بن علی۔ اور عبد اللہ بن زبیر کو بلاؤ اگر وہ بیعت کر لیں تو فبہا ورنہ ان کو قتل کر دو۔" ولید نے کہا "سبحان اللہ حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو قتل کیا جائے؟ تو مروان نے کہا "آپ کو یہی کچھ کرنا پڑے گا" چنانچہ ان دونوں کو بلایا۔ عبد اللہ بن زبیر آئے ان کو معاویہ کی وفات کی خبر دی اور بیعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا "میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت کرے؟ میں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کے ساتھ علانیہ بیعت کروں گا۔"

تو مروان اچھل پڑا اور کہا اس کی گردن اڑا دو یہی فتنے اور شرارت کی جڑ ہے۔" تو عبد اللہ بن زبیر نے کہا "اے زرقاء کے بیٹے تو بھی یہیں ہے"؟ پھر دونوں میں تلخ کلامی ہوئی تو ولید نے کہا "یہاں سے چلے جاؤ" پھر حسین کو بلا بھیجا۔ تو حسین نے اس کے متعلق کوئی بات ہی نہ کی۔ یہ دونوں ولید کے پاس سے چلے آئے اور ولید نے ان پر نگران مقرر کر دیے۔ جب صبح قریب ہوئی تو یہ دونوں بڑی تیز رفتاری سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ راستے میں ان کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ ابن زبیر نے حسین سے کہا۔ آپ اپنے اور اپنے باپ کے حامیوں کے

پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ خدا کی قسم اگر اس طرح کے کچھ میرے حامی ہوتے تو میں ان کے پاس چلا جاتا۔ یہ صحیح روایت کا خلاصہ ہے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کوفہ والوں کے کچھ خطوط حسین کے پاس آئے اور

---

۵ شیعہ مورخ لوط بن یحییٰ کی روایت کے مطابق کوفہ کے شیعوں میں سے سب سے پہلے جنہوں نے امام حسین کو خط لکھے وہ سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر تھے۔ ان لوگوں نے اپنے خطوط عبد اللہ بن سبیع ہمدانی اور عبد اللہ بن دال کے ہاتھ روانہ کیے۔ یہ امام حسین کے پاس ۱۰ رمضان ۶۰ھ کو پہنچے اور پھر دو دن کے بعد آپ کے پاس قیس بن مسہر صیداوی اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن ارحبی اور عمارہ سلولی کو ۵۳ خطوط دے کر روانہ کیا اور پھر دو دن بعد ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی کو بھیجا (اور طبری ج ۶ ص ۱۹۷ میں بعض خطوط کے مضامین اور بھیجنے والوں کے نام بھی درج کیے ہیں) اور ان کا خلاصہ یہ تھا کہ

"ہم لوگ اپنے امیر نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ بھی نہیں پڑھتے اور ہم لوگ حسین کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتے ہیں جب آپ آجائیں گے تو ہم اپنے امیر کو یہاں سے نکال دیں گے اور اسے شام روانہ کر دیں گے" اور بعض خطوط میں لکھا تھا کہ "پھل پک چکا ہے آپ جس وقت چاہیں اپنے تیار لشکر کو آکر سنبھال لیں" تو امام حسین نے ان کے پاس اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو روانہ کیا کہ جا کر دیکھو اگر ان میں اتفاق ہو کہ حسین یہاں آئے اور آدمی بھروسے والے ہوں تو پھر میں آجاؤں گا۔ اور مسلم بن عقیل چلتے ہوئے راستہ سے بھٹک گئے اور آپ کے ساتھی پیاس سے مر گئے تو انہوں نے حسین کو لکھا کہ "اس مہم سے مجھے معافی دی جائے"۔ تو حضرت حسین نے ان کو جواب دیا "آپ صرف اپنی بزدلی کی وجہ سے معافی چاہ رہے ہیں"۔ تو مسلم پھر آگے روانہ ہوئے اور بالآخر کوفہ پہنچ گئے اور حسین کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی اور کوفہ کے امیر نعمان بن بشیر کو جب ان حالات کی (باقی بر ص ۳۷۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۶)

اطلاع ہوئی تو اس نے خطبہ دیا اور فتنہ اور افتراق سے ان کو باز رہنے کی تلقین کی اور کہا میں صرف اسی سے لڑوں گا جو مجھ سے لڑائی کریگا اور میں کسی کو تہمت اور گمان پر گرفتار نہیں کروں گا اور اگر تم کھل کر سامنے آگئے اور تم نے میری بیعت توڑ دی تو جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہی تم پر چلاتا رہوں گا اور یزید کو معلوم ہو گیا کہ نعمان بن بشیر نرم مزاج اور عبادت گزار آدمی ہے وہ ایسی بدامنی کا مقابلہ نہیں کر سکے گا تو اس نے اپنے بصرہ کے عامل عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ میں نے کوفہ کو بھی تمہاری تحویل میں دے دیا ہے اور پھر اسے حکم دیا کہ فوراً کوفہ پہنچو اور عقیل کے بیٹے کو تلاش کرو اور گرفتار کر کے یا تو اسے قتل کر دو یا کوفہ سے نکال دو۔ تو عبید اللہ نے اپنے بھائی کو بصرہ پر عامل مقرر کیا اور خود کوفہ چلا آیا۔ لوگوں سے شہر میں ملاقات کی اور حالات پر قابو پا لیا اور کچھ دیر بھی نہ گذری تھی کہ مسلم بن عقیل نے دیکھا کہ وہ بارہ ہزار غبار کی طرح اڑ گئے اور مسلم اکیلے کے اکیلے رہ گئے پھر وہ گرفتار ہوئے اور قتل کر دیے گئے۔

اور اس سے پہلے حسین کے پاس مسلم کے خطوط پہنچ چکے تھے کہ بارہ ہزار آدمیوں نے موت پر بیعت کر لی ہے۔ چنانچہ آپ حج کے بعد کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت حسین کو کوفہ جانے کی ترغیب صرف عبد اللہ بن زبیر نے دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک حسین حجاز میں ہیں لوگ انکی بیعت نہیں کرینگے تو ان پر حسین ساری مخلوق سے زیادہ بوجھ تھے (طبری صفحہ ۱۹۶-۱۹۷ ج ۴)

باقی رہے حسین کے خیر خواہ یعنی ان کی قرابت والے اور دوست اور اہل سنت والجماعت میں سنت اسلامیہ کے متلاشی تو ان سب نے ان کو اس منحوس سفر سے روکنے کی کوشش کی اور اس کے بد انجام سے آگاہ کیا اور ان سب میں پیش پیش ان کے بھائی محمد بن حنفیہ تھے (طبری صفحہ ۱۹۰-۱۹۱ ج ۴) اور حضرت عبد اللہ بن عباس آپ کے باپ کے چچا زاد بھائی (طبری صفحہ ۲۱۶-۲۱۷ ج ۴) اور آپ کا چچا زاد بھائی عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب (طبری صفحہ ۲۱۹ ج ۴) عبد اللہ بن جعفر کو خیال ہوا کہ اگر وہ مکہ کے والی عمرو بن سعید (باقی بر صفحہ ۳۶۸)

انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو ان کے پاس بھیجا تاکہ ان سے بیعت
لے اور دیکھے کہ کون سے اور کتنے لوگ اس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہیں تو عبداللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٣٦٧) بن عاص کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ حضرت حسین کو امان کی تحریر لکھ
دے اور ان سے انعام و اکرام کی امید دلائے تو شاید وہ واپس آجائیں تو مکہ کے والی نے
وہ سب کچھ قبول کر لیا جو عبداللہ بن جعفر نے کہا اور والی مکہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ
لیں، میں اس پر مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر نے لکھا اور والی نے مہر لگا دی اور
وہ خط لے کر عبداللہ بن جعفر اور عمرو بن سعید کا بھائی یحییٰ دونوں گئے اور وہ دونوں مل
کر کوشش کرتے رہے کہ حضرت حسین اس سفر سے واپس آجائیں لیکن انہوں نے
انکار کر دیا (والی کی تحریر کا مضمون طبری صفحہ ٢١٩ - ٢٢٠ میں درج ہے) ان خیر خواہوں سے
بڑھ کر کوئی آدمی عقلمند، عالم، مخلص اور معتقد نہ تھا۔ بلکہ عبداللہ بن مطیع جو ابن زبیر کا
داعی تھا وہ بھی عقل اور اخلاص کے ساتھ آپ کی خیر خواہی کرتا رہا (طبری صفحہ ١٩٦) اور عمر
بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی کی بھی یہی رائے تھی (طبری صفحہ ٢١٥، ٢١٦) اور
حارث بن خالد بن عاص بن ہشام نے بھی خیر خواہی کی اور کوئی کوتاہی نہ کی (صفحہ ١٩٦) یہاں
تک کہ فرزدق شاعر نے بھی آپ سے کہا "لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان
کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں" (طبری صفحہ ٢١٨) لیکن ان سب کی کوششیں بیکار
ثابت ہوئیں اور حضرت حسین کو اس سفر سے باز نہ رکھ سکیں جو آپ کے لیے، اسلام
کے لیے اور تمام امت اسلامیہ کے لیے اس دن سے لے کر قیامت کے دن تک
منحوس ثابت ہوا اور یہ سارا گناہ آپ کے ان شیعوں کا تھا جنہوں نے آپ کو جہالت
دھوکے اور دغابازی سے ترغیب دی اور فتنہ، فساد اور شر کو پیدا کیا اور پھر آپ
کو بزدلی، خیانت، غداری اور کمینگی سے چھوڑ دیا اور ان کے وارثوں نے پھر اسی پر
ہی اکتفا نہیں کیا جو ان کے اسلاف کر گئے تھے۔ پھر یہ لوگ تاریخ کو مسخ کرنے اور
حقائق کو تبدیل کرنے اور امور کو الٹے رخ پیش کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ ١٢

ابن عباس نے ان کو رد کیا اور بتایا کہ انہی لوگوں نے تو آپ کے باپ اور بھائی
کو ذلیل کیا اور پھر انہی کا اعتبار کرتے ہو اور عبداللہ بن زبیر نے آپ کو کوفہ جانے
کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ چلے گئے۔ ابھی کوفہ پہنچے بھی نہ تھے کہ ان کو مسلم بن عقیل
کے قتل ہونے کی اطلاع مل گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے ان کو بلایا
تھا انہوں نے ہی ان کو قتل کرنے کے لیے پکڑا دیا اور عبرت حاصل کرنے والے
کے لیے یہی عبرت کافی تھی۔ لیکن آپ حق کو قائم کرنے اور دین کے لیے ناراضگی
کے عالم میں چلے گئے اور آگے بڑھتے رہے۔ لیکن آپ نے (اللہ ان سے راضی ہو) اپنے
زمانے کے سب سے بڑے عالم کی نصیحت قبول نہ کی (یعنی ابن عباس کی) اور
صحابہ میں سے سب سے معمر شخص عبداللہ بن عمر کی رائے سے بھی انحراف کیا[10]
اور ابتدا کو انتہا میں اور راستی کو کجی میں اور جوانی کی رونق کو بڑھاپے کی پیرانہ
سالی میں تلاش کرنا چاہا جو ناممکن تھا۔

اور نہ آپ کے ساتھ ایسے مددگار تھے جو آپ کے حقوق کو ملحوظ رکھتے اور
نہ ایسے آدمی ساتھ تھے جو آپ کے سامنے اپنے خون بہاتے۔ تو ہم نے ارادہ کر لیا
کہ زمین کو یزید کی شراب سے پاک کریں تو ہم نے حسین کے خون کو زمین پر بہا دیا۔
پھر ہم پر وہ مصیبت آئی جس کا اندمال زمانہ بھر کی خوشیاں بھی نہیں کر سکتیں۔
اور جو لوگ آپ کے ساتھ نکلے وہ بھی کسی تاویل سے نکلے اور پھر کسی نے آپ
کے ساتھ ہو کر لڑائی بھی نہ کی کیونکہ لوگوں نے آپ کے نانا سے جو تمام رسولوں
کے نگران ہیں سن رکھا تھا۔ آنحضرت نے ایسے حالات کی خرابی کی خبر دی تھی اور فتنوں
میں داخل ہونے سے ڈرایا تھا اور اس موضوع پر آپ کی بہت سی احادیث

---

[10] کہ انہوں نے عافیت کو پسند کیا اور مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھا اور دعوت
اسلامی اور فتوحات کے لیے ان کو فارغ رکھنا چاہا ۱۲

[11] یہ فتنہ انگیز لوگوں کے قول کی حکایت ہے جو بغیر علم کے شہادت دیتے ہیں ۱۲

ہیں۔ ان میں آنحضرت کا یہ قول بھی ہے "حالات[۱] بڑے ناخوشگوار ہوں گے پھر جو آدمی اس امت میں تفرقہ ڈالنا چاہے اور لوگ ایک بات پر اکٹھے ہوں تو اس کو تلوار سے قتل کردو خواہ وہ کوئی بھی ہو" اس حدیث اور اس جیسی اور حدیثوں کی وجہ سے لوگ آپ کے ساتھ نہ نکلے۔ کاش کہ اس امت کے عظیم ابن عظیم اور شریف ابن شریف حسین کو ذہن کے گھر یا سائبان یا دونوں میں پناہ مل جاتی۔ اور اگر ساری مخلوق بھی چل کر ان کے پاس آجاتی کہ چلو چل کر خلافت سنبھالو اور ابن عباس اور ابن عمر بھی ہوتے تو پھر بھی ان کی طرف توجہ نہ کرتے۔ کاش آپ کے ذہن میں وہ چیز آجاتی جس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جو کچھ ان کے بھائی کے متعلق کہا تھا[۲]۔ اور کاش آپ سمجھ جاتے کہ یہ خلافت ان کے بھائی کے ہاتھ سے نکل گئی حالانکہ آپ کے پاس اس وقت سارے علاقہ کی فوج تھی اور بڑے بڑے آدمی ان کو چاہتے تھے۔ تو پھر کوفہ کے اوباش لوگ یہ خلافت حضرت حسین کو کس طرح دلا سکتے تھے اور بڑے بڑے صحابہ آپ کو روکتے رہے اور مجبور ہو کر بالآخر آپ سے الگ ہو گئے۔ میں تو اس کے متعلق یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالے کی تقدیر کو تسلیم کرلیا جائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بیٹے پر باقی زمانہ غم کیا جائے اور اگر امت کے بڑے بڑے لوگوں اور برگزیدہ ہستیوں کو یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ اللہ تعالے نے خلافت کو اہل بیت سے دور کر دیا ہے اور ایسا فتنہ پیدا ہوگا جس میں داخل ہونے کی کسی کو اجازت نہیں ہے تو کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔[ص]

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الامارت۔ باب حکم من فرق امر المسلمین وہو مجتمع ص ۱۲۲/ج۲ حدیث عرفجہ ۱۲

[۲] یعنی یہ میرا بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالے اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرادے ۱۲

[ص] صحیح اور مستند واقعات شہادت حسین صرف اتنے ہی ہیں باقی سب قصہ گو لوگوں کی بے سند داستانیں ہیں (ناشر)

اور یہ امام احمد بن حنبل ہیں ان کا دین اور پرہیزگاری میں بڑا بلند مقام ہے۔ اور حدیث قبول کرنے میں بڑی تنقید کرتے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "الزہد" میں یزید بن معاویہ کی روایت نقل کی ہے کہ یزید اپنے خطبہ میں کہا کرتا تھا "جب تم میں سے کوئی آدمی بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جائے اور پھر تندرست ہو جائے تو وہ غور کرے اپنے اعمال کا جو افضل ترین عمل ہو اس کو لازم پکڑ لے اور پھر اپنے کسی بدترین عمل کو دیکھے تو اسے چھوڑ دے"

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا مقام امام احمد بن حنبل کی نگاہ میں بہت بلند تھا۔ یہاں تک کہ اس کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے لوگ گناہ چھوڑتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ امام احمد نے یزید کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات کہاں اور ان مورخین کا قول کہاں جو یزید کی طرف شراب نوشی اور فسق و فجور منسوب کرتے ہیں۔ کیا وہ شرم نہیں کرتے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے شرم و حیا چھین لیا ہے تو تم ہی نصیحت پکڑو اور خود اپنا امتحان کر کے علماء اور بزرگ لوگوں کی پیروی کرو اور ان بے دین لوگوں اور باطل النظر لوگوں سے دور رہو جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

اور اس کے بعد ابن زبیر کے معاملہ پر غور کرو کہ ان کے ہاتھ پر مکہ اور دوسرے علاقوں کے کتنے آدمیوں نے بیعت کی؟ اور ابن عباس اور ان کی عقلمندی پر غور کرو کہ کس طرح انہوں نے اپنی پوزیشن کا اندازہ کیا؟ اور ابن عمر اور ان سے عمر رسیدہ لوگوں پر بھی غور کرو اور پھر دیکھو کہ کس طرح انہوں نے دنیا کو چھوڑا اور یزید کی بیعت کی اور اگر اس معاملہ کو درست کیا جا سکتا تو حضرت ابن عباس اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ ان کے بھائی عبید اللہ کے دو بیٹے ظلم سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی عقل (حاشیہ ص ۳۷۲ دیکھیں)

سے معلوم کر لیا کہ حضرت عثمان کے خون کا کچھ نہ بن سکا تو عبید اللہ کے دونوں بیٹوں کا
کیا بنے گا اور پھر یہ معاملہ مشتبہ ہو چکا تھا[1] تو یہ دونوں بزرگ اس سے دستبردار
ہو گئے[2] کہ اصل محفوظ رہے اور وہ ہے امت کا اجتماع اور اس کے خون کو محفوظ
رکھنا اور ایک ہی کلمے پر اتفاق کرنا اور اس خلافت کے معاملہ کو حبشی کان کٹے کے لیے
چھوڑ دے جیسا کہ صاحب شریعت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[3] - اور ان میں
سے ہر ایک بہت بڑا مجتہد تھا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ درست کیا اور اس میں ان
کو اجر ملے گا اور یہ اللہ تعالے کا حکم تھا جو نافذ ہوا اور اللہ تعالے اس کے متعلق فیصلہ
کر کے فارغ ہو چکے سو تم ان امور کو تقدیر کے مطابق ہی سوچو اور ان کے متعلق وہی
روش اختیار کرو جو ابن عباس اور ابن عمر نے کی تھی اور ان بیوقوف لوگوں سے نہ
ہو جاؤ جنہوں نے اپنی زبانیں اور قلمیں ایسی بحث میں آزاد چھوڑ رکھی ہیں جس میں کوئی
فائدہ نہیں اور نہ یہ دنیا میں مفید ہے نہ آخرت میں۔

اور برگزیدہ اماموں اور شہروں کے فقہاء کو دیکھو کیا انہوں نے ایسی خرافات اور
ایسی حماقتوں کی طرف توجہ کی ہے؟ بلکہ انہوں نے معلوم کر لیا کہ یہ صرف جاہلیت کی
عصبیت اور باطل کی حمایت ہے اور سوائے تفرقہ اندازی اور بے اتفاقی اور بیہودہ
خواہشات کے اس کا اور کوئی فائدہ نہیں ہے اور جو ہو چکا سو ہو چکا اور اخباری

(حاشیہ متعلقہ ص ۳۷۱) [1] حضرت علی کی طرف سے عبید اللہ بن عباس یمن کے والی تھے سنہ ۴۰ھ میں امیر معاویہ نے حجاز اور یمن کی طرف بسر بن ارطاۃ کو بھیجا تو اس نے حجاز والوں سے امیر معاویہ کے لیے بیعت لی اور پھر یمن کی طرف چلا گیا جب عبید اللہ کو بسر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ کوفہ کی طرف بھاگ گئے اور اپنے دونوں بیٹوں کو یمن میں چھوڑ گئے تو بسر نے ان کو قتل کر دیا ۱۲

[2] کہ اس وقت لڑائی کرنا درست ہے یا نہیں ۱۲

[3] یہ حدیث ابوذر کی روایت سے صحیح مسلم کتاب الامارت ج ۶ ص ۱۴ میں مذکور ہے ۱۲

لوگوں نے جو کہنا تھا وہ کہا بس یا تو خاموش رہو اور یا پھر اہل علم کی اقتدا کرو اللہ سورجیں اور اوباش کی بکواس کو چھوڑو اور اللہ ہم پر اور تم پر بھی اپنی رحمتیں مکمل فرمائے۔

نکتہ (نمبر ۱)

عجیب بات ہے کہ لوگ بنی امیہ کی خلافت کو بہت بڑی بات سمجھ رہے ہیں اور سب سے پہلے جس نے بنی امیہ کی ولایت کو شروع کیا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے فتح مکہ کے دن عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو مکہ مکرمہ کا والی مقرر کیا جو خدا کا حرم اور دنیا کا بہترین شہر تھا اور وہ نا ابھی نو عمر تھے۔ ڈاڑھی بھی ابھی نکلی تھی یا نہیں اور معاویہ بن ابی سفیان کو اپنی وحی کا امین بنا کر لکھنے کی خدمت پر مقرر کیا اور پھر ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو حضرت ابوبکر نے شام کا والی مقرر کیا اور پھر یہ بزرگی کی راہ پر چلتے گئے اور عزت کی سیڑھی پر چڑھتے رہے یہاں تک کہ زمانہ نے ان کو بزرگی کی انتہائی منازل تک پہنچا دیا۔

لوگوں نے ان کے متعلق ایسی باتیں کہی ہیں جن کا کوئی اصل نہیں ہے ان میں سے ایک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خواب بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر اچھل رہے ہیں۔ تو آپ کو یہ چیز ناگوار گذری تو آپ کو اس کے معاوضے میں لیلۃ القدر دی گئی جو ہزار مہینے سے بہتر ہے اور وہ ہزار بنو امیہ کو مل گئی۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو رسول اللہ خود ان کی ولایت شروع نہ کرتے اور نہ ان کو اس سرزمین کا حاکم بناتے جو دنیا کی بہترین جگہ (مکہ) ہے اور یہ اصل ہے اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہیے۔

اگر یہ کہا جائے کہ معاویہ نے اسلام میں ایک ناجائز فیصلہ کر کے بدعت ایجاد کی ہے اور زیاد کو اپنے ساتھ ملا کر باطل حکم نافذ کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہم نے اس کو دوسری جگہ مفصل بیان کر دیا ہے کہ زیاد کا استلحاق کئی وجوہ سے درست تھا اور ایک صحیح معاملہ تھا جسے ہم مدعیوں کے غلط دعوے کے اندراج کے بعد بیان کریں گے کیونکہ ان کے باطل کا پہاڑ سیا ہیں جاتا اور ان کی زبان اس سے بہت بڑی ہے اسے کیوں نہ کاٹا جائے۔

انہوں نے کہا ہے کہ زیاد عبید ثقفی کی طرف منسوب تھا اور یہ حارث بن کلدہ کی لونڈی سمیہ کا بیٹا تھا[۱] اور زیاد نے اپنے باپ عبید کو ایک ہزار درہم میں

---

[۱] حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق ص۴۰۹ میں زیاد کا ترجمہ کرتے ہوئے عوانہ بن حکیم کلبی سے روایت کیا ہے (عوانہ مدائن کا سب سے بڑا شیخ ہے) کہ سمیہ زیاد کی ماں فارس کے زمینداروں میں سے ایک زمیندار کی لونڈی تھی۔ وہ زمیندار پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اسے خطرہ محسوس ہوا کہ استسقاء نہ ہو جائے اس حارث بن کلدہ ثقفی کو بلایا جو عرب کا سب سے بڑا طبیب تھا اور کسریٰ کے پاس آیا ہوا تھا۔ اس نے زمیندار کا علاج کیا اور وہ تندرست ہو گیا تو اس نے اپنی لونڈی سمیہ اس کو دیدی۔ تو سمیہ کے ہاں حارث سے ابوبکرہ پیدا ہوئے ان کا نام مسروح یا نفیع تھا لیکن حارث نے کہا یہ میرا بیٹا نہیں ہے پھر سمیہ کے ہاں نافع پیدا ہوا اور حارث نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر جب ابوبکرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا تو حارث نے نافع سے کہا تیرا بھائی مسروح تو غلام ہے اور تو میرا بیٹا ہے تو اس دن اس کا اقرار کیا اور پھر حارث نے اپنے ایک غلام عبید نامی سے سمیہ کا نکاح کر دیا تو نکاح کے بعد زیاد پیدا ہوا۔

اور ابوسفیان طائف میں ایک آدمی ابو مریم کے پاس آیا جایا کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ابوسفیان ابو مریم کے پاس آیا تو اس نے سمیہ لونڈی کو پیش کیا۔ ابوسفیان نے اس سے صحبت کی تو پھر زیاد پیدا ہوا۔ ۱۲

خرید کر آزاد کر دیا۔ [1]

ابو عثمان نہدی نے کہا ہم اس پر رشک کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر نے اس کو بصرہ کے صدقات پر مقرر کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ کا سیکرٹری مقرر ہوا۔ [2] پھر جب مغیرہ پر جھوٹا مقدمہ بنا اور گواہوں نے گواہی دی تو زیاد نے گواہی نہ دی تو حضرت عمر نے گواہوں پر تو حد لگا دی اور زیاد کو معزول کر دیا۔ اور کہا میں نے تجھے کسی جرم کی بنا پر معزول نہیں کیا۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ

---

[1] ابن عساکر کی تاریخ ۵ ۴۰۶ میں زیاد کے ترجمہ کی ایک خبر ہے جسے زہرہ بن معبد اور محمد بن عمرو نے زیاد کے امیر المومنین حضرت عمر کے پاس آنے کے متعلق بیان کیا ہے۔ زیاد ابھی نوجوان تھا اور اس کو ابو موسیٰ اشعری نے جلولا کے روز امیر المومنین کے سامنے پیش کیا اس نے سفید سوتی کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بڑی اچھی شکل وصورت تھی آپ نے اس سے پوچھا یہ کپڑے کیسے ہیں؟ تو اس نے بتایا پھر قیمت پوچھی تو اس نے تھوڑی سی قیمت بتائی۔ آپ نے پوچھا تمہارا وظیفہ کتنا ہے؟ اس نے کہا دو ہزار سالانہ۔ آپ نے پوچھا جب تجھے پہلا وظیفہ ملا تھا تو اس سے کیا کیا تھا؟ اس نے کہا ایک ہزار سے میں نے اپنی والدہ کو خرید کر آزاد کیا اور دوسرے سے اپنے پرورش کرنے والے عبید کو خرید کر آزاد کیا۔ تو حضرت عمر نے کہا تمہیں نیکی کی توفیق ملی پھر اس سے فرائض۔ سنن اور قرآن مجید کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرآن اور اس کے احکام اور فرائض کا عالم ہے آپ نے ابو موسیٰ کو اسے واپس کیا اور بصرہ کے امراء کو کہا کہ "اس کی رائے پر عمل کیا کرو" ۱۲

[2] حافظ ابن عساکر نے ابو نعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ زیاد۔ ابو موسیٰ، عبداللہ بن عامر بن کریز، مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباس کا بصرہ میں سیکرٹری رہا۔ حضرت علی کا ارادہ تھا کہ زیاد کو بصرہ کا گورنر بنا دیں لیکن زیاد نے کہا آپ عبداللہ بن عباس کو گورنر بنائیں اور میں ان کا مشیر اور معاون رہوں گا ۱۲

لوگوں پر تیری عقل سوار ہو جائے"۔ اور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے زیاد کو یمن کے فساد کو فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ جب یہ وہاں سے واپس آیا تو اس نے ایسا خطبہ دیا جس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ تو عمرو بن عاص نے کہا "خدا کی قسم اگر یہ لڑکا قریشی ہوتا تو سب لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانک لیتا"۔

تو ابو سفیان نے کہا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ کس نے اس کو ماں کے پیٹ میں رکھا"۔ تو حضرت علی نے پوچھا "کس نے رکھا ہے"؟ تو ابو سفیان نے کہا "میں نے"۔ تو حضرت علی نے کہا "ابو سفیان خاموش رہ"۔ اور ابو سفیان نے اپنے کچھ اشعار بھی کہے ہیں ؂

(۱) خدا کی قسم اگر ایک آدمی کا ڈر نہ ہوتا کہ اے علی وہ مجھے دشمنوں میں سے سمجھیگا

(۲) تو اس کے معاملہ کو صخر بن حرب ظاہر کر دیتا اور اس سے پہلے کبھی زیاد کی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔

(۳) میں ثقیف کو بڑی مدت تک دھوکہ دیتا رہا اور بالآخر میں اپنے دل کا ٹکڑا وہاں چھوڑ آیا۔

بس یہی وجہ تھی کہ معاویہ نے زیاد کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

اور حضرت علی نے زیاد کو فارس پر مقرر کیا تو اس نے علاقے کی حفاظت کی بہت سی غنیمتیں لایا۔ علاقے فتح کیے اور ان کی اصلاح کی۔

اور امیر معاویہ نے اس سے خط و کتابت کی وہ حضرت علی اور زیاد کے تعلقات کو بگاڑنا چاہتے تھے تو زیاد نے معاویہ کا خط حضرت علی کے پاس ایک شعر کے ساتھ بھیج دیا۔ تو حضرت علی نے زیاد کو لکھا "میں نے تجھ کو والی بنایا جتنے علاقے کا بھی بنایا اور میرے نزدیک تو اس کا اہل تھا اور اب جو چیز تو چاہتا ہے وہ صبر اور یقین کے ساتھ ہی مل سکتی ہے اور وہ بات حضرت عمر کے زمانہ میں صرف ایک تڑ تھی

۱؎ یعنی حضرت عمر کا ۱۲

اس کی وجہ سے تو نسب اور میراث کا حقدار نہیں بن سکتا اور معاویہ مرمطمئن شخص پہ کتے گئے پیچھے سے حملہ کرتا ہے"۔ جب زیاد نے یہ خط پڑھا تو کہا رب کعبہ کی قسم! ابوالحسن (حضرت علی) نے میرے حق میں گواہی دے دی"۔ یس یہی بات تھی جس نے زیاد اور معاویہ کو جرأت دلائی اور انہوں نے یہ کارروائی کی۔ پھر امیر معاویہ نے اس کو اپنے پاس ۴۴ھ میں بلایا اور اپنی پوتی محمد کی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا۔

جب یہ خبر ابوبکرہ کو پہنچی (جو ماں کی طرف سے زیاد کا بھائی تھا) تو اس نے قسم کھائی کہ زیاد سے کبھی نہیں بولوں گا اور کہا "اس نے اپنی ماں کو زنا کار ٹھہرایا اور اپنے باپ کا انکار کر دیا۔ خدا کی قسم سمیہ نے تو کبھی ابوسفیان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور پھر اب وہ حضرت ام حبیبہؓ سے کیا معاملہ کرے گا۔ کیا اس کو دیکھے گا؟ تو اس صورت میں رسول اللہ کی حرمت کو توڑے گا اور اگر وہ اس سے پردہ کریں گی تو اس کو ذلیل کریں گی"۔ تو زیاد نے کہا۔ "خدا ابوبکرہ کو جزائے خیر دے اس نے کسی حال میں بھی خیر خواہی نہیں چھوڑی اور شاعروں نے اس کے متعلق گفتگو کی اور انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا "اسلام میں جو سب سے پہلا باطل فیصلہ ہوا وہ زیاد کا استلحاق تھا۔

قاضی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں ہم نے اس کی پوری بحث ایک اور جگہ درج کر دی ہے اور اس پہ اتنی بحث کی ہے کہ اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں لیکن یہاں بھی مختصراً بیان کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود حاصل ہو سکے۔ سو میں کہتا ہوں۔

جو کچھ بھی تم نے بیان کیا ہے ہم نہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اثبات کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور جو کچھ ہم صحیح طور پر حق اور قطعی طور پر علم سے کہہ سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ زیاد صحابیؓ ہے اور یہ بات کسی استدلال یا معرفت کی بنا پر نہیں کہی۔

۱؎ آپ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان اور امیر معاویہ کی بہن ہیں ۱۲

(باقی بر صفحہ ۳۷۸)

باقی رہ گیا اس کے باپ کا معاملہ؟ تو معاویہ کے دعوے سے پہلے ہم اس کے باپ کی قطعی طور پر تعیین نہیں کر سکتے[1]۔

اور جو کچھ مورخین نے کہا ہے وہ کچھ "مقاصد" رکھتا ہے اور وہ جو اس نے عبید کو خرید کر آزاد کیا وہ پرورش کے حقوق کی رعایت ہے۔ کیونکہ زیاد نے اس کے ہاں پرورش پائی جب کہ سمیّہ اس کے پاس تھی اور وہ جو لوگ اس کو عبید کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ پرورش کی وجہ سے کرتے ہیں۔

اور ان کا یہ کہنا کہ ابو عثمان ہندی نے اس پر رشک کیا تو یہ ابو عثمان کی شان سے بعید ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس پرورش پلئے اور وہ بچہ اس کو خرید کر آزاد کر دے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر ابو عثمان اور ان جیسے آدمیوں کو رشک آئے کیونکہ یہ وہ مرتبہ ہے جسے ہر غنی فقیر، شریف رذیل حاصل کر سکتا ہے اور اگر اس نے بہت بڑا مال خرچ کر دیا تو اس سے اس کی مروّت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کتنی ذلت کے لیے کتنا مال خرچ کر دیا۔ یار لوگوں نے یہ بات صرف اس لیے گھڑی ہے کہ پہلے عبید کو زیاد کا باپ ثابت کیا جائے اور پھر زیاد کا اپنے باپ سے انکار دکھایا جائے۔

باقی رہا حضرت عمر کا اس کو عامل مقرر کرنا وہ صحیح ہے اور یہی بات اس کی پاکیزگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۷) سلے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے سال پیدا۔ بعض نے ہجرت کا سال بتایا اور بعض نے بدر کا دن۔ ابن حجر نے کہا ہے اور ابن عساکر نے تصریح کی ہے کہ زیاد نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے لیکن دیکھا نہیں ۱۲ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] یہ تو ثابت ہے کہ حارث بن کلدہ نے زیاد کے ماں جائے بھائی نافع کا اقرار کر لیا کہ وہ میرا بیٹا ہے چنانچہ ان کو نافع بن حارث کہا جانے لگا اور تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ عبید یا حارث نے زیاد کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا ہو ۱۲

شرافت اور دین کے لیے کافی ہے۔

اور وہ جو انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عمر نے اس کو معزول کر دیا کیونکہ اس نے باطل کی گواہی نہ دی تھی۔ بلکہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس کے تینوں ساتھیوں نے گواہی[1] دی تو عمر مغیرہ کو کہتے جاتے تھے۔ تیرا چوتھا حصہ چلا گیا۔ تیرا نصف چلا گیا۔ تیرا تین بٹا چار چلا گیا۔ پھر جب زیاد آیا تو کہا میں تجھے خوبصورت آدمی دیکھتا ہوں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تیرے ہاتھ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو رسوا نہ کریگا۔

اور وہ جو انہوں نے خطبہ کا ذکر کیا ہے جس سے عمرو بن عاص نے تعجب کیا۔ تو اس کے پاس کوئی فضیلت علم اور فصاحت ایسی نہ تھی جو عمرو سے زیادہ ہو اور اس مفتری[2] شیخ نے جو خطبے اس کی طرف منسوب کیے ہیں وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے تعجب پیدا ہو۔

اور ان کا کہنا کہ ابو سفیان نے اس کا اعتراف کیا تھا اور اس میں شعر بھی کہے تو کسی عقلمند آدمی پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اگر ابو سفیان حضرت عمر کی زندگی میں اس کا اعتراف کر لیتا تو کوئی چیز پوشیدہ نہ رہتی۔ کیونکہ حال دو امور سے خالی نہیں یا تو حضرت عمر اس کا الحاق ابو سفیان سے کر دیتے جیسا کہ کئی دوسرے آدمیوں کا کیا تھا تو یہ الحاق نافذ ہو جاتا یا پھر اس کی تردید کر دیتے تو ابو سفیان پر جاہلیت کے دور میں کیے ہوئے ایک کام پر کوئی گرفت نہ ہو سکتی تھی تو ان کی اس خود ساختہ

---

[1] مغیرہ کے برخلاف شہادت دینے میں اس کے تینوں ساتھی اس کی ماں کے بیٹے تھے نفیع اور نافع جو حارث کی طرف منسوب ہے اور تیسرا شبل بن معبد ۱۲

[2] یہ مفتری جاحظ ہے اس نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" میں زیاد کے خطبے جزء ثانی کے اوائل میں ذکر کیے ہیں اور یہ خطبہ جس کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے خطبہ بتراء کے نام سے مشہور ہے ۱۲

من گھڑت۔ زدیل سی حکایت کا کوئی مطلب نہیں جبکہ وہ دین کی حدود سے بھی خارج ہے۔

اور وہ جو حضرت علی نے اس کو والی بنایا اس سے زیاد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اور وہ جو امیر معاویہ نے اس کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خط بھیجا وہ کسی حد تک درست ہے۔ باقی معاویہ کے خط کی تفصیل یا جو زیاد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا یا جو حضرت علی نے زیاد کو جواب دیا یہ سب خود ساختہ مضمون ہے اور حضرت علی کا یہ قول کہ "وہ تو حضرت عمر کے زمانہ میں ابوسفیان کی ایک بڑھ تھی اس سے تو نسب کا مستحق نہیں ہو سکتا"۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے جیسا کہ زیاد سے روایت کیا گیا ہے اور اس سے امیر معاویہ کا فعل صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علماء میں یہ ایک اجتہادی مسئلہ رہا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے تھی اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کی اپنی رائے تھی۔

باقی رہا اصل مقصد اور وہ ہے "معاویہ کا زیاد کو اپنے ساتھ ملا لینا اور لوگوں کا امیر معاویہ پہ اعتراض کرنا"۔ اگر امیر معاویہ نے اپنے باپ سے یہ سنا ہو کہ زیاد وہ میرا بیٹا ہے اور امیر معاویہ اسے اپنے ساتھ ملا لیں تو امیر معاویہ پہ کیا گرفت ہو سکتی ہے؟ اور ابوسفیان پر بھی کیا اعتراض ہے کہ وہ ایسے بیٹے کا اقرار کریں جس کی پیدائش ان کے جاہلیت کے زمانے کے زنا سے ہوئی ہو؟ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سمیۃ ابوسفیان کی لونڈی نہیں تھی جیسا کہ زمعہ کی لونڈی عتبہ کی نہیں تھی۔ لیکن عتبہ کی طرف دعوی کرنے والا موجود تھا جس کی وجہ سے اس کا فیصلہ کرنا پڑا اور زیاد کے بارے میں معاویہ سے کوئی آدمی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے۔

یہاں ایک باریک نکتہ ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بھائی اپنے بھائی کو ملانا چاہے اور کہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے اور اس کے ساتھ

جھگڑا کرنے والا اور کوئی نہ ہو بلکہ مدعی اکیلا ہو تو امام مالک کا فتویٰ یہ ہے کہ "وہ وارث ہوگا لیکن نسب ثابت نہ ہوگا" اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق "وہ وارث بھی ہوگا اور نسب بھی ثابت ہوگا" لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جس کے متعلق اقرار کیا جا رہا ہے وہ معروف النسب نہ ہو اور امام شافعی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ "وہ تیرے لیے ہے، اے عبد بن زمعہ اور بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں" تو آپ نے فراش والے کے بچہ کو ثابت کیا اور نسب بھی ثابت کیا۔ اور اس میں بہت بڑی بھول ہوئی ہے۔ یہ اس لیے کہ امام شافعی کا یہ کہنا کہ "بچہ فراش والے کا ہے" یہ صحیح ہے اور ان کا یہ کہنا کہ "اس سے نسب ثابت ہوتا ہے" یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ عبد نے دو سبب بیان کیے ہیں ایک اس کا بھائی ہونا اور دوسرا اس کے باپ کے فراش پر پیدا ہونا اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ "یہ تیرا بھائی ہے اور بچہ فراش والے کا ہے" تو اس سے حکم کا اثبات ہوتا اور علت کا ذکر ہوتا۔ لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قصداً بھائی کے لفظ نہیں کہے اور نہ اس طرف توجہ کی ہے اور نسب سے اعراض کیا ہے اور اس کی تصریح نہیں کی۔

اور صحیح کی ایک روایت میں اگر "وہ تیرا بھائی ہے" کے لفظ آئے ہیں تو دوسری روایت میں "وہ تیرے لیے ہے" کے لفظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کو زیادہ بہتر جانتا ہے اور ہم نے اختلافی مسائل میں اس کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

پس حارث بن کلدہ نے نہ تو زیاد کا دعویٰ کیا اور نہ زیاد اس کی طرف منسوب تھا۔ ہاں اس کی لونڈی کا بیٹا تھا اور اس کے فراش پر پیدا ہوا یعنی اس کے گھر میں پھر جو آدمی بھی اس کا دعویٰ کرے وہ اسی کا ہے ہاں اگر کوئی اور آدمی اس سے جھگڑا کرے جو اس کا زیادہ حقدار ہو تو علیحدہ بات ہے۔ تو اس صورت میں امیر معاویہ پر کوئی طعن نہیں ہے اور امام مالک کے مذہب پر جو کچھ امیر معاویہ نے کیا وہ بالکل صحیح تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر صحابہ نے اس پر انکار کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس آدمی کی یہ رائے ہو کہ ایک وارث سے نسب ثابت نہیں ہوتا اس کو اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر لوگوں نے اس پر لعنت کیوں کی اور پھر وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول سے استدلال کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا ہے "جو آدمی اپنے باپ کے بغیر کسی اور کی طرف یا اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے وہ ملعون ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اس پر لعنت کرنے والے ہیں وہ دو طرح سے لعنت کرتے ہیں ایک تو اس وجہ سے کہ اس نے اپنا نسب اس طریق سے ثابت کیا اور انہوں نے اس وجہ سے لعنت درست نہ سمجھی انہوں نے ایک اور وجہ سے اس پر لعنت کی کیونکہ ان کے نزدیک زیاد لعنت کا مستحق تھا کیونکہ اس نے معاویہ سے الحاق کر لینے کے بعد ایک نیا کام کیا تھا[1]۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زنا سے حرمت ثابت کی ہے اور اس پر حکم بھی مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا[2] اے سودہ اس سے پردہ کرو"

---

[1] ان کے نزدیک زیاد حجر بن عدی کے قتل کا سبب تھا اور اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لعنت کرنے والے شیعہ لوگ ہیں ۱۲

[2] موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ۲۱ ص ۷۴۰ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو مرتے وقت کہا کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا میرا ہے اسکو لے لینا۔ پھر فتح مکہ کے سال سعد نے اس کو پکڑ لیا اور کہا یہ میرا بھتیجا ہے میرے بھائی نے اس کے متعلق وصیت کی تھی تو عبد بن زمعہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور میرے باپ کے فراش پر پیدا ہوا چنانچہ وہ دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ کے پاس پہنچے تو سعد نے کہا اے اللہ کے رسول (باقی بر صفحہ ۳۸۳)

اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ زنا سے وہ مجامعت حرام ہو جاتی ہے جو
صحیح نکاح سے تعلق رکھتی ہے اور کوفیوں کا یہی مذہب ہے اور ابن القاسم کی
روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن وہ اس طریق سے
ان کی دلیل سے متفق نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اس کو کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے
اور امام شافعی نے کہا ہے کہ عبد بن زمعہ کے دعویٰ کرنے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کے نسب ثابت کرنے کے بعد بھی جو حضرت سودہ کو اپنے بھائی سے پردہ کرنے
کا حکم دیا ہے تو یہ صرف نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی حرمت
اور تعظیم کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ اپنے شرف و بزرگی میں دوسری عورتوں کی طرح
نہیں ہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہارے قول کے مطابق اگر سودہ کے
بھائی کا نسب ثابت اور صحیح ہوتا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "بچہ فراش والے
کا ہے"۔ نسب ثابت کرنے کے لیے ہوتا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کو کبھی
اس سے پردہ کرنے کو نہ کہتے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت عائشہ کو اس آدمی کے آنے
سے نہ روکا جس کو انہوں نے اپنا رضاعی بھائی کہا تھا اور صرف یہ کہا کہ "اپنے بھائیوں
کی تحقیق کر لیا کرو"۔

اور وہ جو سعید بن مسیب سے بیان کیا گیا ہے وہ انہوں نے اپنے مسلک

(بقیہ حاشیہ ص۳۸۲) یہ میرا بھتیجا ہے میرے بھائی نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی اور عبد بن
زمعہ نے کہا "یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے۔ اس کے فراش پر پیدا ہوا"۔ تو
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عبد بن زمعہ یہ تیرا ہے"۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "بچہ فراش والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں"۔ پھر آپ نے سودہ بنت زمعہ سے
کہا "اس سے پردہ کرو"۔ کیونکہ آپ نے اس کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص سے دیکھی چنانچہ
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پھر مرتے دم تک نہ دیکھا اور یہ روایت بخاری اور مسلم میں بھی ہے ۱۲

کے مطابق کہا ہے کیونکہ یہ الحاق ان کے نزدیک صحیح نہیں تھا اور اسی طرح کچھ اور صحابہ اور تابعین نے بھی سمجھا تھا اور چونکہ یہ مسئلہ ائمہ اور فقہاء میں اختلافی ہے تو اس وجہ سے یہ انتقاد کی حد سے نکل کر اعتقاد کی حد میں چلا گیا اور امام مالک نے اپنے مؤطا میں عباسی دور خلافت میں اس کے نسب کو ثابت کیا اور "زیاد بن ابی سفیان" کہا اور مخالفوں کی طرح "زیاد بن ابیہ" نہیں کہا۔ حالانکہ آپ ایک آدمی کے قول سے نسب کا ثبوت نہیں مانتے۔ لیکن اس مسئلہ میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے جسے کوئی بھی نہ سمجھ سکا اور وہ یہ ہے کہ اختلافی مسئلہ میں کسی ایک وجہ پر حکم ہو جائے تو اس سے رجوع ناجائز ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اختلافی مسائل میں ایک قول کے مطابق جب قاضی فیصلہ کر دے تو وہی جاری ہو گا اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اور ان کا یہ بیان کرنا کہ حضرت عمر نے کہا "میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیری عقل لوگوں پر مسلط کر دوں"۔ یہ کسی بیوقوف کی زیادتی ہے جس کا کوئی اصل نہیں ہے اور زیاد کی کون سی عقل تھی جو حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں سے بڑھی ہوئی تھی[1]؟ حالانکہ ہر صحابی زیاد سے زیادہ عقلمند اور عالم تھا۔ اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ جس کی عقل کامل ہو اور دوسروں سے زیادہ عقلمند ہو اس کو معزول کیا جاتا ہے یا مقرر کیا جاتا ہے؟

اور کہتے ہیں کہ وہ داہیہ (فریبی) تھا اور یہ کلمہ کتنا بے معنی ہے کیونکہ دہاء اور ارب کا معنی فریبی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مطلب معانی کی پہچان اور ابتدا سے انتہا پر استدلال کرنا ہے۔ اور اس معاملہ میں تمام صحابہ اور تابعین سے بڑھ کر تھے اور یہ وہ جھوٹی روایات ہیں جو مورخ بیان کرتے ہیں اور لڑائی اور بے اتفاقی کا سامان

---

[1] کیونکہ جب زیاد حضرت عمر کے پاس آیا اس وقت اس کی عمر کل سترہ سال تھی جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ اوسط میں اس کو یونس بن حبیب آل زیاد سے روایت کیا ہے ۱۲

پیدا کرتے ہیں اور آج ہر آدمی اس جیسی یا اس سے بھی بڑھ کر بنا سکتا ہے۔
اور حیلہ اگر دین کے موافق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہر وہ حکایت جو دین کے خلاف
ہو اس کی روایت میں کوئی بھلائی اور عقلمندی نہیں ہے اور جیسا کہ ہم پہلے
بیان کر چکے ہیں آج بنی امیہ کے والیوں کا ہر دشمن زیادہ سے زیادہ عقلمند اور
فصیح ہے۔ سو تم ان باطل روایتوں کی طرف توجہ نہ کرو۔

نکتہ (نمبر ۲)

والی بنانے اور معزول کرنے کے کچھ معانی اور حقائق ہوتے ہیں جن کو
اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قریبا بارہ
ہزار ایسے صحابی چھوڑ کر فوت ہوئے جن کے نام معلوم ہیں اور ان میں سے دو
ہزار کے قریب وہ ہیں جو اپنی بزرگی میں مشہور ہیں۔ حضرت ابوبکر نے ان میں سے
سعد، ابو عبیدہ، یزید، خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل اور کچھ اور لوگوں کو والی
بنایا اور انس بن مالک کو بیس سال کی عمر میں بحرین کا والی مقرر کیا اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی۔ کیونکہ آپ نے بھی عتاب کو اسی عمر میں مکہ کا والی
بنایا تھا اور انہوں نے سب بزرگوں کو والی نہیں بنا لیا تھا کہ نوجوانوں کی ضرورت
بھی پیش آ گئی۔

اور حضرت عمر نے بھی اسی طرح والی بنایا اور حضرت خالد بن ولید کو معزول
کر دیا اور یہ سب باتیں ایک عظیم فقہ اور عجیب معلومات کی بنا پر ہوتی ہیں جن کو
امامت و سیاست کے اصول کی کتابوں میں اپنے اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے
سو تم کوئی اور بات چھیڑو اور اس موضوع کو چھوڑو کیونکہ یہ وہ چیز نہیں ہے
جسے اہل ادب کے جبڑے چبا سکیں۔

"اور وہ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے گواہ بلائے تو سلولی[1] اور اس کے علاوہ اور لوگوں نے بھی گواہی دی"۔ تو اس کے متعلق اس آدمی سے جا کر پوچھو جس نے یہ بات سلولی کے ذمے لگائی ہے کیونکہ وہ تو اس قصہ میں تھا ہی نہیں اور اسی طرح سعید یا سعد کو بھی اس قصہ سے حذف کر دو۔ باقی رہا ابو بکرہ کا اپنے ماں جائے بھائی کے متعلق کلام تو وہ اس کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ابو بکرہ نے اس میں اپنے اجتہاد سے کام لیا اور وہ جو انہوں نے ابو بکرہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ زیاد نے اپنی ماں کو زنا کار ثابت کیا۔ اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو بھی اس کی ماں کے حق میں مضر نہیں کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے اور اسلام لانے کے بعد اللہ تعالے نے جاہلیت کے زمانہ کے تمام گناہ معاف کر دیئے تھے اور یہ گناہ اور عار اس سے دور ہو چکے ہیں اب ان کا تذکرہ کوئی جاہل ہی کرے گا۔

قاضی ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں پاتے اور ان پر اس کا حسد اور عداوت غالب ہوتی ہے تو اس کے ذمہ عجیب عجیب عیب

---

[1] السلولی ابو مریم مالک بن ربیعہ ہے اور یہ ۴۴ھ کا واقعہ ہے اور اس کے ساتھ شہادت میں یہ لوگ شریک تھے زیاد بن اسماء حرمازی۔ منذر بن زبیر (بروایت روایتی) اور جویریہ بنت ابی سفیان اور مسور بن قدامہ باہلی۔ ابو النصر ثقفی۔ زید بن نفیل ازدی۔ شعبہ بن علقم مازنی بنی عمرو بن شیبان اور بنی مصطلق کا ایک ایک آدمی۔ ان سب لوگوں نے کہا کہ ابو سفیان نے کہا تھا "زیاد میرا بیٹا ہے"۔

ان میں سے صرف منذر نے یہ کہا کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ابو سفیان نے کہا تھا "زیاد میرا بیٹا ہے" تو اس کے بعد امیر معاویہ نے اٹھ کر خطبہ دیا اور زیاد کو اپنا بھائی قرار دے لیا۔ پھر زیاد نے اٹھ کر کہا اگر گواہوں کی گواہی صحیح ہے تو الحمد للہ اور اگر گواہی جھوٹی ہے تو میں ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں"۔

لگاتے ہیں۔ سو تم نصیحت قبول کرو اور صحیح خبروں کے علاوہ اور کسی طرف توجہ نہ کرو اور جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں پوری طرح اہل تاریخ حضرات سے پرہیز کرو کہ ان لوگوں نے سلف سے کچھ صحیح خبریں حاصل کی ہیں تاکہ ان کے ذریعے باطل واقعات بیان کریں۔

اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ پسند نہیں کرتے اور اس طرح وہ سلف کو حقیر اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔ حالانکہ دین اس سے بہت بلند ہے اور سلف اس سے بہت زیادہ عزت والے ہیں۔ اللہ ان سب سے خوش ہو۔

اور جس آدمی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال کو غور سے دیکھا ہے اسے ان خرافات کا بطلان خود بخود معلوم ہو جائے گا جو اہل تاریخ نے بیان کی ہیں۔ وہ یہ چیزیں کمزور لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔

اب اسی زیاد ہی کو لے لو جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ کو اپنا جانشین مقرر کیا جو ایک بہت بڑے صحابی تھے تو انہوں نے زیاد کی خلافت کو قبول کر لیا اور سمرہ بن جندب کے مقام کو دیکھتے ہوئے یہ وہم بھی نہیں گذر سکتا کہ انہوں نے ایک ظالم آدمی کی خلافت قبول کر لی ہو گی۔ حالانکہ وہ صحابی ہیں اور بغیر کسی تقیّہ اور مجبوری کے اس کو قبول کرتے ہیں۔

اور یہ ایک صاف اور واضح دلیل ہے۔ پھر تم کن لوگوں کا ساتھ پسند کرتے ہو۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا یا مسعودی۔ مبرّد اور ابن قتیبہ[1] اور ان جیسوں کا۔ اور یہ آخری بیان ہے۔

---

[1] قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ابن قتیبہ کے متعلق فیصلہ کیا ہے وہ بڑا سخت ہے اور یہ فیصلہ انہوں نے اس بنا پر کیا ہے کہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ کتاب (باقی بر صفحہ ۳۸۸)

(بقیہ حاشیہ ص۳۸۷)

"الامامت والسیاست" ان کی تالیف ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں کئی امور ایسے ہیں جو ابن قتیبہ کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوئے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کسی خبیث نفس خواہش پرست اور شیطان سیرت آدمی نے اس میں اضافے کیے ہیں۔ اگر مولف رحمۃ اللہ علیہ ان حقائق سے واقف ہوتے تو کبھی ابن قتیبہ کا نام نہ لیتے بلکہ ان کی جگہ جاحظ کا نام لکھتے ۱۲

خاتمہ

دورِ جاہلیت میں ہر چیز میں تعصب سے کام لیا جاتا تھا اور دھڑا بندی سے سب کام سرانجام دیئے جاتے پھر جب اسلام حق لے کر آیا تو اللہ تعالٰے نے اپنی مخلوق پر اپنے احسانات ظاہر کیے۔ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں " اور اپنے اوپر اللہ کے احسان یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوا کرتے تھے سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم خدا کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔" (آلِ عمران)

اور پھر اپنے نبی سے فرمایا " اگر آپ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں یہ پیار و محبت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ تعالٰے نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی " (انفال) تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت نے ان کو جمع کر رکھا تھا۔ ان کی حالت درست کرتی تھی ان کے دلوں کی اصلاح ہوتی اور عداوتیں دور ہوتیں۔

پھر جب اللہ تعالٰے نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا۔ تو دلوں میں کدورت پیدا ہونے لگی۔ لیکن جب تک ترازو قائم رہی ظاہری حالات درست رہے پھر جب ترازو بھی اٹھ گئی جیسا کہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے تو اللہ تعالٰے نے دلوں سے الفت اٹھا لی اور اختلافات نے اپنے پر پھیلا دیئے اور حضرت عثمان کے قتل سے تو اس کے دونوں بازو برابر ہو گئے تو پھر یہ سارے زمانہ میں اڑنے لگا اور قیامت تک کے لیے جنگ شروع ہو گئی اور مسلمانوں کے کئی ایک فرقے بن گئے اور ہر ایک وادی میں پریشان پھرنے لگے۔

کوئی بکری بنا کوئی عمری۔ کوئی عثمانی کوئی علوی کوئی عباسی اور ہر فرقہ یہ سمجھنے لگا کہ حق ہمارے اور ہماری جماعت کے پاس ہے اور دوسرے سب لوگ ظالم۔ خائن۔ بخیل اور خیر و نیکی سے خالی ہیں اور یہ مذہب نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ یہ صرف حماقتیں اور جہالتیں ہیں یہ گمراہی کے قریب ہیں۔ یہاں تک کہ شریعت کمزور ہو گئی اور بے دین لوگ دین سے مذاق کرنے لگے اور شیطان ان سے کھیلنے لگا اور ان کو وہاں لے گیا جہاں ان کو نہیں جانا چاہئے تھا۔

بکریوں نے کہا۔ ابوبکر کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت کا حکم دے کر نص قائم کر دی ہے اور امت نے ان کو اپنی حکومت کے لیے پسند کر لیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ ان سے بڑی محبت تھی۔ آپ والی ہوئے تو انصاف کیا۔ ان کو انتخاب کیا گیا تو بہت اچھا ہوا۔ لیکن حضرت عمر کے نامزد کرنے میں ان سے غلطی ہوئی انہوں نے ایک درشت مزاج اور سخت گیر آدمی کو انتخاب کیا اور پھر حضرت عمر کے معائب بیان کرتے ہیں اور یہ تو کسی پر مخفی نہیں کہ عثمان اور علی نے کوئی کام کیا ہی نہیں۔

اور عمریوں نے کہا۔ ابوبکر صحیح ہے کہ اچھے آدمی تھے لیکن کمزور تھے۔ اور عمر ایک عادل امام تھے۔ طاقتور تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان فرما کر ان کی تعریف فرمائی۔ اور پھر چرسے اور کنویں سے پانی نکالنے کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور عثمان تو بحث ہی سے خارج ہیں۔ انہوں نے نہ کوئی والی منتخب کیا۔ نہ کسی کا حق پورا کیا نہ اپنے اقارب کو تھام کر رکھا اور نہ اپنے سے پہلے خلفاء کے طریقوں کی پیروی کی اور علی تو بس صرف خونریزی کے دھنی تھے۔ میں نے خود کئی ایک مجلسوں میں سنا ہے کہ ابن جریج[۱] حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے افضل سمجھتے تھے اور میں نے طرطوشی[۲]

(حاشیہ آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

سے سنا ہے کہتے تھے اگر کوئی آدمی حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے افضل کہے تو میں اس کی پیروی کروں گا۔

اور عثمانیوں نے کہا۔ عثمان کی فضیلتیں بہت زیادہ ہیں آپ نے اپنی ذات اور مال سے بڑے بڑے کام کیے اور پھر مظلوم شہید ہو گئے۔

اور علویوں نے کہا حضرت علی آنحضرت کے چچازاد بھائی تھے۔ داماد تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو نواسوں کے باپ تھے اور ان کی پرورش رسول اللہ کے گھر میں ہوئی۔

اور عباسیوں نے کہا کہ حضرت عباس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ باپ کے قائم مقام تھے۔ آپ کے بعد خلافت کا حق سب سے پہلے انہی کو ملنا چاہئے تھا اور ان کے متعلق اتنی ردی اور نکمی باتیں بیان کیں کہ ان کا ذکر کرنا بھی بے فائدہ ہے[۱] اور کچھ حدیثیں بھی بیان کرتے ہیں جن کی روایت کرنا بھی گناہ ہے۔ کیونکہ ان میں بڑی دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور ان کے راوی کمزور ہیں۔

اور اکثر ملحد لوگ اہل بیت سے اپنا تعلق[۲] بیان کرتے ہیں اور حضرت علی

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۹۰) ؁۱ ان کا نام عبد الملک بن عبد العزیز ہے۔ مکی ہیں بہت بڑے عالم ہیں ۱۲

؁۲ یہ مؤلف کے استاد ہیں کتاب کے شروع میں ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں ۱۲

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؁۱ ان میں سے اکثر عباسی دور خلافت میں گھڑی گئیں ۱۲

؁۲ یہ اہل بیت کو اپنے اغراض فاسدہ کا ذریعہ بناتے ہیں اور پھر اہل بیت کے بہت سے لوگوں پر طعن بھی کرتے ہیں۔ امام زید جیسے لوگوں پر طعن زنی کرتے ہیں اور پھر بارہ اماموں کو معصوم اور نبی صلعم کے وصیت کردہ کہہ کر اہل بیت کے نانا کی شریعت کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں ۱۲

کو تمام مخلوق سے مقدم سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ بیس فرقوں میں منقسم ہو گئے
ان میں سے سب سے بڑا وہ فرقہ ہے جو حضرت علی کو خدا کہتا ہے۔
اور غرابیہ فرقہ حضرت علی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے لیکن چونکہ جبرئیل
کو محمدؐ سے محبت اور علیؓ سے دشمنی تھی لہذا وہ وحی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دے
گیا۔ بہر حال یہ ایسا ٹھنڈا کفر ہے جسے کردار کی گرمی ہی پگھلا سکتی ہے اور مناظرہ کی
گرمی اس میں کوئی اثر نہیں کر سکتی۔

خاتمہ

یہ باتیں میں نے اس لیے بیان کی ہیں کہ تم غیر معتبر لوگوں سے پرہیز کرو۔
خاص طور پر مفسرین، مورخین اور ادیب لوگوں سے یہ لوگ دین کی حرمات
سے بالکل جاہل ہیں اور یا پھر بدعات پر اصرار کرتے ہیں تو تم ان کی روایات کی
پروا نہ کرو اور ائمہ حدیث کی روایت کے سوا اور کوئی بات تسلیم نہ کرو اور مورخین
میں سے طبری[1] کے علاوہ اور کوئی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ وہ صرف خالص ہذیان
اور سب سے بڑی بیماری ہیں وہ ایسی روایات بنا لاتے ہیں جن سے صحابہ اور
سلف صالحین کی توہین و تذلیل ہو اور ان کی طرف ایسے اقوال و افعال منسوب
کرتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہوتی اور بتاتے ہیں کہ صحابہ دین چھوڑ کر دنیا کی
طرف مائل ہو گئے حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے لگے جب تم اہل باطل
سے مقاطعہ کر دو گے اور عادل راویوں کی روایت پر اکتفا کر دو گے تو اس شیطانی
جال سے محفوظ رہو گے۔ سو تم اس طرف توجہ بھی نہ کرو اور سب سے زیادہ
لوگوں کو نقصان پہنچانے والا جاہل عقلمند ہے یا پھر بدعتی حیلہ ساز جاہل تو
ابن قتیبہ ہے۔ اس نے اپنی کتاب "الامامت والسیاست" میں صحابہ کا ذکر کیا

---

[1] اور اس کے باوجود طبری نے اپنی خبروں کے مصادر کو بھی بیان کر دیا ہے اور راویوں
کے نام بھی لکھ دیے ہیں تاکہ ہر آدمی اس روایت کی قیمت معلوم کر سکے اور پھر اپنی کتاب
کے مقدمہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی ایسی خبر ہو جس کو قاری ناپسند سمجھے
اور اس کی صحت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ ہماری طرف سے نہیں ہے بلکہ
بعض ناقلین کی طرف سے آئی ہے ۱۲

احترام ملحوظ نہیں رکھا بشرطیکہ اس کے تمام مندرجات ابن قتیبہ ہی کے ہوں[1]۔ اور مبرّد نے اپنی ادبی کتاب میں بھی جہالت کا ثبوت دیا ہے[2]۔ معلوم نہیں اس کی لومڑی جیسی عقل کو کیا ہوا کہ وہ اپنی امالی میں بہترین امام ہے اس نے اس کو ایسے ادبی طریقہ پر لکھا ہے جس میں افاضل امت پر کوئی طعن و تشنیع نہیں ہے

---

[1] اس کے مندرجات صحیح نہیں ہیں اگرچہ اس کی نسبت ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ کی طرف صحیح بھی ہو جیسا کہ ابن العربی نے کہا ہے۔ کیونکہ کتاب "الامامت والسیاستہ" جہالت۔ حماقت۔ جھوٹ اور فریب سے بھری ہوئی ہے۔ آج سے ربع صدی پہلے جب میں نے ابن قتیبہ کی کتاب "المیسر والقداح" شائع کی اور ابن قتیبہ کا ایک مفصل ترجمہ لکھا اور اس کی مؤلفات کا ذکر کیا تو میں نے "الامامت والسیاستہ" کے متعلق علماء کے ماخذ اور دلائل بیان کیے تھے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں ہے اور اب میں اس مضمون پر اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ "الامامۃ والسیاسۃ" کا مؤلف علماء مصر کے دو بڑے عالموں سے اکثر روایات نقل کرتا ہے۔ حالانکہ ابن قتیبہ کبھی مصر نہیں گیا اور نہ ان دونوں عالموں سے کچھ پڑھا ہے تو اس بحث سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں بہت کچھ خود ساختہ درج کیا گیا ہے ۱۲

[2] مبرّد کا میلان خارجیوں کی طرف ہے اور ان کی طرفداری کرتا ہے اور لغت اور ادب میں اس کا امام ہونا روایت اور اسناد کے علم میں اس کے ضعیف ہونے پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ امام ابو حامد غزالی باوجودیکہ علوم شرعیہ اور عقلیہ میں بڑی جلالت رکھتے ہیں۔ پھر بھی علماء نے ان کے علم اسناد کے ضعف کو معاف نہیں کیا پھر وہ مبرّد کو کیسے معاف کر سکتے تھے۔ بہرحال ہر خبر خواہ وہ گذر چکی ہو یا آنے والی ہو اور پھر خواہ وہ ہماری امت میں ہو یا کسی اور امت میں اس میں سچ اور جھوٹ دونوں چیزوں کا احتمال ہوگا۔ جب تک کہ کسی معتبر علمی کسوٹی پر ان کا صدق یا کذب پرکھ نہ لیا جائے ۱۲

اور حیلہ ساز بدعتی مسعودی ہے۔ اس کی مرویات سے الحاد کی بو آتی ہے اور اس کے بدعتی ہونے میں تو شک ہی نہیں[1]۔ جب تم اپنے کانوں اور آنکھوں کو باطل کے مطالعہ سے محفوظ رکھو گے اور کسی خلیفہ کے متعلق ایسی منسوب باتیں جو کہنے کے لائق نہیں ہیں یا جن کا نقل کرنا جائز نہیں ہے نہ سنو گے تو تم سلف صالحین کے طریقہ پر چلو گے اور باطل کی راہ سے واپس آ جاؤ گے۔

یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے اپنے موطا میں عبدالملک بن مروان کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے اور شریعت کے قواعد میں ان کو بیان کیا ہے[2]۔

اور پھر امام مالک نے اپنی روایت میں "زیاد بن ابی سفیان" کہا ہے تو آپ

---

[1] علی بن حسین مسعودی کو شیعہ اپنے علماء اور بڑے لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ مامقانی نے اپنی کتاب "تنقیح المقال" میں اماموں کی عصمت اور خلافت کی وصیت کے متعلق چند ایک کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جس سے اس کا کٹر شیعہ ہونا اور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہونا ثابت ہوتا ہے ۱۲

[2] ان میں سے ایک تو موطا کی کتاب الاقضیہ ص۲۳۷ باب المستکرہۃ من النساء میں ہے کہ مجھ سے ابن شہاب نے بیان کیا کہ عبدالملک بن مروان نے ایسی عورت کے متعلق فیصلہ کیا جس سے زبردستی کسی نے صحبت کی ہو وہ شخص اس کو حق مہر دے۔ اور موطا کتاب المکاتب ص۲۵۰ میں عبدالملک کا ایک اور فیصلہ درج کیا ہے اور ایک فیصلہ موطا کی کتاب العقول ص۲۶۲ میں موجود ہے اور اس کے باپ مروان بن حکم کے فیصلے اور فتاوی تو موطا میں بہت سے ہیں اور اس کے علاوہ مسلمانوں کی متداول کتابوں میں بھی اس کے فیصلے بہت سے درج ہیں جن پر مسلمان عمل کرتے ہیں اور مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کی پرہیزگاری اگر معلوم کرنا چاہو تو موطا کی کتاب النکاح میں مالک بن ابی عبلہ کی حدیث ص۱۹۵ پر دیکھو ۱۲

نے زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب کیا حالانکہ اس کے فقہ کا ان کو علم تھا اور اگر امام مالک کے نزدیک عوام کی بات صحیح ہوتی تو اس کو ابوسفیان کی طرف منسوب کرنا آپ کبھی پسند نہ کرتے اور نہ ہی اس کا تذکرہ اس کتاب میں کرتے جس کو انہوں نے اسلامی قانون کی حیثیت[۱] سے لکھا۔

اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب روائتیں عباسی دور خلافت میں جمع کی گئیں اور حکومت ان کے ہاتھ میں تھی پھر بھی انہوں نے نہ اس میں تبدیلی کی۔ نہ امام مالک پر اعتراض کیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض اسکو جائز جانتے تھے اور بعض ناجائز۔ اس لیے انہوں نے اعتراض کرنے کی کوئی صورت نہ پائی۔

اور ان سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جب خلیفہ نے امام مالک پر موطا پڑھا اور اس میں عبدالملک بن مروان کا ذکر اور اس کے فیصلے بھی پڑھے تو پھر بھی کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ جب علماء اس کے فیصلوں سے استدلال کرتے تو اعتراض کون کرتا اور اگر علماء طعن کرتے تو دوسرے لوگ بھی کہتے[۲]۔

---

[۱] عامر بن شراحیل شعبی مسلمانوں کے اماموں میں سے ہے بلکہ امام مالک اس کو اپنا امام تسلیم کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق جلد ۵ میں زیاد کے ترجمہ میں کہا ہے کہ شعبی نے کہا کہ زیاد کے پاس ایک فوت شدہ آدمی کی میراث کا مقدمہ آیا اس کی ایک پھوپھی اور ایک خالہ تھی تو زیاد نے کہا میں تم میں وہی فیصلہ کروں گا جو میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے آپ نے پھوپھی کو بھائی کی جگہ پر رکھا اور خالہ کو بہن کی جگہ پر ۱۲

[۲] عبدالملک بن مروان سے امام بخاری نے بھی اپنی کتاب "الادب المفرد" میں روایت کی ہے اور اسی طرح امام زہری، عروہ بن زبیر اور خالد بن معدان جیسے تابعین اور زاہدوں نے بھی عبدالملک سے روایت کی ہے اور رجا بن حیوہ بھی (باقی بر صفحہ ۳۹۷)

امام بخاری[۱] نے عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے کہ جب عبدالملک بن مروان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اس وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس تھا۔ آپ نے لکھا "میں اپنی طاقت کے مطابق اللہ و رسول کے طریقہ پر امیر المومنین عبدالملک کے ہاتھ پر سننے اور فرمانبرداری کرنے کی بیعت کرتا ہوں اور میری اولاد بھی یہی اقرار کرتی ہے"۔

اور یہ مامون ہے جو خلق قرآن کا قائل تھا اور اسی طرح واثق بھی ان لوگوں نے بدعات کا اظہار کیا اور یہ ایک مشہور مسئلہ بن گیا کہ "جب قاضی یا امام بدعتی ہو جائے تو کیا اس کی ولایت صحیح رہتی ہے اور اس کے احکام نافذ ہوتے ہیں یا نہیں"؟ اور یہ ایک مشہور مسئلہ ہے۔ اور یہ مورخین کی ان بہتان طرازیوں سے بہت سخت ہے کہ فلاں نے شراب نوشی کی یا گانا سنا یا فاسق ہوا یا زنا کیا۔ کیونکہ قرآن کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مخلوق ہے، بدعت یا کفر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۶) ایک بڑے عالم اس سے روایت کرتے ہیں۔ امام نافع حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ میں نے ایک وقت مدینہ کو دیکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان سے بڑھ کر قرآن مجید کا قاری اور فقیہ اور سنت کا متبع کوئی نہ تھا۔ امام اعمش ابن زناد سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں چار آدمی فقیہ ہیں۔ سعید بن مسیب۔ عروہ بن زبیر۔ قبیصہ بن ذویب اور عبدالملک بن مروان (امیر بننے سے پہلے) اور شعبی کہتے ہیں کہ میں جتنے بھی آدمیوں کے پاس بیٹھا میرا علم ان سے زیادہ ہوتا تھا صرف ایک عبدالملک بن مروان تھا جس کا علم مجھ سے زیادہ تھا۔ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تو وہ مجھے کچھ اور بھی حدیث سنا دیتا اور اگر کبھی کوئی شعر پڑھتا تو وہ کچھ اور بھی بتا دیتا ۱۲ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۶۲ / ۹ ، ۶۲)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا) [۱] صحیح بخاری کتاب الاحکام صفحہ ۱۲۲ / ۲ اور سنن کبری بیہقی صفحہ ۱۴۶ / ۸ ۔ ۱۲

(اس میں علماء کا اختلاف ہے)

اور یہ خلیفے اس کفر یا بدعت سے مشہور بھی ہوئے اور ان کے یہ گناہ تو ظاہر نہ ہوئے (اگر انہوں نے کیے بھی تھے) تو پھر ان رطب و یابس اکٹھا کرنے والے مورخین کے اقوال سے کیسے ثابت ہو جائیں خصوصاً جبکہ ان کا مقصد بھی یہ تھا کہ لوگوں پر گناہ کا دروازہ کھول دیں کہ اگر ہمارے خلفاء بھی ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر ہم پر کیا گرفت ہے اور امراء نے ایسی کتابوں کی اشاعت پر ان سے تعاون کیا کیونکہ ان کو ایسے افعال سے رغبت تھی۔ یہاں تک کہ بھلائی برائی بن گئی اور برائی بھلائی۔

یہاں تک کہ انہوں نے جاحظ کی کتابوں کو مسجدوں میں پڑھنے پر بھی اعتراض نہ کیا جن میں باطل جھوٹ اور منکر باتیں موجود ہیں وہ یہاں تک بھی کہہ گیا کہ انبیاء علیہم السلام فطرتاً معصوم نہیں ہیں جیسا کہ اس نے اپنی کتاب "الضلال والتضلیل" میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق کہا ہے اور اسی طرح انہوں نے فلاسفہ کی کتابیں پڑھنے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ شرائع کا ابطال اور صانع کا انکار تک موجود ہے کیونکہ ان کے وزیروں اور خواص کی کچھ فاسد اغراض اور باطل مقاصد ان سے پورے ہوتے تھے۔ پھر اگر کسی فقیہ سے کوئی لغزش ہو جائے یا عالم کی عبارت مغالطہ ڈالنے والی ہو تو ع "ایسی مشہور ہو جاتی ہے جیسا کہ پہاڑ کی چوٹی پر آگ روشن ہو جاتی ہے"

اور ان فصلوں پر واقف ہو جانے کے بعد تم اپنی نیتوں کو اچھا رکھو اور پہلے لوگوں کی نسبت اپنے دلوں کو متغیر ہونے سے بچاؤ۔

اور میں پہلے بھی تم سے بیان کر چکا ہوں کہ تم لوگ ایک دینار یا ایک درہم کے معاملہ میں بھی کسی عادل اور بے غرض آدمی پر اعتبار کرتے ہو پھر تم اقوال سلف میں اور پہلے لوگوں کے مناقشات میں ایسے آدمیوں پر کیوں اعتبار کر لیتے ہو جن کا دین میں کوئی مرتبہ نہیں ہے اور پھر عدالت کا تو کیا کہنا۔

اور اللہ تعالے حضرت عمر بن عبد العزیز پر رحم فرمائیں۔ جب لوگوں نے ان کے سامنے صحابہ کے مناقشات، کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا "یہ ایک امت تھی جو گذر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق کچھ نہ پوچھا جائے گا" (سورۃ البقرہ)

اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے احسان سے تمام نیک کام پورے ہوتے ہیں۔

اردو

العواصم من القواصم

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ

بیاء السنۃ گھرجاکھ، گوجرانوالہ